Tyag

By

Jori Shanker Lal

Pt Kulter

تیاگ



از
گوری شنکر لال اختر

ناول میگزین کے سلسلے کا بارہواں ناول

تیاگ

یعنی

صوبہ بنگال کے جادو نگار فسانہ نویس شری

چارو چندر باندھو پادھیائے کے "سرت پھول"

نامی نہایت ہی پُرلطف بنگالی ناول کا اردو ترجمہ

از

منشی گوری شنکر لال صاحب اختر

جس کو

میسرز نارائن دت دیوا چند مالکان

"ناول میگزین" چنگڑ محلہ سادھو سٹریٹ لاہور نے

بار اول

قیمت

مترولاس سٹیم پریس لاہور میں چھپا۔

نیاگ

تیاگ

(۱)

منھراپور نامی قصبہ کے دس آنہ کے زمیندار ہری بہاری بابو کے عالی شان مکان کی ڈیوڑھی میں ایک فقیر کھنجری بجاتے ہوئے بھگتی بھاؤ کے رس میں ڈوبا ہوا کوئی چبھتا ہوا گانا گا رہا تھا۔ اور اندرونی مکان کی چھت پر ایک بیوہ عورت بیٹھی ہوئی بڑیا دیتے دیتے وہ گیت سن رہی تھی۔

اس بیوہ عورت کی عمر پینتیس ۳۵ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ چھریرا بدن۔ خوبصورت چہرہ دلکش ادائیں۔ اس آئینہ رو کے خوبصورت چہرہ سے دکھ درد اور مایوسی کا انعکاس ہو رہا تھا۔ اس میں بھی چہرہ کی تیز ترین کرنیں مل ملا کر کشش کی چاندنی کی طرح نور برسا رہی تھیں۔

موسم سرما کی صبح تھی۔ اس پر فضا صبح کی نیرنگیوں میں اضافہ کرنے کے لئے وہ گوری چٹی بدھوا نہا دھو کر سادے سادے کپڑوں سے ملبوس ہو کر سورج کی طرف پیٹھ کر کے پھول کی تھالی میں ارد کی دال پیس کر لکشمی کی پوجا کے لئے "بڑیاں" دے رہی تھی۔ وہ سفید سفید بڑیاں کی قطار بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔

مگر بدھوا کی توجہ بڑی دینے کی جانب نہ تھی۔ بلکہ وہ چپ چاپ بیٹھی ہوئی بھگتی بھاؤ کے دریائے بیکراں میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر جیسے غنچہ کی طرح کھلا جا رہا تھا۔ اُ[illegible]بت کے نغمے مضمون پر غور کر کے موسم سرما کے شبنم سے تربتر کمل کے پھول کی طرح اُ[illegible] نیلی آنکھیں [illegible] بھری تھیں۔

[illegible] کا رنگ سونے کی طرح بھوشت [illegible]

پھوٹ کر نور برسا رہا تھا۔ اُس کا جسم نہایت نرم و نازک تھا۔ گال مرنال کی مانند۔ سونے کے ایک دو زیور پہنے۔ ایک بوسیدہ گڑیا کے ساتھ ہلکی جھکتی اُسے اپنی لڑکی تصور کر کے پیار کر رہی تھی۔

لڑکی نامعلوم اپنے دل میں کیا سوچ کر بدھوا کی توجہ اپنی جانب منعطف کرنے کی غرض سے دل ہی دل میں کہنے لگی "ناتی ماں! تم بلی دو۔ میں گُل گُل کالکے کو دونگی"۔

بدھوا نے اُس کی طرف محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ نہیں ہنو! ایسی بات نہ کہو۔ یہ بڑی پوجا کی ہیں۔ پہلے دیوی دیوتا کھائیں گے۔ اس کے بعد ہنو پرشاد کھائیگی کیوں؟

یہ سُنکر ہنو نے گردن جھکا کر کہا — "پہلے دیوی جی کھائیں گی۔ اس کے بعد ہنو پلچھاد کھائے گی نہ ناتی ماں"؟

"ہاں! میری ہنو اچھی لڑکی ہے۔ لکشمی ہے — ہیرا بڑی ڈول۔ تم چپ چاپ بیٹھی ہوئی دیکھو۔ بات چیت نہ کرو۔ کیوں؟

ہنو نے اس تجویز پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور اپنی خیالی لڑکی کے ساتھ صادق محبت کا اظہار کر کے اُسے گود میں سُلا کر گنگنانے لگی۔

یہ نظارہ دیکھ کر اور گیت سُنکر بیوہ کے دل میں بھی جذبات آلود ترنگیں اُٹھنے لگیں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر سانس لیتی ہوئی اُن آنسوؤں کو وہ آنچل سے پونچھنے لگی۔

اتنے میں نیچے شور مچا کئی عورتیں ایک ساتھ پوچھ رہی تھیں۔ روہنی! روہنی!! او روہنی!!! کس کا خط ہے؟

زمیندار مہاشے کے اندرونی محل میں شروع سے ہی خط ساتھ ڈیوڑھی بیٹھے کر کے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اگر کسی طرح وقت بے وقت زمیندار مہاشے کی بیوی کے نام کوئی خط مشکل سے اندر پہنچ جاتا تھا۔ تو کہرام مچ جاتا تھا۔ خط آنے پر بھوبن سرکار کی ڈیلی ... وہ کھانستے ہوئے اندر آتے تھے۔ اور خط پڑھ کر سُنا دیتے تھے۔

... تی ...

... آکا درجہ سے روہنی ...

روہنی نے متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ یہ خط چاچا چاچی جی کا ہے ٭

چاچی جی جس توجہ کے ساتھ بڑی دے رہی تھیں۔ وہ تمام کی تمام اسی گول مال میں جاتی رہی۔ انہوں نے چھت سے ہی نیچے کی طرف جھانک کر دیکھا۔ اس کے بعد پھر آکر بڑی دینے لگیں۔ شوخی کا جیسے کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا۔ کیونکہ زمیندار گھرانے کے گھر میں گھسنے سے پیشتر ہی اُسے جواب دیدینا پڑا تھا۔ باہر کے حالات جاننے کی خواہش تو سب کو تھی۔ مگر اختیار کسی کا بھی نہیں تھا ٭

اسی وجہ سے نیچے کی تمام عورتوں نے ایک ساتھ ہی کہا چاچی جی کو کس نے خط لکھا۔ اُن کے تینوں لال ہیں تو کوئی نہیں تھا ٭

روہنی نے بھنویں چڑھا کر کہا۔ ہے! ہا نہیں۔ یہ میں کیونکر جانوں گی ٭

روہنی کا یہ انداز دیکھ کر کسی کو کوئی سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تمام کی تمام عورتیں چپ چاپ رہ گئیں ٭

ایک ادھیڑ عورت نے کہا۔ شاید یہ گھر کی مالکہ ہو۔ شاید یہ خط میرے بیٹے کا ہے۔ ورنہ چھوٹی بہو کو اور کون خط لکھیگا ٭

اُس وقت اور بھی شور مچا...... دے روہنی خط دے...... چاچی جی کو دے آؤں ٭

چھوٹے چھوٹے بچے بھی روہنی کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ خط لینے کے لئے لپک جھپک کر چیختے چلاتے تھے ـــ روہنی! ار روہنی!! مجھے دے!...... اری روہنی مجھے دے...... اُسے نہ دینا مجھے دے........ ٭

روہنی بائیں ہاتھ سے خط سر سے لگائے دائیں ہاتھ سے بچوں کی بھیڑ ہٹاتی ہوئی زور سے بول اُٹھی ـــ ارے ارے سب ٹھیرو...... ٭

چاچی جی تم کہاں ہو ٭

روہنی نے زور سے پکارا ٭

اُس وقت چاچی جی نے جلدی جلدی اُٹھ کر منڈیر سے نیچے کی طرف دیکھ کر کہا

دیکھو رو ہنی! کیوں پکارتی ہے؟ میں اس چھت پر پڑی دے رہی ہوں!

روہنی نے ایک انفانہ دکھا کر کہا۔ "تمہارا خط آیا ہے"

چاچی جی نے کسی قسم کی بیتابی کا اظہار نہیں کیا ——— بولی کوے بڑی کھا جائیں گے۔ روہنی روہنی۔ تو یہیں دے جانا!

چلتے چلتے روہنی چھت پر گئی۔ یہ تمبندار مہاشئے کی گھریلو نوکرانی تھی۔ خود زمیندار مہاشئے بھی اُس کی بڑی خاطر کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے محل کی دیگر نوکرانیاں بھی روہنی کی خوشامد میں لگی رہتی تھیں۔ اُس کا چست بدن۔ چمپئی کا سا رنگ۔ آرام و آسائش کے طمع سے بادامی جوتے کے روغن کی طرح جھلک مار رہا تھا۔ دونوں گالوں میں گرشن چکر۔ دانتوں کی قطار پرستی کی بہار شربت کے بیچ کا رنگ دکھا رہی تھی۔ ہاتھوں میں چوڑیوں کے سوا جو ہر لیوں میں سہاگ کا مخصوص نشان ہے۔ باقی اعضا زیور سے گوندنی کی طرح لدے ہوئے تھے ——— یہ زیورات تو سہاگن عورتوں کے ہیں۔ بدھوا کے لئے ان سب کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی چابی دن میں پچاسوں بار کھو جاتی تھی۔ اسی وجہ سے کمر میں سونے کی ایک پتلی سی زنجیر پہن رکھی تھی۔ انسان کی قسمت میں کب کیا ہوگا؛ اس کی کس کو خبر ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بد صورت مگر خشک بال بری طرح سے جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں غرور سے چار نہ ہو سکتی تھیں۔ مگر جس بیاس کی بینک نظر پڑ جاتی ہے۔ وہ سیکچر دیوتا کے مظالم بہ آسانی برداشت کر سکیگا۔ روہنی کے ساتھ ساتھ دیگر لڑکے بچے اور نوکرانیاں بے چینی سے چھت پر آگئیں۔ اور چاچی جی کی طرف دیکھنے لگیں۔ آج اس غیر معمولی واقعہ سے چاچی جی پر سب کی نظریں پڑیں۔ پہلے تو اس کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔

معصوم اور کمسن ہنو نے اپنے ساتھی پانچو سے چپ چاپ پوچھا۔ ہاں بھائی پانچو! کیا عورتوں کی بھی چٹھیاں آتی ہیں؟

پانچو نے اپنے دس برس کی طویل زندگی اسی محل میں بسر کی تھی۔ اُس کی اس تجربہ کار زندگی میں یہ واقعہ پہلا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دوست کے سوال کا جواب

نبی بخش جواب نہ دے سکا۔ پانچو متانت و سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ ہوں! تعجب ہے عورتوں کے نام بھی خطوط آتے ہیں +

چاچی جی نے خط لیکر دم زدن میں تحیرانہ نگاہ ڈالی۔ یہ کس کا خط ہے! اس کی تحریر سے اس کی نگاہ ناآشنا تھی۔ اس کے بعد مایوسانہ انداز سے بولی ــــ مجھے کون خط لکھنے والا ہے! کس سے خط پڑھواؤں؟........ بیٹا پانچو! تو پڑھ سکیگا؟

چاچی جی برائے نام لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ اُن کا شوہر نئی روشنی کا دلدادہ تھا اُنہوں نے اپنی بیوی کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا۔ مگر شوہر کی اتفاقیہ موت نے تعلیم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ چاچی جی ہری بابُو کے دُور کے رشتہ کی بھاوج تھیں۔ انہیں بے کسی و بے بسی دیکھکر رحم آگیا تھا۔ کچھ دنوں بعد۔ اُس کی تمام زمینداری اور پشتینی جائداد نہ معلوم کس طرح ہری بابُو کے قبضۂ اقتدار میں آگئی تھی۔ اُس وقت چاچی جی کو مجبوراً ہری بابُو کی پناہ لینی پڑی۔ اِس گھر میں آکر جب اُنہوں نے دیکھا۔ کہ عورتوں کا لکھنا پڑھنا بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں سب کا یہ خیال ہے۔ کہ عورتوں کو لکھانے پڑھانے سے صرف بیوہ ہی نہیں بلکہ مزاج میں آوارگی آجاتی ہے۔ گھر بلو عورتیں اگر ماتا سرستی (علم کی دیوی) کی پوجا کریں۔ تو دولت کی دیوی وہاں سے اپنا ڈیرا ڈنڈا اُکھاڑ لیتی ہے۔ اُس وقت سے چاچی جی نے جو کچھ تھوڑا بہت سیکھا بھی تھا۔ اُسے بھی بھلانے کی سرگرم کوشش کی۔ اور سب کو یہ جتاتی تھیں۔ کہ وہ ایک حرف بھی نہیں جانتی تھی۔ یہ خط پا کر اگرچہ سخت اضطراب ہو رہا تھا۔ کہ وہ فوراً لفافہ چاک کرکے دیکھیں۔ کہ یہ چٹھی اتفاقیہ کس نے لکھی۔ تاہم وہ اپنے اضطراب کو ضبط کرکے مایوسی سے موجودہ مردوں میں سے اُنہوں نے صرف پانچو کی پناہ لی۔ جو بلحاظ عمر و قابلیت سب میں بڑا تھا +

پانچو کی عمر دس برس کی تھی۔ جس دن پیدا ہوا۔ اُس دن اُس کی ماں کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ کتنی دیوی دیوتاؤں کی منت و خوشامد سے پانچو نے دسویں برس میں قدم رکھا تھا۔ اُس کی پیشانی بہت چوڑی تھی۔ مگر تمام جسم نہایت لاغر و نحیف تھا۔ پیٹ ہوا بھرے ہوئے فٹ بال کی طرح۔ گلے میں ایک بہت

میلی کچیلی تیل آلود تعویذ۔ کسی کی شکل طبلہ کی طرح۔ اور کسی کی ڈھولک کی۔ جیسے ہڈّی کی سطح ناہموار ہوتی ہے۔ اسی طرح پانچو نے اپنے تعویذ کو دانتوں سے چبا چبا کر جابجا سے اُس کی شکل بگاڑ دی تھی۔ کوئی تانبے کی تھی۔ کوئی چاندی کی اور کوئی سونے کی۔ بعض بعض اشٹ دھاتی بھی تھیں۔ تعویذوں کے ساتھ ایک کچّے آم کی گُٹھلی بھی تھی جس پر سونے کی پتّر منڈھی تھی۔ ایک گھِسا ہوا پیسہ تھا۔ جابجا سے تعویذ نمبر پانچو کے کرم خوردہ دانت کے نشان تھے۔ جو اُس کے بُری طرح بار بار کاٹنے اور چبانے کا ثبوت دے رہے تھے۔ سر پر بڑے بڑے بال تھے۔ بعض بعض بالوں کے گچھے سر پر اس طرح بندھے ہوئے تھے۔ جیسے املی کے درختوں میں املی لٹکتی ہے۔ باقی بال ایک جگہ اکٹھا کر کے باندھ دیئے گئے تھے۔ دائیں ہاتھ میں دھاگا بندھا ہوا تھا۔ پاؤں میں لوہے کا کڑا پڑا ہوا تھا۔ اور ناک کے داہنے حصّہ میں کان کی بالی! اسی طرح اُس کے تمام جسم میں یہ تعویذیں کشمکش۔ جہاز کے لنگر کی طرح اُس غریب کو دُنیا کے طوفان سے بچا رہی تھیں۔ مگر جم کی تیز ترین نگاہ سے بچانے کے لیئے۔ اتنی بندشیں بھی ماں کے لیئے کافی نہ معلوم ہوتی تھیں +

یہ پانچو کا حلیہ ہوا۔ چاچا جی کا خط پڑھنے کے لئے اتنے لڑکوں میں سے صرف پانچو منتخب کیا گیا۔ اِس سے وہ دل ہی دل میں پھولا نہ سمایا۔ فاخرانہ انداز سے بولا ہاں! چاچا جی! پڑھ سکونگا +

سب نے متحیر ہو کر پانچو کی طرف نظر ڈالی۔ پانچو کا یہ حوصلہ دیکھ کر سب کے سب اُس پر مضحکہ اُڑانے لگے۔ اور کہا۔ اس میں لکھا کیا ہے۔ جہاں تہاں سے آڑی ترچھی لکیریں کھنچی ہوئی ہیں۔ اس خط کی ہر ایک بات وہ پڑھ دیگا۔ صرف یہی کیوں، یہ پانچو ایک دن حاکم ہوگا +

پانچو نے سنجیدہ شکل بنا کر وہ خط ہاتھ میں لیا۔ ۔ لفافہ سے خط کیونکر نکالے وہ اسی تشویش میں پڑ گیا۔ بار بار لفافہ لیکر چاروں طرف سے اُسے دیکھنے لگا +

پانچو کی ماں نے لڑکے کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر کہا: لا مجھے دے! میں

کھول دوں +

ماں کے یہ الفاظ سُنکر پانچو کو کسی قدر حوصلہ بھی ہُوا - اور اتنے لوگوں کی موجودگی میں اُسے شرم بھی آئی - ماں پر غصّہ بھی آیا - کیوں اُس نے جلدی سے اُس کے ہات سے خط چھین لیا - پانچو سے کیوں نہ کہدیا - کیا وہ لفافہ چاک کر کے خط نہیں نکال سکتا تھا۔

ماں نے خط نکالا - پانچو نے دیکھا - جو قاعدہ وہ پڑھ رہا ہے - اُس کے حروف سے یہ حروف مشابہ نہیں - وہ بار بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگا - مگر ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا - اُس نے خط کو دور پھینک کر کہا - خاک لکھا ہے - اتنے چھوٹے چھوٹے حروف! ایک لفظ بھی تو ٹھیک نہیں - یہ کہکر اُس نے اپنے لکھے ہوئے وہ بڑے بڑے حروف دکھائے +

یہ دیکھ کر سب لوگ ہنسنے لگے - پانچو وہاں سے بھاگ گیا +

اُس وقت سب نے سوچا --- نہیں لڑکا کسی کام کا نہیں --- باپ بھی تو ایسا ہی پڑھو ہے - آخر یہ اُسی کا تو لڑکا ہے +

پانچو کی ماں کے دل میں یہ بات کانٹے کی طرح چبھی - سر جھکا کر زمین میں لکیریں کھینچنے لگیں - اُن کا سیاہ چہرہ شرم سے بیگن کی طرح ہو گیا +

چاچی ... ہم پڑھیں +

روہنی نے کہا - ... دی دیجی! پوجا گھر میں بھٹا چاریہ مہاشے پوجا کر رہے ہیں - جاؤ - اُن سے پڑھا لو +

یہ بات سن کر سب کی سب ... ہو کر بول اُٹھیں - ہاں! ہاں! روہنی! تو نے یہ تدبیر خوب سوچی!

اتنے لوگوں میں روہنی نے اپنی دانائی فراست کی تعریف سُن کر اپنے چہرہ پر تفاخرانہ انداز کی جھلک دکھائی - کسی قدر بے پروائی کا بھی اظہار کیا - جیسے وہ اس تعریف کی پرواہ ہی نہیں کرتی - مگر اُس کی بلی کی طرح گول گول چھوٹی چھوٹی دونوں آنکھیں سفید ہو اُٹھیں - اور سب کے چہرے پر پڑ کر تعریف و توصیف کی بھیک مانگنے

لگیں +

روہنی کی یہ تجویز سُنکر چاچی جی نے ایک عورت سے کہا - بیٹی حیم! تو بڑی وے میں یہ خط پڑھالوں +

سب تو خط سُننے جائیں گی - اور مجھے اکیلے دھوپ میں بیٹھ کر بڑی دیر ہو گی - یہ سوچ کر حیم ناراض ہو گئی — بولی! چاچی جی! میں بھی چلوں گی - لوٹ کر آؤں گی - تو بڑی دوں گی - دال کسی چیز سے بند کر دو - ورنہ کوّے جوٹھا کر دینگے +

چاچی جی نے کچھ نہیں کہا - دال ڈھانپ کر بائیں ہاتھ میں خط لیکر بھٹاچاریہ مہاشے کے پاس روانہ ہوئیں -

بھٹاچاریہ مہاشے کا نام ہند کشور تھا - وہ زمیندار مہاشے کے خاندانی پروہت تھے وہ بلاناغہ اندر آکر شالگرام کی پوجا کرتے تھے - سمرتی رتن مہاشے ایک معمّر اور خوبصورت شخص تھے - عمر تقریباً ساٹھ برس - سر کے بال اُڑے ہوئے - صرف پیچھے کسی قدر بال تھے +

بھٹاچاریہ مہاشے آسن پر بیٹھے ہوئے پوجا کر رہے تھے - دھوپ کی خوشبو سے تمام مکان معطّر و معنبر ہو رہا تھا - چندن کی مہک دل کو خواہ مخواہ اپنی طرف کھینچتی تھی +

چاچی جی نے پہلے تو دیوتا کو پرنام کیا - ازاں بعد [illegible] چاریہ مہاشے کے سامنے سر جھکا کر ایک طرف کو کھڑی ہو گئیں - اُن کے پیچھے [illegible] عورتیں گھیر کر کھڑی ہو گئیں +

سمرتی رتن مہاشے نے سب کو ایک ساتھ دیکھکر کہا: — کیوں کیا ہے؟

چاچی نے دائیں ہاتھ سے گھونگھٹ نکال کر بائیں ہاتھ سے خط دیکر کہا - دیکھئے تو سہی! یہ خط کہاں سے آیا ہے؟

سمرتی رتن سے کوئی عورت پردہ نہیں کرتی تھی - کیونکہ وہ اِس خاندان کے پُرانے خیرخواہ تھے - کوئی اپنے درد دکھ کا اظہار کرنے میں شرماتا نہ تھا - اور یہ بھی ہر طور تسلیاں کرتے رہتے تھے - اِن اعلےٰ اوصاف کی وجہ سے وہ ہر ایک کے دل

نہیں جگہ رکھتے تھے ؛

چاچی جی نے ذرا آگے بڑھکر سمرتی رتن مہلشے کے ہاتھ میں خط رکھکر پوچھا: پہلے یہ تو بتا بیٹے۔ کہ خط کہاں سے آیا ہے ؟
خط کے مضمون کی نسبت چاچی جی کو یہ جاننے کی بڑی تشویش تھی۔ کہ خط کس نے لکھا ہے ؛

بھٹاچاریہ نے خط کی آخری سطر پڑھ کر کہا: ——— ابھاگنی مالتی!

چاچی جی نے کہا: اچھا میں سمجھ گئی —— مالتی تو میری بہن کی لڑکی ہے — ہائے بیچاری پیدائش سے ہی دکھ بھوگ رہی ہے۔ شادی ہونے کے بعد ہی بیوہ ہو گئی۔ سسرال میں ایک دن کے لئے بھی جگہ نہیں ملی۔ سسرال سے گھر آتے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اب ماں بیٹی دونوں مفلسی کی شکار ہو رہی ہیں۔ میرے باپ کے گھرانے کے رشتہ داروں میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں ؛

عجیب فقیر کا گانا سُنکر چاچی کا دل دریائے معرفت میں ڈوب گیا تھا۔ اس وقت دُور رہنے والی ناواقف رشتہ دار کے دُکھ کی حالت کا اندازہ لگا کر اُن کا دل ہمدردی و دلسوزی سے بھر گیا۔ اس بیگانہ مکان میں ندی کی طرح رہ کر دُور کے رشتہ دار کی یاد نے اُن کا دل تیر کی طرح چھید دیا۔ مگر سکھ بھی ہوا کہ اس دنیا میں اسکا کوئی اپنا بھی ہے۔ اسکی پوشیدہ اور بیکام محبت جو دل میں دبی دبائی ہوئی تھی آج مالتی کا نام سُنکر بھوکے شیر کی طرح دونوں ہاتھ پھیلا کر اُسے پکڑنے کیلئے بیقرار ہو گئی۔ چاچی جی نے آنچل سے آنکھیں پونچھ لیں ؛

بھٹاچاریہ نے ہاتھ پھیلا کر روشنی کی طرف خط لاکر دھیمنٹ ہونیکے باعث آنکھیں پھاڑ کر ذرا زیادہ کوشش سے پڑھنے لگے ——— ؛

موسی!

میں ابھاگنی ہوں۔ میرا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا۔ میری پیاری ماں...... ؛

بھٹاچاریہ نے خط پڑھنا بند کر دیا۔ اور دردمند نگاہوں سے چاچی جی کی طرف دیکھ کر بولے بیٹی! میرے پاس چشمہ نہیں۔ اچھی طرح دیکھ نہیں سکتا۔ شام کو آخر پڑھ دونگا۔ اسے ابھی

میرے پاس ہی رہنے دو.........
چاچی جی آنکھوں سے آنچل لگائے روتے روتے بولیں۔۔۔ بھٹاچاریہ جی! میں سب سب سمجھ گئی۔ میری دیدی اس دہر ناپائدار سے چل بسیں.....میں پتھر کی ہوں۔ سب کچھ برداشت کرلوں گی۔ آپ خط پڑھئے۔

بھٹاچاریہ رونا رُکتے ہوئے گلہ کو صاف کر کے پڑھنے لگے۔
میری پیاری ماں مجھے بحر ناپیدا کنار میں چھوڑ کر۔ معلوم کہاں چلی گئیں موسی ماں! اب اِس وقت تمہارے سوا اور کہیں ٹھکانا نہیں۔ کہیں ٹھہرنے کی بھی جگہ نہیں۔ تم بہت جلد مجھے اپنے پاس بلانے کا انتظام کرو۔ یہاں اکیلے رہنے میں مجھے بہت خوف معلوم ہو رہا ہے۔ ایک ایک دن ایک جگ کی طرح ہو رہا ہے۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ دیر نہ کرو۔۔۔ ابھاگنی مالتی!

ذرا دیر ٹھہر کر چاچی جی نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں عورت ذات ہوں۔ دوسروں کے بس میں! میں خود بھی تو دوسروں کے رحم پر زندگی کے دن کاٹ رہی ہوں۔ میں اُسے کہاں جگہ دونگی؟ راکشش سب کا صفایا کر کے اب مجھ پر تلی ہے۔
روہنی نے ہمدردی کا اظہار کر کے کہا۔۔۔ ہاں! یہ تو ٹھیک ہی ہے۔ تمہاری حالت تو ایسی ہے، کہ خود تو بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں۔ اور دوسروں کو دعوت!
داسی کی یہ بات زہر میں بجھے ہوئے تیر کی طرح چاچی جی کے دل میں چبھی۔ روہنی کو کچھ کہنے کا حوصلہ تو اُن میں تھا ہی۔ وہ اِس بات کو برداشت کر کے اپنی قسمت کو ہی کوسنے لگیں۔ اور بولیں سچ تو ہے۔ میں تو خود ہی دوسروں کی روٹیاں توڑ رہی ہوں میں کیسے پناہ دونگی۔ جس کے نصیب میں جو کچھ لکھا ہوگا۔ وہی ہوگا۔ میں اِس میں کیا کر سکتی ہوں۔ کمبخت نے خط لکھ کر میری مصیبتوں میں ایک اور بھی اضافہ کر دیا۔

روہنی بولی:۔ ٹھیک تو ہے۔ اِس لڑکی کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے۔ تم تو خیر پھر بھی اپنی جگہ زمین کے بل پر ہو۔ مگر اس لڑکی کو دوسرے کے گھر جانے کا حوصلہ کیسے ہوا۔

سمرتی رتن نے غصہ آلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ بیٹی ۔ ونی تم ذرا چپ رہو . . . .

. . . . دیکھو بہو جی ! تم چھوٹی رانی جی سے ایکبار اِس کا تذکرہ کرو ــــ ان کے مزاج میں رحم بہت ہے ۔ اور وہ نہایت نیک دل ہیں ـــــ اتنے لوگوں کا بار جب وہ بخوشی اُٹھائے ہوئے ہیں ۔ تو ایک بیکس لڑکی کو ضرور اپنے سایہ میں پناہ دینگی . . . . جاؤ بیٹی ! مصیبت میں گھبرانا نہیں چاہئے ۔ اگر عقل و تمیز سے کام لیا جائے تو مصیبت بہت دنوں تک نہیں ٹھہرتی ۔ ایشور کے چرنوں میں اعتقاد رکھو ۔ جس کی کوئی مدد نہیں کرتا ۔ اُس کی مدد ایشور کرتا ہے ۔ جاؤ ۔ ایکبار مالکہ سے کہو ۔ میں ہری بہاری بابو سے تذکرہ کروں گا ۔

مالکہ کی رحمدلی کے متعلق چاچی جی کے دل میں شک ہونے پر بھی اس وقت بھٹا چاریہ مہاشے کے سامنے ہاں میں ہاں ملا دی ۔ انہوں نے آنسو پونچھ کر کہا ۔ اس میں کیا شک ہے ۔ دیدی کے دل میں بہت رحم ہے ۔ وہ شاید راضی ہو جائیں گی ۔ مگر اُس کمبخت کو کلکتہ سے کون لائیگا ۔ نوجوان لڑکی جیسے تیسے کے ساتھ وہاں سے آئے ۔ یہ تو کسی طرح مناسب نہیں ۔

بھٹا چاریہ مہاشے نے کہا ۔ اس کے لئے فکر نہ کرو ۔ میں نوکشور کو لکھ دوں گا ۔ وہی مالتی کو یہاں تک پہنچا جائیگا ۔ . . . . اِس وقت تم جاؤ ۔ چھوٹی رانی جی سے کہکر اپنا کام بنانے کی کوشش کرو ۔

چاچی جی اپنی امیدیں ۔ جھجک ۔ تذبذب اور شرم و حیا کو اندر ہی اندر دبا کر رانی جی کی تلاش میں چلیں ۔

(۲)

مالکہ تالاب کے اندرونی گھاٹ کے پاس ایک پتھر پر بیٹھی ہوئیں جسم میں تیل مَل رہی تھیں ۔ دو نوکرانیاں کمر کستے ہوئے مالش کر رہی تھیں ۔

مالکہ کا قد نا٘٘٘٘٘٘٘٘٘٘٘ٹا تھا ۔ وہ بہت موٹی تھیں ۔ تہانے دھونے میں بڑی صفائی سے کام لیتی تھیں ۔ چودہ پندرہ برس پیشتر پاندھتے پاندھتے مانگ ایک انگل چوڑی ہو گئی تھی ۔

اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دروازے میں دراز ہوگئی ہے۔ آواز بہت موٹی اور بھدّی تھی۔ زیورات کا بہت شوق تھا۔ گلے میں ایک وزنی ہنسلی بھی پڑی رہتی تھی۔ ناک میں سُدرشن چکر کی مانند بڑی سی نتھ۔ چار اُنگل چوڑا چندن ہار۔ کانوں میں ضرورت سے زیادہ بالیاں۔ عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ چالیس کے لگ بھگ۔ تین اولادیں ——
دو لڑکے پلن بہاری و بنود بہاری۔ ایک لڑکی نام بنودنی۔ پلن شروع سے ہی بیمار رہتا تھا۔ بارہ برس تک اُس نے متواتر دکھ اُٹھائے۔ اور نئے نئے امراض کا مقابلہ کیا۔ مگر بالآخر موت نے اُس کا صفایا کر دیا۔ بنود بہاری کی عمر اُس وقت آٹھ سال کی تھی۔ اور بنودنی نے اُس وقت تیسرے برس میں قدم رکھا تھا۔ مگر اُن کی اولاد بہت چھوٹی تھی۔ کس کام کی۔ بڑی رانی کا لڑکا بپن اس وقت جوان ہو چکا تھا۔ بپن کو زچہ خانے میں ہی چھوڑ کر جب اُس کی ماں نے اس عالم فانی کو خیرباد کہا۔ اُس وقت چھوٹی رانی کی عمر کم تھی۔ اور اُن کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ بپن کی اُنہوں نے اچھی طرح پرورش و پرداخت کی تھی۔ اگرچہ لوگوں کا یہ خیال تھا۔ کہ یہ سوت کا لڑکا ہے۔ اس کی پرورش و پرداخت میں خاص احتیاط سے کام نہ لیا جائیگا۔ مگر فی الحقیقت چھوٹی رانی صاحبہ کا دل بپن کی محبّت سے لبریز تھا۔ اُنہوں نے مہر مادرانہ کی ایک ایسی بے روک تھام دھار بہا دی تھی۔ کہ بپن اُسی دریا میں اچھی طرح غوطے کھانے لگا۔ اب اس وقت انہیں یہ فکر تھی کہ کسی طرح بپن کی شادی ہو جائے۔ اور چھوٹی بہو گھر میں آئے۔ دونوں کی محبت کے تماشے دیکھ کر اپنا جنم سپھل کرے۔ مگر بپن نے یہ ارادہ کیا تھا۔ کہ جب تک تعلیم سے فراغت حاصل نہ ہوگی وہ شادی نہ کریگا۔ دو مہینے بعد ہی بپن ایم۔ اے کا امتحان دیگا رانی جی اس فکر میں تھیں۔ کہ تیسرے مہینے ہی بپن کی شادی کر دی جائے۔ بہو گھر میں آئے گی۔ تو زیادہ بناؤ سنگار اچھا نہ معلوم نہ ہوگا۔ اسی لئے بہو کے آنے سے پیشتر ہی زیورات سے گوندنی کی طرح لد کر اپنی عمر بھر کی خواہش پوری کر رہی تھی۔
بالا داسی نے ہاتھ میں تیل ڈالتے ڈالتے کہا۔ رانی ماں! جوشن بہت تنگ

ہو گئے ہیں۔ انہیں پھر سے بنواؤ +

ایک دوسری داسی یوں بول اُٹھی۔ تو کیسی باتیں کرتی ہے۔ رانی ماں کا جسم تو دن دن لاغر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس سے بڑا جوشن بنوایا گیا۔ تو وہ ہاتھ میں ٹھن ٹھن کرے گا۔ ماں جی کو کمی کس بات کی ہے۔ مگر روز روز نئے نئے زیورات بھی تیار کرائے جائیں۔ تو کیا راجا کے گھر موتیوں کا کال ہے۔ ہم لوگ غریب ہیں۔ ایک معمولی سا زیور بھی بمشکل نصیب ہوتا ہے۔ اگر بیماری سے جسم لاغر بھی ہو جائے۔ تو بھی پہنے رہتی ہیں۔ موٹی ہو جائیں تو خواہ کتنا ہی تنگ ہو۔ مگر اُسے بھی پہننا ہی پڑتا ہے۔ تم ہوئیں راج رانی پہنو یا انعام واکرام کے طور پر داسیوں کو دیدو +

اگرچہ مالکہ چھوٹی بہو کے خط کی باتیں سُننے کے لئے بہت بے چین ہو رہی تھی۔ مگر چونکہ راج رانی اور گھر کی مالکہ تھیں۔ اس لئے انہیں اس قدر سفلہ مزاجی سے کام لینا زیب نہیں دیتا تھا۔ مگر وہ اپنے دل کو اس طرح تسلی دیتی تھی۔ کہ وہ ہی آکر انہیں تمام حالات سنائے گی۔ جب تیل ملا جا رہا تھا۔ اور داسیاں زیورات کی باتیں کر رہی تھیں۔ اُس وقت اُن کی توجہ اُس طرف نہیں تھی۔ انہوں نے بے پروائی سے کہا —— یہ تمام زیورات ہیں اور کتنے دنوں تک پہنوں گی۔ بپن کی بہو آئے گی۔ اسی کو از سرِ نو بنوا کر دیدوں گی +

داسیوں نے پوچھا! ہاں رانی ماں! دادا بابو کی شادی کب ہوگی۔ ہمیں بہت انعام لونگی۔ ابھی سے بتائے دیتی ہوں۔ ریشمی کپڑے اور سونے کی کنٹھی لینی ہوگی +

مالکہ نے کہا —— میرا ارادہ تو یہی ہے۔ کہ اسی بھاگن میں بپن کی شادی کر دوں۔ مگر وہ گھر آنے پر کیا کہتا ہے۔ بغیر اس کی رائے کے تو کام کرنا ٹھیک نہیں ہے +

داسی نے کہا: — ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔ بپن دادا کا مزاج کیسا ہو گیا ہے۔؟ شادی کرنے سے انکار کیوں کرتے ہیں۔ کلکتہ میں رہنے سے کیا چال چلن بھی بگڑ گیا +

رانی جی نے کہا۔ نہیں نہیں۔ میرا بپن نہایت اچھا لڑکا ہے۔ اس میں اُس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ ہر وقت لکھنے پڑھنے میں ہی جی لگائے رہتا ہے۔ اسی وجہ سے

شادی کی طرف توجہ نہیں ہوتی - اس بار پڑھنا ختم ہو جائے گا - اب شادی کرنے
میں، ہرج کیا ہے ؟

اسی بات کو لیکر دایا بول اٹھی ـــ یہ تو میں جانتی ہوں - کہ بہن دادا کا چیز بہت
اچھا ہے - مگر رات دن پڑھنے ہی میں جی لگانے سے فائدہ ؟ یہ کیسی بات ؟
انہیں کیا نوکری کرنی ہے - یا نو کشور بابو کی طرح پاٹ شالا کھولنی ہے - اس محلہ
کے چھوٹے بابو بھی تو ہمارے دادا کے ہی ہم عمر ہیں - انہوں نے اتنی سی عمر میں تین
تین شادیاں کی ہیں - اس کے علاوہ رگھوناتھ دیوان کی بیوہ بھاوج کالی تارا کو بھی
گھر لے آئے ہیں - ہاں ہاں ! سنا ہے - کہ اس کے ساتھ بھی شادی کریں گے ! او ماں !
بدھوا کی دوسری شادی ! ہاں بھائی ! وہ بڑے آدمی ہیں - جو چاہیں کر سکتے ہیں -
اسی کو تو زمیندرانہ چال کہتے ہیں - اور ایک ہمارے بہن دادا ہیں - جو کسی سے بات
چیت تک کرنا گوارا نہیں کرتے - صرف رات دن آنکھوں سے کتاب لگائے بیٹھے
ہیں - بھلا میں یہ پوچھتی ہوں - کہ اگر اسی طرح لکھنے پڑھنے کے پیچھے پڑے رہے - تو
ایک محرر اور زمیندار میں کیا فرق رہا ؟

دوسری داسی نے کہا :- ہمارے بہن دادا کی چال تو نو کشور بابو نے بگاڑی ہے
وہ جیسا کہتے ہیں - بہن دادا ویسا ہی کرتے ہیں - میں نے خود اپنے کانوں سنا ہے -
وہ بہن دادا کو سکھاتے تھے - لڑکے لڑکیوں کی شادی بچپن میں کبھی نہ کرنی چاہئے
وہ بگڑ جاتے ہیں - بدھوا کی شادی ہونی بہت ضروری ہے - راگ رنگ
میں پڑنا اچھا نہیں - ہاں تم نے سنا - راجہ کے لڑکوں کو فقیروں کی تعلیم - بس
تو یہی کہوں گی - کہ تم ان کے پاس زیادہ بہن دادا کو نہ بیٹھنے دیا کرو ؟

رانی جی کہا : میں کسی طرح نہیں سنتا - وہ نو کشور کو اپنے بھائی کی طرح مانتا
ہے - جب عقل و تمیز آ جائے گی - خود سنبھل جائیگا - شیر کا بچہ شیر ہی ہوگا ؟

دو دوستوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش ہر چند اس داسی نے کی مگر کامیاب
نہ ہوئی - اس لئے اپنا منہ بنا کر بولی :- ہاں رانی ماں ! بہن دادا وغیرہ کب آئینگے ؟

[illegible]

مالکہ ماں کے جوش سے بھرپور ہو کر بولیں۔ اس مرتبہ بہن کا آخری امتحان ہے۔ اُس کے ختم ہونے پر گھر آئیگی۔

داسی نے کہا۔ "او ماں! تو کیا اس مرتبہ بڑے گاؤ چاچا کے موقع پر دادا بابو نہ آئینگے ...... تو کشور بابو کیسے آئیں گے۔"

مالکہ نے کہا۔ "نہیں۔ نو کشور اور بہن دونوں ساتھ آئیں گے۔"

داسی نے کہا۔ "نہیں وہ نہیں آئیں گے۔ بڑا چچا یہ مہاشے کہہ رہے تھے۔ جب سب نقل لا رہی تھی۔ اس وقت میرے کان میں بھی بھنک پڑ گئی۔"

مالکہ نے گھبرا کر اور زور سے پوچھا۔ "بڑا چچا مہاشے کیا کہتے تھے؟"

داسی نے کہا۔ "چھوٹی چاچی جی کی بہن کی لڑکی یہاں آئے گی نہ! اس لئے چھوٹی چاچی کو فکر تھی کہ وہ کس کے ساتھ آئے گی۔ بڑا چچا یہ مہاشے نے کہا۔ اس بات کی تم فکر نہ کرو۔ نو کشور اپنے ساتھ لے آئے گا۔"

مالکہ نے متحیر ہو کر کہا۔ "چھوٹی بہو کی بہن کی لڑکی! وہ شاید یہاں آئیگی۔"

داسی نئی بڑی ایک نئی خبر مالکہ کو پہلے پہل سنانے کا موقع پا کر دل ہی دل میں غرور سے پھول اُٹھی۔ بولی:- "او ماں! یہ بات تو جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہے۔ کیا ابھی تک تم نے نہیں سنا۔ چھوٹی چاچی جی کی بہن مر گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ لڑکی یہاں آنا چاہتی ہے۔ موسی کو خط لکھا ہے۔ او ماں! چاچی جی کی شکل بھی خوب ہے۔"

داسی کے اس اشارہ سے مالکہ کا دل جیسے کسی گوشت سے دب گیا۔ انہوں نے سوچا۔ کہ چھوٹی بہو اُن کی اجازت کا انتظار نہ کر کے اپنی بہن کی لڑکی کو بلا رہی ہے۔

مالکہ کو خاموش دیکھ کر داسی نے کہا۔ "میں سچ کہتی تھی۔ اپنے گود بیٹھنے کے ساتھ [illegible] نہیں ملتی اور دوسروں کو [illegible] کہتا ہے۔ [illegible] ایک نقص ہے۔ کہ وہ میرے ساتھ لڑتی جھگڑتی رہتی ہے۔ ورنہ اس کی شکل تو [illegible] جیسی ہوتی ہے۔ جتنی بات کہتی ہے سچی کہتی ہے۔"

مالکہ نہایت سادہ مزاج تھی۔ انہیں اگر کسی بات کا [illegible] تو وہ [illegible]

وہ ایک زمیندار کی بیوی تھی ۔ اور عوام میں رانی مشہور تھی۔ وہ داسیوں کے ساتھ نوکرانیوں کا سلوک روا نہیں رکھتی تھی۔ اپنے تمام متعلقین اور نوکروں کو پیار کرتی تھی۔ انہیں کسی کے ساتھ کوئی لاگ، یا خصومت نہ تھی۔ مگر یہ بات انہیں بھی بہت ناگوارِ خاطر ہوئی۔ کہ چاچی جی نے ان سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے داسیوں کی زبانی سنا۔ یہ کچھ ان کے دل میں گھر کر گئی۔ کہ باوجود کوشش کے بھی وہ اس بات کو اپنے دل سے نہ نکال سکی۔

آبدیدہ نگاہوں سے جس وقت چاچی جی نے مالتی کا خط ہاتھ میں لئے ہوئے گوہاٹ کا راستہ اختیار کیا۔ اس وقت انہوں نے دیکھا۔ کہ رانی جی منہ پھلائے ہوئے ہیں۔ داسیاں تیل مل رہی ہیں۔ چاچی جی کے ساتھ ساتھ بادِ غم دل میں بھری ہوئی رونی اور دیگر خود اور عورتیں گھاٹ تک آئی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنا کھیل کود بھولکر اسی بھیڑ کے ساتھ ساتھ پھر رہے تھے۔ وہ رانی جی کا چہرہ دیکھکر سہم گئے۔ جہاں دیکھو وہاں ہی چھوٹی بہو کی بہن کی لڑکی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دیکھکر مالتی کا دل اندر ہی اندر کباب کی طرح بھن رہا تھا۔

معاملہ کیا ہے؟ یہ جاننے اور سمجھنے میں چاچی جی کو کچھ دیر نہیں لگی۔ بیکسی اور بے بسی کی شمشیر نے رہ رہ کر اُن کے کلیجہ میں جیسے چھری چلانی شروع کی۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا ----- مگر آنکھوں سے آنسو تیزی کے ساتھ رواں ہوئے۔ آج اُس کے دکھ درد کی نسبت اُس کے دست نگری کی بات لوگوں کے روبرو کہیں زیادہ بری آ رہی تھی۔ شرم کی وجہ سے دل کی تکالیف کا بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ ہی دل میں رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ ایسے دن اُس کے ہمیشہ نہیں تھے۔ وہ بھی ایک مکان کی مالکہ تھی۔ اُس کا بھی ایک دن بڑا رعب داب شان و شوکت اور اختیار تھا۔

مکان کے دروازے پر کتنے بے کس و بے بس لوگوں کی لجاجت آمیز آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اس کے بعد وہ کیسا برا اور آفات و مصائب سے بھرا ہوا دن تھا جس دن وہ بیوہ ہوئی -- یکایک اتنی تباہی اور بربادی کا سامان! ..... اُف

ہری بہاری بابو کی شرن لینی پڑی - ہری بہاری بابو اور اُن کی بیوی نے اُس کو خاک و خون میں ملانے کے لئے کیا کیا کوششیں نہیں کی تھیں - مگر صرف بہن کی ضد سے وہ اِس میں کامیاب نہ ہو سکے - بہن کی خاطر داریوں نے چاچی جی کا تمام درد و غم رفتہ رفتہ بھلا دیا - مگر آج - پھر جس راکھشسی لڑکی کے لئے اُسے دوسری بار سب کے سامنے سر جھکانا پڑا - ان خیالات نے چاچی جی کا دل رنج و غم سے بھر دیا - وہ بے کسی بے بسی اور شرم و حیا میں پڑ کر یہ نہ طے کر سکیں - کہ اُس وقت اُن کا فرض کیا ہے - سب کے سامنے اُن کا سر نیچے ہو گا - اور کاش اُنہوں نے انکار کر دیا - تو وہ کیسے اپنا منہ دکھا سکینگی +

چاچی جی کو خاموش دیکھ کر روہنی سے نہ رہا گیا - فوراً بول اُٹھی —— کیوں جی - چاچی ماں کیا ہوا - رانی ماں سے کہو - اگر چُپ چاپ صرف آنسو ہی بہاتی رہو گی - تو وہ کیونکر جان پائیں گی —— رانی ماں ! یہ دیکھو چاچی ماں کچھ کہنے آئی ہیں !

چاچی جی کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی روہنی اظہار حال پر تیار ہوئی - یہ دیکھ کر چاچی جی سے خاموش نہ رہا گیا - روہنی کس تمہید سے کہیگی - اس کا کیا ٹھکانا ! یہ سب سوچ سمجھ کر چاچی جی نے خود ہی جلدی سے کہا - دیدی ! میری بڑی بہن اس دُنیا سے چل بسیں !

مالکہ نے تسلّی و تشفّی کا ایک کلمہ بھی منہ سے نہیں نکالا - صرف منہ بنا لیا +

داسی بول اُٹھی —— یہ تمام باتیں تو رانی ماں نے پہلے ہی سُنی ہیں - تمہاری بہن کی لڑکی کے آنے کی بات بھی پوشیدہ نہیں +

چاچی جی نے سوچا - اُن کا دردِ دل تمام دنیا میں پھیل گیا ہے - بالخصوص ایک عالی شان مکان کے ایک ایک کونے میں سرایت کر گیا - اُن کی زبان کھولنے سے پیشتر ہی مالکہ کے کانوں تک تمام بات پہنچ چکی ہے - اور اسی وجہ سے رانی جی منہ پھلائے بیٹھی ہیں - مالکہ کی یہ سنگین خاموشی اور نوکرانیوں کی یہ تمسخر آمیز گفتگو سُن کر اُنہیں اپنی درخواست پیش کرنے کا حوصلہ نہیں ہُوا - چاچی جی تیز نگاہوں سے مالکہ کی طرف دیکھتی ہوئی چُپ چاپ جواب کے انتظار میں کھڑی رہیں +

چاچی جی کو خاموش دیکھ کر مالکہ نے تمکنت آمیز لہجہ میں کہا — چھوٹی بہو! فضول امیدوں کو چھوڑ دو۔ تمہاری بہن کی لڑکی کا یہاں آنا نہیں ہو سکیگا +

چاچی جی نے کہا — بڑی بہو! تم سب نے مجھے جگہ دی ہے۔ وہ بھی میری سگی بہن کی لڑکی ہے۔ اُسے بھی تھوڑی سی جگہ دو!

مالکہ نے منہ بنا کر بھویں چڑھا کر کہا — تمہیں جگہ دیدی تو کیا یہ ضروری ہے کہ سب یہیں رہیں۔ میرا مکان نہ ہوا۔ سرائے اور ہوٹل ہو گیا۔ کہ سب کو یہیں ٹھکانا ملیگا

چاچی جی نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ کتنے لوگ تمہارا سہارا لے رہے ہیں پھر یہ ایک بدھوا اور بے بس لڑکی کو پناہ دینے میں پس و پیش کر رہی ہو؟

مالکہ نے منہ پھیر کر کہا۔ تم لوگوں کے حسد سے مری جا رہی ہو۔ پھر لوگوں کیلئے میں کیوں نہ کرونگی۔ اُن کا بھلا کرنے سے چاروں طرف میرا نام ہوگا۔ مگر تمہارے ساتھ کچھ سلوک کرنا تو راکھ میں گھی ڈالنا ہے +

چاچی جی کو مالکہ کسی طرح پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ اُن سے کشیدہ خاطر رہتی تھیں۔ بیچاری چاچی جی مالکہ کی بات چیت سن کر اپنا سا منہ لیکر خاموش رہ گئیں +

روہنی بول اُٹھی۔ چاچی جی! تمہاری بہن کی لڑکی کا دماغ ہمیشہ آسمان پر رہتا ہے۔ پھر پرائے گھر میں آنے کی اُسے اتنی خواہش کیوں ہو رہی ہے +

چاچی جی کا جواب سننے کے لئے مالکہ نے اُن کے منہ کی طرف نظر کی +

چاچی جی نے شرم سے دُکھی ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ اور بولی — جوان لڑکی اکیلی کیونکر رہ سکے گی۔ اسی وجہ سے میرے پاس آنا چاہتی ہے +

سہاگنی بولی — تو تم ہی کیوں ان کے پاس نہیں چلی جاتیں؟

داسی کی یہ جلی کٹی باتیں چاچی جی کے دل میں تیر کی طرح چبھیں۔ آنکھوں سے جیسے شرارے برسنے لگے۔ وہ روہنی کی طرف غضب آلود نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔ دیکھو روہنی! تو داسی ہے۔ داسی کی طرح رہ۔ میں تیرے سامنے بھیک مانگنے

نناک

نہیں آئی ہوں +

چاچی جی کی یہ بات سُن کر رو ہنی دل ہی دل میں شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ مگر مالکہ نے اُس کا حوصلہ بڑھا کر خشمگین لہجہ میں کہا —— روہنی کونسی ایسی بُری بات کہہ رہی ہے۔ تم ہی وہاں جا کر بہن کی لڑکی کی دیکھ بھال کرو +

چاچی جی نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا۔ جو بدھوا کا ستیاناس کرے۔ اُسی کے منہ سے ایسی تحقیر آمیز باتیں زیب دیتی ہیں۔ اگر اس مکان کے مالک نے میرے ایک وقت کی دو روٹیوں کا سہارا کر دیا ہوتا۔ تو میں بھول کر بھی اس مکان میں قدم نہ رکھتی۔ دیدی! مجھے آخری فیصلہ بتا دو۔ کہ میری بہن کی لڑکی کو کچھ سہارا اور رہنے کی جگہ دو گی یا نہیں +

چاچی جی جواب کے انتظار میں نفرت آمیز نگاہوں سے مالکہ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہیں۔ اُن کی ان تیز نگاہوں کے سامنے مالکہ کی نظریں نیچی ہو گئیں۔ وہ چپ چاپ بات کے کنکن کا میل نکالنے نکالتے سوچنے لگیں۔ بہن اگر کسی طرح یہ خبر پا لیگا۔ تو وہ یقیناً ناراض ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ کسی کی رائے لئے بغیر وہ مالتی کو لے آئیگا۔ اس لئے مدد دینا ہی بہتر ہے۔ مگر اتنی رکاوٹوں کے بعد یکایک کیسے اجازت دیدی جائے۔ وہ اسی سوچ میں پڑ گئیں +

جواب میں تامل دیکھکر چاچی جی نے سوچا۔ مالکہ کی رائے نہیں ہے چاچی جی کو واپس جاتے دیکھکر مالکہ جلدی جلدی بول اُٹھیں —— چھوٹی بہو! تم تو ذرا سی بات میں بُرا مان جاتی ہو۔ اُن سے ایک بار کہوں گی۔ دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں؟

چاچی جی مالکہ کی عادت بخوبی واقف تھیں۔ اُنہیں کسی قدر نرم دیکھ کر بجائے نرم لہجہ میں بولیں۔ دیدی! گھر کی مالکہ تو تمہیں ہو۔ جو حکم دو گی۔ اُس سے جیٹھ جی کچھ انکار نہیں کرینگے۔ تمہاری مہربانی پر سب کچھ منحصر ہے .... +

مالکہ اس بات سے خوش ہو کر بولیں۔ پھر بھی اُن سے ایکبار پوچھ لینا ضروری ہے خواہ کچھ بھی ہو۔ مگر جب وہ موجود ہیں۔ تو اُن سے دریافت کرنا بہت ضروری ہے۔

.... شام کو دیکھا جائیگا ✦

شام کو نہیں ــــ لڑکی کو تمہیں اپنے گھر میں جگہہ دینا ہوگی ۔ بدنصیب لڑکی ایک نوجوان ہے ۔ دوسرے حسن کی کان ہے! اگر تم اُسے پناہ نہ دوگی تو اُس کا دھرم بچنا غیر ممکن ہے ۔ دیدی! تمہارے پاؤں پڑتی ہوں ۔ یہ کہکر چاچی جی نے مالکہ کے قدموں میں اپنا سر جھکا دیا ✦

مالکہ پانی پانی ہو کر بولیں ۔ چھوٹی بہو! یہ کیا کرتی ہو ۔ جیسے تمہاری لڑکی ویسی میری لڑکی! اس کے لئے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ✦

چاچی جی اندرونی مکان کے دوسرے حصے کی طرف چلیں ۔ اُس وقت کسی کے منہ کی طرف دیکھنے میں اُنہیں بہت شرم معلوم ہوتی تھی ۔ اُنہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا ۔ جیسے اُن کی اس بے بسی وبے کسی پر سب منہ اُڑا رہے تھے ۔ اُنہیں اپنی خراب حالت پر جس قدر رونا آتا تھا ۔ اُسی قدر مالتی کی طرف سے طبیعت ہٹتی جا رہی تھی ۔ اُسی ستیاناسی اور بدنصیب مالتی کیلئے آج انہیں اتنی لجاجت ۔ شرمندگی اور بےعزتی برداشت کرنی پڑی ۔ یہ خیالات اپنی رہائی کے جوش میں محبت بھی دبا کر اُسکے دل پر اپنا سکہ جمانے لگے ✦

(۳)

شام کے وقت سمرتی رتن مہاشے لکشمی جی کی آرتی کرنے کے لئے آئے تھے ✦ پوجا گھر میں گھنٹے اور شنکھ کی آواز سُن کر چاچی جی دیوتا کے درشن کے لیئے آئیں ۔ اُنہیں دیکھ کر بھٹاچاریہ جی نے پوچھا ۔ رانی جی نے کیا کہا ہے؟

چاچی جی نے جواب دیا ــــ منظور کر لیا ۔ پہلے تو وہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتی تھیں ۔ مگر بہت خوشامد برآمد سے آخر میں یہ کہا ۔ کہ مالک سے ذکر کریں گی ۔ جو وہ کہیں گے وہی ہوگا ✦

ــــ میں نے ہری بہاری بابو سے ذکر کیا تھا ۔ اُنہوں نے بآسانی منظور کر لیا ہے ۔ مگر اس سے مجھے بہت تعجب ہوا ــــ کیونکہ وہ کسی اچھے کام میں بآسانی حصہ نہیں لیتے ۔ تمہاری بہن کی لڑکی اس گھر میں ٹھہر سکیگی یا نہیں ۔ میں یہی سوچ

رہا ہوں۔

چاچی جی نے درد آلود لہجہ میں کہا: بیٹا! چاریہ بہاشے اس گھر میں اب میں بھی بہت دنوں تک نہیں ٹھیر سکوں گی۔ اس کے آثار مجھے ابھی کافی نظر آرہے ہیں۔

بھٹاچاریہ جی نے تسلی دیکر کہا: خوف کیا ہے۔ پھر دو مہینہ بعد گھر آجائیگا اُس وقت اُس کے خوف سے تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکیگا۔

چاچی جی نے کہا: ہاں! یہ صحیح ہے۔ مگر مالکہ کے مزاج کا تو پتہ نہیں چلتا۔ خبر نہیں اُس وقت تک کیا تبدیلی آجائے۔ اگر کسی طرح ایکبار کہیں اُن کا مزاج بگڑ گیا۔ پھر کسی کی ہمت نہیں کہ راہ راست پر لاسکے۔

عین اسی وقت مالکہ نے کرخت لہجہ میں پکارا۔ چھوٹی بہو!

چاچی جی کا منہ خشک ہو گیا۔ دل دھڑکنے لگا۔ اگر مالکہ نے یہ بات سُن لی ہوگی تو یقیناً ستیاناس ہو جائیگا۔ چاچی مالکہ کی آواز سُن کر بتاشے تقسیم کرنے کے لئے فوراً باہر آکر بولیں۔ کیوں دیدی!

چاچی جی نے دیکھا۔ کہ رانی جی پوجا گھر کی طرف آرہی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اُن کی بات اُن کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اس سے انہیں کسی قدر اطمینان ہوا۔ مگر اس خیال سے کہ کیا کہیں گی۔ پھر دل میں فکر و تشویش کی لہریں موج زن ہو اُٹھیں۔

مالکہ پوجا گھر کے دروازے کے پاس آکر گرجتی ہوئی بولیں۔ بہن کی لڑکی کی بات جب تم نے اُن سے خود ہی کہہ دی تھی۔ تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ ......

چھوٹی بہو! سن لو میاں - بابو جی نے حکم دیا ہے۔ تم اُس "کان" ... کے پاس نہ آؤ۔ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔

یہ بات چاچی جی کے دل میں تیر کی طرح چبھی۔ وہ غصہ سے گرج کر بولیں۔ دیدی! مالکہ چھوٹی بہو کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں۔ چاچی جی کا یہ غصہ سے بھرا ہوا جواب سن کر رانی جی جلدی جلدی وہاں سے چلی گئیں

اُس وقت چاچی جی نے بلند آواز سے مالکہ کو سنا کر کہا۔ میں ٹھاکر جی کے گھر میں

کھڑی ہوئی کہتی ہوں۔ اگر میں مالتی کو اس گھر میں لاؤں۔ تو......

بھٹاچاریہ نے جلدی سے دروازے پر آکر کہا:- چھی! بہو!! قسم کھانا اچھا نہیں ٹھہرو! ٹھہرو! بے فائدہ غصہ کر کے ایک بے قصور لڑکی کا ستیاناس نہ کرو۔

درد۔ رقت و محبت سے چاچی جی کا غصہ آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسوؤں میں بہہ گیا۔ روتے روتے بولیں۔ بھٹاچاریہ جی! میں اُس لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گی۔ بدنصیب مقدر میں جو لکھا ہے۔ ہوگا۔ بھگوان! مجھے کب تک یہ دکھ درد برداشت کرنا پڑیگا۔

بھٹاچاریہ جی نے کہا:- چھی! بہو! ایسے، قسمت، موت کی خواہش ایشوری قانون کے برخلاف ہے۔ خودکشی گناہ عظیم ہے۔ ہاں! بھگوان کے چرنوں میں بھگتی رکھو۔ اگر تمہاری طرف بھلا ہوگا۔ تم تو مالک کے مزاج سے واقف ہو! وہ تو نہایت نیک دل ہیں اُن سے ایکبار اور کہو گی۔ تو اُن کا غصہ اتر جائیگا۔

چاچی جی نے آنسو پونچھ کر مغرورانہ انداز سے کہا:- بھٹاچاریہ مہاشے! مالتی کو لانا یہاں مناسب نہیں۔ منہ سے کیوں بات کہوں۔ مگر دل میں تو میں نے قسم کھالی ہے۔ آگے اس کی قسمت میں ہے۔ وہی ہو رہیگا۔

بھٹاچاریہ نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس لیکر کہا — نارائن!

چاچی جی نے سر جھکا کر بھگوان کو پرنام کیا۔ اس کے بعد وہ اپنی دلی [illegible] اور اچھل اچھل کر نکلنے والے آنسوؤں کو آزاد کرنے کی خاطر اپنے خاص کمرے کی طرف چلیں۔

ساتھ ساتھ ہی یہ تمام مکالمہ رانی جی کے کانوں میں بھی کسی نے پہنچا ہی دیا۔

(٤)

کلکتہ کے درزی پاڑہ میں ہری بہاری بابو کا ایک مکان تھا۔ اُس مکان میں رگھونن کا بڑا لڑکا بپن بہاری اور اُن کے خاندانی پروہت نند کشور سمرتی رتن مہاشے کا اکلوتا بیٹا نو کشور یہ دونوں کالج میں تعلیم پاتے تھے۔

بھٹاچاریہ مہاشے نے جب اپنے بیٹے نوکسور کو سنسکرت پاٹھ شالا سے اُٹھا کر انگریزی پڑھانے کا انتظام کیا۔ اُس وقت اُن کے جماتوں نے بڑی رکاوٹ ڈالی مگر بھٹاچاریہ مہاشے کسی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ وہی کرتے تھے جو اُنہیں مناسب معلوم ہوتا تھا۔ خواہ کوئی لاکھ سر پٹکے۔ اپنی رائے کے برخلاف کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے تھے۔

ہری بہاری نے جب اُنہیں بلا کر پوچھا۔ کہ آپ اپنے لڑکے کو انگریزی کیوں پڑھاتے ہیں؟ اُس وقت بھٹاچاریہ مہاشے نے ہنس کر جواب دیا تھا ——

آجکل کے مناسب حال انگریزی جانے بغیر کام نہیں چلتے۔ پروہت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ کہ وہ انگریزی میں بھی دسترس رکھتا ہو۔

ہری بہاری کس طبیعت کے شخص تھے۔ یہ سب کو معلوم تھا۔ اسلئے کسی کو کچھ بحث مباحثہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مگر اُس گاؤں کے چودھری تاران ٹھکر جی نے بھٹاچاریہ جی کی عقل پر پردہ پڑا ہوا سمجھ کر اُن سے بحث مباحثہ شروع کر دیا۔ جو نند کشور ہری رتن جیسے ترک یا تھم پروہت کا لڑکا ہے۔ وہ جو جیوتی تاتت کے لڑکوں کا کام ہے۔ وہ سیکھیگا۔

بھٹاچاریہ جی نے ہنس کر کہا:- کیوں نہ سیکھیگا؟ علم میں بھی کیا قومیت کی خصوصیت ہے؟

تاران نے زور دیکر کہا: یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم مسلمان کو وید پڑھا سکتے ہو؟

بھٹاچاریہ جی نے اُسی طرح ہنستے ہوئے کہا: کیوں نہ پڑھا سکونگا؟ اچھی طرح پڑھا سکوں گا۔ اگر کوئی شوقین لڑکا ملے۔ تو مجھے جو کچھ آتا ہے۔ میں اُسے سب بتا سکوں گا۔

تاران کی وہ حالت ہوگئی۔ جیسے یکبارگی کسی پر بجلی گر پڑے۔ اُنہیں جب اور کوئی جواب تلاش کرنے پر بھی نہ ملا۔ تو خوف لہجہ میں کہا۔ نہیں نہیں! یہ تمام خیالات نہ کر رکھئے۔ ایسے برہمنوں سے ہم لوگوں کا کام نہیں چلیگا۔ معلوم ہوتا ہے

آخر میں اپنے قدیم پروہت کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

بھٹا چاریہ نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ دادا! کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ جب آج کل تمام کام اسی طرح ہو رہے ہیں۔ اور بیساکھیوں کا جوٹھا کھانا کھانے والے ججمان سے جب پروہت کام چلا لیتا ہے۔ تو اسے بھی اسی ضمن میں سمجھ لیجئے۔ محض اتنی ہی بات کے لیے پروہت کو چھوڑنا نہیں پڑے گا۔

بھٹا چاریہ کی اس بات میں ایک چوٹی چبھنے والا اشارہ تھا۔ نوارن مکرجی نے پہلے طرح طرح کے قابل اعتراض کام کر کے کمسریٹ میں کام کیا تھا۔ لوگ کہتے تھے۔ گوروں کا جوٹھا کھانا نوارن بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ اسی بدنامی پر پردہ ڈالنے کے لئے نوارن اس وقت گاؤں میں اپنے آپ کو کٹر ہندو ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرمی دکھا رہے تھے۔ بھٹا چاریہ جی نے جب ان کے موجودہ کٹرپن پر پردہ ڈالنے طعنہ زنی سے کام لیا۔ اس وقت نوارن کا غصہ بھڑک اٹھا۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر نوارن نے وہ حالت حتی الامکان پوشیدہ رکھ کر دردمند لہجہ میں کہا۔ اچھا بھائی جو جی میں آئے کرو۔ تم پنڈت ہو۔ اس کے علاوہ راج پروہت! ہم جیسے غریبوں کی بات تمہاری سمجھ میں کیوں آنے لگی؟ مگر اتنا پھر بھی کہتا ہوں۔ کہ غریب کی بات پرانی ہونے پر میٹھی معلوم ہوگی۔ اور بعد ازاں رو رو کر پچھتاؤ گے۔ ہے۔ رشتہ صورت بو مہا۔۔۔ رضیا!

نوارن نے دل ہی دل میں عہد کیا۔ اس عذول حکمی کا حوصلہ! نوارن کی بات پر اتنی لاپروائی! اس کا بدلہ میں لونگا۔ ضرور لونگا! اگر نہ لوں تو۔۔۔۔۔۔۔

اس بات کے بعد نوکشور نے گاؤں کے سکول کا مڈل پاس کیا۔ اور وظیفہ لیا۔ اب یہ طے پایا۔ کہ وہ کلکتے میں تعلیم پائے گا۔ گاؤں میں ایک شور و غل مچ گیا۔ منو کے زمانہ سے اس گاؤں سے کوئی شخص لکھنے پڑھنے کی غرض سے باہر نہیں گیا تھا۔ تاریخ اس معاملہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ نوکشور نے قدیم اصولوں کی بیخ کنی کر کے تمام لوگوں کو تحیر میں ڈال دیا۔ سب سوچنے لگے۔ کہ یہ لڑکا بالکل گیا گذرا ہے۔ پڑھ لکھ کر اور بھی

چوپٹ ہو جائے گا۔ اچار و چار کی تمیز کلکتہ جاکر اور بھی نہ رہے گی۔ صرف اُس کے ہمعمر لڑکے حاسدانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ سب سے زیادہ جس کے دل پر چوٹ لگی وہ بہن تھا۔ چونکہ بہن زمیندار کا لڑکا تھا۔ اس لئے اُسے ہر قسم کی بُری صحبتوں سے بچانا منظور تھا۔ نوکشور ہی اس قفس میں پھنسے ہوئے طائر کو دنیا کے حالات سے آگاہ کرتا تھا۔ صرف بہن ہی بہن کا جگری دوست تھا۔ اور اُس کی جدائی کی وجہ سے بہن کو سخت تکلیف تھی ⁘

نوکشور کلکتہ آکر پہلے پہل سخت مشکل میں پڑا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ گاؤں میں جس طریقہ پر وہ رہتا تھا۔ اُن طریق کی پابندی کلکتہ میں محال ہے۔ منو کے زمانہ کے اصولوں کی پیروی اس دور جدید میں ایک طرح پر غیر ممکن ہے۔ گویا تمام کلکتہ منو کے اصولوں کی بیخکنی کے لئے کربستہ ہے۔ قدم قدم پر کھانے والوں کی پشیمانی نے نوکشور کو پریشان کر دیا۔ اُس نے غور و خوض کر کے بھی نتیجہ نکالا کہ ہندوئیت کے اصول کی پیروی مقدم تر ہے۔ اس وسیع کائنات میں دو شخصوں کا دو ایک ہونا ممکنات سے ہے۔ اُسکی سنسکرت کالج کے تمام پروفیسر گو جدید ہیں۔ مگر ہمارے شہر کے پرانے پیروں سے اچار و چار کے ساتھ بنگالی پروفیسروں کے طور و طریق نہیں ملتے۔ بالخصوص اُس کا ایک پروفیسر نہایت ہی قابل شخص ہے۔ مگر وہ ان رسمی پابندیوں سے قطعی آزاد ہے۔ نوکشور اس شخصیت کی ایک ایک خوبی کا دلدادہ شیدا ہو گیا۔ ان کے پند و نصائح سے رفتہ رفتہ اُس کے تمام شکوک و شبہات جاتے رہے۔ کلکتہ میں رہکر پڑھتے پڑھتے اُسکا دل جس قدر تبدیلی پذیر ہوا۔ اُس سے اُس نے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ اچار و چار ایک بیرونی لباس ہے۔ جسے جب جی چاہے تبدیل کر سکتے ہیں۔ اور وقت ضرورت اُسے ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص حالت کے ساتھ ساتھ اُچار و چار کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ وہی مصیبت کا شکار ہوتا ہے۔ کٹرپن اور جہالت میں کوئی فرق نہیں ⁘

نوکشور ایک نہایت ہی ذی فہم لڑکا تھا۔ شکل و صورت نہایت پاکیزہ۔

خیالات سُلجھے ہوئے ۔ اطوار شائستہ ۔ عقل سلیم ۔ اور دماغ ایسا تھا ۔ کہ ہر بات کی تہ تک بآسانی پہنچ جاتا تھا ۔ وہ جو کچھ کرتا تھا ۔ بہت سوچ سمجھ کر کرتا تھا ۔ اور انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ عوام میں ممتاز تھا ۔ اس کے علاوہ یہ اور بھی خوبی تھی ۔ کہ وہ نہایت سادہ لوح اور راست گفتار تھا ۔ اور محض اسی وجہ سے وہ کلکتہ کے بابو لوگوں میں نہ مل سکا اگر کسی سے ملتا بھی تھا ۔ تو سنسکرت کے دیگر طلبا پارج ہوتے تھے ۔ کیونکہ اُس کالج کے تمام طالب علم تقریباً نئی روشنی کے لوگوں سے مختلف تھے ۔

نوکشور جب بابو پارٹی اور بھٹاچاریہ دل غرض ان دونوں میں سے کسی میں بھی نہ مل سکا ۔ تو ایک اور عجیب الخلقت شخص اُس سے ملا ۔ یہ ذات شریف ایسے تھے ۔ کہ نہ ان میں تھے نہ اُن میں ۔ اُس کا نام تارک ناتھ تھا ۔ نوکشور کا ہم جماعتی تھا ۔ اُس کا چہرہ نہایت دُبلا پتلا اور خوفناک تھا ۔ گویا ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا ۔ اور اُس پر ایک پتلا چمڑہ منڈھا ہوا تھا ۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ۔ اور نگاہیں بے معنی ہنسی سے مخمور ۔ بڑے بڑے دانت ہر وقت باہر نکلے رہتے تھے ۔ گال پچکے ہوئے ۔ چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئیں ۔ اس پر طرہ یہ کہ اکثر دھوتی کے عوض [illegible] تھان ہی لپیٹے رہتے تھے ۔ کرتہ عجیب فیشن کا ۔ اُس پر چُنی ہوئی چادر بٹی ہوئی رسی کی طرح اوڑھے رہتے تھے ۔ پاؤں میں ٹاٹ بافی گھیتلا جوتا ۔ ایک ٹنگی ہوئی ۔ مگر بھی چوٹی سونے میں سہاگہ تھی ۔ فیشن کمال نہیں تھا ۔ انہیں دیکھ کر نہ دلی بابو کہہ سکتا تھا ۔ اور نہ قدیم زمانے کے براہمنوں کی صف میں شمار کئے جا سکتے تھے ۔ گلے میں تلسی کی مالا تھی ۔ جو عموماً کرتے کے نیچے چھپی رہتی تھی ۔ وہ انگلیاں جن میں ہڈی کے سوا گوشت کا نام و نشان نہیں تھا ۔ اُس میں اشٹ دھاتی انگشتری آزادی سے حرکت پذیر نظر آتی تھی ۔ جیسے بیرونی شکل میں تارک ناتھ نے نئے اور پرانے فیشن کی پابندی سے میانہ روی کا راستہ اختیار کیا تھا ۔ اُسی طرح اندرونی حالت میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی ۔ دوران تقریر میں قدامت کے پل باندھ دیتا تھا ۔ شاستروں کی اصلاح ۔ اور رشی منی کے مقولات کے سوا اور کوئی کلمہ اگر زبان پر آجاتا تھا ۔ تو

وہ اُسے کفر سمجھتا تھا۔ مگر موقع ملنے پر نئے فیشن کی ٹائی میں بھی کسر نہ اُٹھا رکھتا تھا۔

اُس نے جب یہ دیکھا۔ کہ نوکشور بلحاظ پاپشاد سیٹے لباس متقدمین کی پیروی کر رہا ہے۔ اور آچار و چار میں نئے اصولوں کی طرف راغب ہے۔ تو اُسے اس میں کوئی شک نہ رہا۔ کہ وہ بھی اُس کا ہمعصر ہے۔ اس خیال سے جب وہ نوکشور کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ نوکشور محض دہقانی ہے۔ اور وہ کسی کے اصولوں کی پیروی نہیں کریگا۔ جوں جوں اُسے اُس کی فطرت کے مطالعہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ توں توں وہ اور بھی سرگرمی سے نوکشور کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بلاوجہ اپنی پرجوش تقاریر سے اُسے پریشان کر دیتا تھا۔ مگر جب نوکشور نے سخت گیری سے کام لینا شروع کیا۔ اور گالی گلوچ کی نوبت آئی۔ تو اُس نے ثقیل و بلاغت آمیز الفاظ سے اپنی لیاقت کا اظہار کر کے اُس کا منہ بند کرنا چاہا۔ مگر نوکشور کے دلائل نے اُسے قدم قدم پر نیچا دکھایا۔ اور وہ دل ہی دل میں نوکشور کی قابلیت کا مداح ہو گیا۔

نوکشور نے تب سمجھ لیا تھا۔ کہ تارک ناتھ محض نکما اور شریر النفس ہے۔ تاہم وہ اُس کی تمام شرارتیں نظر انداز کیا کرتا تھا۔ اور اُس کی فضول حرکات کی وجہ سے نوکشور نے اُس کا نام تارک کا راکششی رکھ دیا تھا۔ اور بدقسمتی سے اُس کے اس نام نے اس قدر شہرت حاصل کی۔ کہ اُس کا اصلی نام تو سب بھول گئے۔ رہ گیا صرف تارکا راکششی

جب سنسکرت کالج سے نوکشور نے ایم۔ اے پاس کیا۔ اُس وقت شدھی تنتر اور سنگھٹن کے اصولوں کی پیروی سے منحرف ہو چکا تھا۔ مگر تارک ناتھ نے اُس وقت بھی ہندو شاستر اور رشیوں کے مقولات کی پیروی میں دستور اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ وہ سمجھتا تھا۔ یہ برہمن کی اولاد کوئی روشنی کا دلدادہ ہو کر دل میں پشیمان ہوتا تھا۔ مگر دل ہی دل میں یہ بھی سوچتا تھا۔ کہ جب کوئی پکا ہندو ہو تو سب سے پہلے اُس کا چہرہ کا بگڑنے لگتا ہے۔ یہ سوچ کر دل کو تسلی دیتا تھا۔ کہ کبھی نہ کبھی وہ راہ راست پر آئیگا ہی۔ کیونکہ ابھی سے لباس میں تبدیلی نہیں پیدا کی ہے۔ ایسا اوقات وہ

جھنجھلا کر دوران تقریر میں نوکشور کو عیسائی کہکر مخاطب کرتا تھا۔ اور ناشائستہ الفاظ سے دلآزاری کرتا تھا۔ نوکشور ذرا بھی برا نہیں مانتا تھا۔ بلکہ ہنس کر کہتا تھا ــــــ اپنے اپنے عہد اور دیس میں جو قابل تعظیم بزرگ اور مہاپرش مختلف افراد اور اقوام میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جس تعلیم کی اُنہوں نے تلقین کی ہے۔ وہ خاص زمانہ اور خاص قوم تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر قوم اپنی ضروریات کے مطابق اُنکی تعلیم سے فائدہ اُٹھا کر فیضیاب ہوتی ہے۔ اور اُس کا باقی حصہ دنیا کی تمام اقوام میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ مہاپرش کسی خاص قوم یا فرقہ کے دینی رہنما نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ کُل دنیا کی رہنمائی کا دم بھرتے ہیں۔ اس نظر سے عیسےٰؑ اور محمدؐ جیسے ہمارے لئے قابل تعظیم ہیں۔ اُسی طرح بدھ۔ کبیر۔ نانک اور چیتن مہاپربھو عیسائی اور مسلمانوں کے لئے بھی قابل پرستش ہیں۔ اُن مبارک ہستیوں نے مختلف حالات میں جس سچائی کی تلقین کی ہے۔ اُن کا تمام سرچشمہ ایک ہے۔ اُپنشد۔ انجیل۔ قرآن اور بھاگوت اُسی کی مختلف دھاریں ہیں۔ چونکہ وہ مقدس کتب مختلف ممالک میں لکھی گئی ہیں۔ اسلئے اُن کے آچار کی تعلیم میں ظاہرا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن در اصل وہ سب سچائی کا راستہ دکھلاتی ہیں۔ جو حقیقت پسند شخصیتیں ہیں وہ ظاہری اور بیرونی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ اور نہ کرم کانڈ کی اُلجھن میں پھنسنا گوارا کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کی نگاہ حقیقت میں ہوتی ہے۔ جن کا انوار معرفت سے منور ہو چکا ہے۔ وہ ان لغویات میں نہیں پڑتے۔ اور نہ اُن میں کسی قسم کی تفریق و تنازعہ سے کام لیتے ہیں +

نوکشور کی یہ حقیقت پسند تقریر سنکر تارک کو بڑی اُلجھن پیدا ہوتی تھی۔ وہ بحث مباحثہ کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ دونوں کو پریشان دیکھ کر بپن کسی نہ کسی طرح قضیہ پاک کر دیتا تھا +

بپن نہایت سلیم الطبع اور سکوت پسند شخص تھا۔ وہ زیادہ بات چیت نہیں کرتا تھا۔ عوام سے وہ ملتا بھی نہیں تھا۔ مگر ہر دلعزیز بہت تھا۔ وہ اکیلا نہ جاتا۔ اور

نہ اپنی خواہش سے کوئی کام ہی کرتا تھا۔ اسی وجہ سے بغیر نوکشور کے وہ دم بھر بھی کہیں نہیں رہ سکتا تھا۔ نوکشور اُس کا جگری دوست بھی تھا۔ اور نگراں بھی!!

بپن کی یہ حالت تھی وہ زمیندار کا لڑکا تھا۔ بچپن سے اُس نے یہی تعلیم پائی تھی۔ کہ ہر شخص کے ساتھ میل ملاپ مناسب نہیں۔ زیادہ بات چیت بھی اچھی نہیں۔ اُس کا جہاں تہاں جانا بھی ٹھیک نہیں۔ وہ کس طرح اپنی حیثیت اور عزت کے مطابق کام کرے۔ اُس کے لئے اُسے ہمیشہ ایک صلاح کار کی ضرورت رہتی تھی۔ راج پروہت کے خاندان میں اگرچہ تعلیم ناجائز سمجھی جاتی تھی۔ تاہم نوکشور کو سکول میں پڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ مگر بپن اس سے بھی محروم تھا۔ زمیندار کے خاندان والوں کا شروع سے یہ عقیدہ تھا۔ کہ اگر سیاہی کی معمولی سی لکیر بھی کھینچی جائے تو اُس سے قرض بڑھتا ہے۔ لکھنا پڑھنا اُسے سیکھنے کی ضرورت ہے جسے نوکری کرنی ہو۔ اور کھانے کمانے کی فکر ہو۔ ماں لکشمی کا سایہ جن پر ہے۔ اُن کا لکھنا پڑھنا بالکل بے مصرف ہے۔ اگر کھانے پینے میں بھی وقت کاٹے نہیں کٹتا تو امیروں کے لڑکوں کے لئے عیش و عشرت کے سامان کی بھی تو کمی نہیں۔

مگر بپن کا دوست نوکشور جب سکول میں بھرتی ہوا۔ اُس وقت بپن نے ماں کے روبرو سکول جانے کا اصرار کیا۔ ماں کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ اتنے بڑے زمیندار کا لڑکا عام لڑکوں کے ساتھ سکول میں داخل ہوگا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا!! بھلا پھر رعایا اُس کی عزت نہیں کریگی۔ بپن کی یہ خواہش تو کسی طرح پوری نہ ہو سکے گی ــــــ اُسے گھر پر ہی پڑھنا ہوگا ــــــ زمیندار کے خاندان کو عزت کا پاس زیادہ ہے یا لڑکے کی خواہش!!

بپن کے چاروں طرف دیوار اُٹھا کر اُس کی نگاہ یکبارگی روکنے کی کوشش کی گئی۔ باہر کی خبریں لا کر نوکشور بیچ بیچ میں شور و شر مچا دیتا تھا۔ اس لئے ایسا پنجرے میں مقید پرند اور جنگلی پرند کے درمیان بہت رفاقت ہو گئی تھی۔ بپن اندر رہ کر مقام کی دیوار کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے بپن کے دل پر کسی نہ کسی باہر کی روشنی آ کر

پڑتی تھی۔ اُسی کے سامنے سر جھکا کر اُس نے اپنی تمام عقل و تمیز کو اُسی میں ملا دیا تھا۔ اس سے اُس کا دل نوراً علیٰ نور ہوا تھا۔ اور تمام باتیں روشنی میں آ گئیں۔ وہ ذرا ذرا سی بات بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ اس قدر فہمی ہو گیا۔ کہ باید و شاید۔ کمسنی ہی میں اُن اُن تجربات و حالات کا استفادہ کر لیا۔ جن کا اُسے شناسا سا بھی نہیں تھا۔ اس کی سلیم الطبعی۔ اور نوکشور کی متانت و سنجیدگی۔ ان دونوں نے مل ملا کر ایک ایسا ہالہ بنا لیا۔ کہ باید و شاید!

اس طرح تھوڑے سے عرصہ میں پرن کی حالت بالکل تبدیل ہو گئی۔ وہ بالکل دوسروں کے بھروسے پر رہنے لگا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ وہ بغیر دوسروں کے صلاح و مشورہ بغیر کوئی کام سر انجام دے سکتا تھا۔

پرن نے جب پرائیویٹ طور پر انٹرنس پاس کیا۔ تو نوکشور نے اُسے کلکتہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ ماں باپ نے ہر چند سمجھایا بجھایا۔ اور گریہ و زاری سے کام لیا۔ مگر پرن نے کسی طرح نہیں مانا۔

پرن کے باپ بالکل لاپرواہ شخص تھے۔ وہ عموماً گانجہ بھنگ کے نشہ میں چور مست رہتے تھے۔ کسی قسم کی جھنجھٹ میں پڑنا طبعاً اُن کے خلاف تھا۔ گھر کی نگرانی مالکہ خود ہی کرتی تھیں۔ باہر کے کاروبار کی نگرانی رام دھن تائی ایک نوکر کے سپرد تھی اور اسی وجہ سے وہ بالکل آزاد تھے۔ دو چار بار انہوں نے پرن کو منع کیا۔ مگر بعد میں اسی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

مگر مالکہ کی آنکھ کے آنسو کسی طرح رُکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جس دن پرن کی ماں مری تھی۔ اُسی دن سے وہ انہیں سونپ گئی تھی۔ پرن کو گود میں لے کر انہوں نے ماں کا قابل تعظیم درجہ حاصل کیا تھا۔ آٹھ برس سے جسے کبھی گود سے الگ نہ ہونے دیا۔ بلکہ یکایک آج اُسے کلکتہ بھیجنے کے خیال نے اُن کے دل کو چور چور کر دیا۔ پرن کا جی بھی رہ رہ کر گھبراتا تھا۔ اور دل بھر بھر آتا تھا۔ مگر قید خانے سے آزادی کا خیال اس قدر غالب آ گیا تھا۔ کہ وہ دل ہی دل میں پھولا نہ سماتا تھا۔

پپن کلکتہ آکر ہی ہیو کی طرح بن گیا۔ اُس نے بڑی کوشش و احتیاط سے کام لیا۔ وہ اعنان آزادی میں کسی قسم کی ڈھیل نہ ڈال سکا۔ یہ اُس کے لئے بہت اچھا ہوا۔

پپن کو کلکتہ میں دیکھکر نوکشور کو بھی بڑی مسرت ہوئی۔ جیسے مُردہ قالب میں جان آگئی۔ وہ نارک کے ساتھ بحث مباحثہ سے جب تنگ آجاتا۔ اس وقت پپن کی محبت آمیز اور تسلی بخش باتوں میں اطمینان تلاش کرتا تھا۔ پپن نوکشور کی طرح بحث پسند نہیں تھا۔ دونوں دوست آپس میں شیر و شکر کی طرح آپس میں مِل جُل کر رہنے لگے۔ نارک کی صحبت سے نوکشور میں بحث مباحثہ کا مادہ کسی قدر پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس وجہ سے دونوں دوستوں میں بھی کبھی کبھی نئی روشنی پر بحث مباحثہ ہو جاتا تھا۔ مگر اس میں کوئی ناخوشگوار بات کسی کی زبان سے نہ نکلتی تھی۔ حالانکہ دونوں بخوبی روشن تھا۔ کہ اس شعلہ زن آگ سے ہمارے گھر کا صفایا ہو جائیگا۔ مگر ان کی دلی خواہش تھی۔ کہ دوسروں کو اس سے نصیحت ہو۔

(۵)

منتھرا پور کے زمیندار کے خاندان میں جس وقت ہاتھی کو پناہ دینے کا جھگڑا مچا ہوا تھا۔ اس وقت نوکشور اور پپن دونوں دوست کلکتہ کے مکان میں ہیفار بی سے راستہ کی خاک اور غبار آلود ہوا سے لیکر تناسخ اور ایشور کی موجودگی تک بحث مباحثہ کا بازار گرم تھا۔ نارک بھی ان سب بحث مباحثوں میں حصہ لیکر اپنی اظہار رائے سے باز نہ آتا تھا۔

صبح کا وقت تھا۔ موسم سرما کے آفتاب کی زریں شعاعیں کھڑکی سے ... سے فرش پر پڑ رہی تھیں۔ کمرے کے گرد و پیش جہاں دیواریں تھیں۔ ان پر سایہ کی جھلک ایک دلربا منظر پیش کرتی تھی۔ جنگلے کی سلاخوں کا عکس اس ... شعاعوں کے ساتھ اس طرح معلوم ہوتا تھا۔ جیسے شیر کے جسم پر قدرتی سیاہ لکیریں ہوتی ہیں۔ کھڑکی کے پاس ایک شولی کا درخت تھا۔ اُس کے سفید پھولوں سے

فرش زمین اس طرح مزین تھا۔ گویا کسی ماہرو کے لئے پھولوں کی سیج آراستہ کی گئی ہے۔ ہوا پھولوں کی بوئے خوش سے معطر و معنبر ہو کر اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ فقیر کھڑتال بجا بجا کر خوش الحانی سے گرہستی کے دروازہ میں گاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اور اس گھر سے اُس گھر کو جاتے دکھائی دیتے تھے۔ راستہ میں پھیری والوں کی مختلف صداؤں سے ✤

پین ایک آرام کرسی پر پاؤں پھیلائے ہوئے شکسپیئر کے مشہور ڈرامہ "مرچنٹس آف وینس" کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اگلے دسمبر میں ہی اسے ایم۔ اے کا امتحان دینا ہوگا نوکشور پاس کے فرش پر پڑا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ بہت عرصہ سے درسی کتابیں پڑھتے پڑھتے جی اُکتا گیا تھا۔ اُس نے کہا۔ نوکشور بابو! ذرا اخبار مجھے بھی تو دو۔ میں بھی دُنیا کے حالات سے واقفیت حاصل کروں ✤

نوکشور نے اُس کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھکر متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ اپنے کورس کی طرف توجہ دو۔ کھانا کھانے کے بعد پھر اخبار پڑھنا ✤

پین اپنے دوست کی عادت سے خوب واقف تھا۔ اُس کا دوست تو صرف نام کا ہی ساتھی نہیں۔ بلکہ نگراں حال بھی ہے۔ نوکشور کی متانت آمیز نگاہیں دیکھکر پین کو حوصلہ نہ ہوا کہ اخبار پڑھے۔ ادھر درسی کتاب میں بھی اس کی طبیعت نہیں لگتی تھی۔ مرچنٹ آف وینس سے پورشیا نامی کیرکٹر کے حالات پڑھ کر اُس کی طبیعت اُلجھن میں پڑ گئی تھی۔ بولا۔ اس ناٹک میں پورشیا کی جبر دلری کی طرف کوئی متوجہ نہیں بلکہ وہ خود کنتوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ پورشیا کا کیرکٹر مجھے پسند نہیں آتا۔ نوکشور کو مباحثہ کی بو آگئی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بولا ——— کیوں؟

——— اس کے طور اطوار بالکل مردوں جیسے ہیں۔ عورتوں کی ایک بات بھی نہیں۔ یہ اُس میں کمی ہے ✤

——— اور تم کیا پسند کرتے ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو۔ کہ چھوٹی سی بہو چپ چپ کرتے ہوئی بچی گھر میں آئے۔ جسے شوہر کے دوست کی مصیبتوں کا بھی اندازہ نہ ہو۔

اور اُس کی ہمدردی کا ثبوت محض رونے دھونے اور شور مچانے سے ملے۔ کیوں؟

بین نے ہنس کر کہا —— کیا تم یہ چاہتے ہو۔ کہ گھر کی بہو بیٹیاں کمر بستہ ہو کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں ÷

نوکشور نے پُرجوش لہجہ میں کہا۔ ضرورت کے وقت اگر عدالت میں جانا پڑے جھانسی کی رانی "رانی درگاوتی" وغیرہ زرہ بکتر پہن کر میدان جنگ میں نبرد آزما ہوئی تھیں۔ کیا ہم اُن کی عزت نہیں کرتے۔ کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ اُنہوں نے ملک کی حفاظت اپنے قوت بازو سے کی تھی۔ اور ادھر چاچی جی کی طرف تو توجہ کرو ÷

—— جنہیں دھوکہ دیکر سب کچھ تمام مال و متاع چھین لیا گیا۔ اور راستہ کا بھکاری بنا دیا۔ اس کا بدلہ لینا تو درکنار رہا۔ غریب ہر وقت انہیں کی خدمت کیلئے دم بھرتی رہتی ہے۔ اس سے زیادہ کمزوری بھلا اور کیا ہوگی۔ ہمارے ملک میں ہر طرح خرابی آگئی ہے۔ اسی لئے بےعزتی کو برداشت کر لینا انسانی عفو کا بہترین معیار سمجھا گیا ہے۔ عورتوں کی بےعزتی کر کے اُس میں تو رشی تلاش کرتے ہو۔ اور اُنکی کمزوریاں دکھا کر اُنپر فخر کرتے ہو۔ ایسی تعلیم و تلقین پر ہزار بار نفرین ہے۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ نوکشور کی اس پرجوش تقریر سے تمام مکان جیسے کانپ اُٹھا۔ بین باپ کی بےانصافی کا تذکرہ سنکر شرم سے لاجواب ہو گیا۔ نوکشور جوش میں اندھا ہو کر تن تنہا تقریر کر سکتا تھا۔ اور ہر قسم کے نشیب و فراز دکھا سکتا تھا ÷

اتنے میں چپراسی ہاتھ میں دو خط لئے ہوئے آگیا۔ بین نے آزادی کا احساس کیا ÷

ایک خط بین کا تھا۔ اور دوسرا نوکشور کا۔ دونوں کے باپ نے لکھا تھا ÷

خط کو شروع سے آخیر تک پڑھ کر نوکشور نے بین کے جسم میں زور سے چٹکی بھر کر غضبناک لہجہ میں کہا —— یہ دیکھو ہمارے گھر کی لکشمی کی خراب حالت ÷

بین نے وہ خط پڑھ کر دیکھا تھا۔ سمرتی رتن وہاشے نے نوکشور کو مالتی کی تمام بُری حالتوں کا ذکر شروع سے آخیر تک مفصل طور پر لکھا تھا۔ بین اپنے ماں باپ کی بےانصافی

کا تذکرہ سُن کر شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ مالتی کی حالت زار کا مطالعہ کر کے اُس کا دل رحم و ہمدردی سے بھرپور ہو اُٹھا۔ بولا۔ چاچا جی کی بہن کی لڑکی کو ہمنام سے ساتھ متھرا بھیجنے کے لئے لکھا ہے ۔

نوکشور نے اس بات پر توجہ نہیں دی۔ وہ اپنی دھن میں بکتا جا رہا تھا ۔ ناحق تم بیٹھے ہو۔ ہم اپنے آپ کو آریہ کہتے ہوئے۔ قصائیوں کا کام کر رہے ہیں۔ یہ غریب مالتی دوسروں کے گھر میں خادمہ بن کر جا رہی ہے۔ کیا اس سے یہ کہیں بہتر نہیں ہے۔ کہ اس کی شادی کر دی جائے۔ اس پر تمہارا یہ قول۔ کہ بیواؤں کی شادی ناجائز ہے ۔

نوکشور کی دونوں آنکھیں جوش سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس جوش کے سامنے اس نے اپنا سر جھکا کر آہستہ سے کہا ——— تایا جی یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا۔ میں صرف یہ کہتا ہوں۔ کہ بیوہ عورتوں کے لئے شوہر کی یادگار پیش نظر رکھ کر برہمچریہ کا پالن کرنا مناسب ہے۔ اعلےٰ ترین فرض ہے ۔

مانتا ہوں کہ ودھوا کا یہی آدرش ہے۔ مگر برت رکھنے کا یہی تو مزاج ہونا چاہیئے۔ مگر جس کام میں اندر سے کوئی طاقت نہ آئے۔ صرف دوسروں کی زبردستی سے انجام دینا پڑے۔ اس قسم کا دھرم بھی فضول ہے۔ ہم کیا اپنی دلی طاقت سے کچھ کر سکتے ہیں۔ دھرم اور سماج کے اصولوں کی مشاقی متقدمین سے چلی آ رہی ہے۔ کیونکہ ہمیں ان کی پیروی کی عادت ہو گئی ہے۔ زمانہ قدیم سے یہی رسم چلی آ رہی ہے۔ کہ وہ اسی اصول کی پیروی کیوں کر رہے ہیں۔ قدرت نے ہمیں جو دماغ عطا کیا ہے۔ کیا وہ اس لئے کہ گدھے کا بوجھ اُٹھایا جائے۔ ایسے ایسے کاموں میں صرف کرنے کے لئے کچھ نہیں۔ شاید اس خوف سے کہ بعد میں دماغ کا دیوالہ نہ نکل جائے۔ ماں باپ کی پیدا شدہ دولت کے سود پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ خواہ اس سے آدھے پیٹ کھائیں یا نوکری کریں۔ تاہم ان کے لئے ہم میں دماغ صرف کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا ۔

بابو جی نے کہا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ سماج کے تمام اشخاص دماغ سے ہی کام

نکالتے ہیں۔ جس کی عقل زیور تعلیم سے آراستہ نہیں وہ قدم قدم پر غلطیوں کا شکار ہوگا ؏

اگر غلطی کرتے ہیں تو کرنے دو۔ غلطی نہ ہوئی تو سچائی کا پتہ کیونکر چلے گا۔ ہم جو اپنے آپ کو بہت لائق اور ہوشیار تصور کرتے ہیں۔ اور غلطیاں نہیں کرتے اسی وجہ سے سچائی سے محروم رہجاتے ہیں۔ اور جو تعلیم کی بات کہتے ہو اُسی کا انتظام بھی تو تمہیں کو کرنا ہوگا۔ جن کی زبان ذائقہ تعلیم سے آشنا ہے۔ اور بالخصوص جو تمہاری طرح تعلیمیافتہ دولتمند ہے۔ اگرچہ تک یہ حالت نصیب نہیں ہوئی۔ اُس وقت تک بجائے بیکاری کے کام کرتے ہوئے غلطیوں کے مرتکب ہونا ہی کرانے سے بہتر ہیں۔ اس طرح غلطیوں کی اصلاح کی طاقت رفتہ رفتہ پیدا ہوتی جائیگی۔ مثلاً ملک کی غیر تعلیمیافتہ لڑکیاں اس حقیقت سے واقف ہیں۔ کہ ایشور انتریامی اور لامحدود ہے۔ مگر اس عقیدہ کی تہ تک ان کا دماغ نہیں پہنچا۔ تعلیم اسی وجہ سے وہ دل کی وسعت اور قدرت کی نیرنگیوں میں حقیقت کے جلوہ سے چشم پوشی کرکے وہ انسان کے تعمیر کردہ مندروں میں اُس کی جستجو کرتی ہیں۔ اسی لیئے وہ ایشور کو خانہ دل میں نہ پاکر ان پتھر کی مورتیوں میں تلاش کرتی ہیں۔ ہم کھلی آنکھوں دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ رسم و رواج کی پابندیاں محض اندھوں کی طرح کی چال ہی چلتی ہیں۔ اصلیت تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچی ؏

بہن نے پوچھا —— آج ایسی زبردست شخصیت کہاں ہے۔ جو ان کی اصلاح کرے ؏

—— تم اور ہم اور جنہوں نے اس کمی کو محسوس کیا ہے۔ اسی لیئے گیان کی روشنی پھیلانے کے لیے سب کو تعلیم سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے ؏

—— بہن۔ مگر کیا عورتوں اور مردوں کی تعلیم یکساں ہونی چاہیئے ؏

—— کسی حد تک ایسا ہی درست ہے۔ ورنہ اس سے کیا نقصان ہوگا۔ یہ معلوم ہے۔ اگر کسی ضعیف شخص کی بیوی مرجائے۔ تو وہ فوراً شادی کرلیتا ہے۔

کیونکہ وہ خود خانہ داری کے کام انجام نہیں دے سکتا۔ اور دوسری طرف دیکھو۔ کہ اگر چھوٹی سی لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے۔ تو اُس سے دوسروں کے گھر میں داسی کا کام لیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آزادی کی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ مثلاً مالتی کو دیکھو جب اُس کا بیرونی طور پر کوئی محافظ نہیں تو وہ اندرونی خانہ داری کو آگ لگائیگی۔ اِس موجودہ حالت میں یا تو بیرونی اسباب سے جنگ و جدل کرنی پڑے گی۔ اور یا کسی کے گھر میں پناہ لینی پڑے گی۔ اُس کی پناہ کی دو صورتیں ہیں —— یا وہ بہو بن کر رہے۔ خواہ داسی بن کر —— یہ تو تمہیں ضرور تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ خادمہ بننے کی نسبت بہو بننا بدرجہا بہتر ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ جب کہ بہو بہن و دیگر رشتہ دار محض معمولی سے رشتوں کی بنا پر گھر کی مالکہ ہو کر اپنی زندگی گذار دیتی تھیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ آجکل بیواؤں کو یا تو الگ رہکر اپنی عصمت کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ یا دوسرے کے گلے پڑ کر خادمہ گیری کرنی پڑیگی۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ یا تو بیواؤں کی شادی کا انتظام کیا جائے۔ یا لڑکیوں کو زمانہ طفلی سے تعلیم دی جائے۔ اور وہ مردوں کے ہمسر ہو سکیں۔ بالخصوص وہ عورتیں جو مالتی کی طرح دوسروں کی دست نگر ہیں +

چپن نے زور دیکر کہا۔ نوکشور بیٹے تم تو خوب معلوم ہے۔ کہ چاچی جی کے دل کی تمام کدورتوں کو دور کرنے کے لیے میں اُن کی کتنی عزت اور محبت کرتا ہوں۔ مالتی کو دوسروں کی غلامی سے آزاد رکھنے کے لیے میں کوشش کروں گا۔ تم مالتی کے پاس کب جاؤ گے۔ یہ تو بتاؤ +

نوکشور نے کہا۔ شام کو چلیں گے +

—— چاچی جی نے مالتی کو کچھ بھی نہیں لکھا۔ یکایک تم اُسے لینے کیلئے جاؤ گے۔ تو اُسے یقین نہیں آئیگا۔ دونوں خطوط ساتھ لیتے جانا۔ اگر ضرورت پڑے تو مالتی کو دکھا دینا۔ دونوں خطوط کے پڑھ لینے پر کوئی شک نہ رہیگا +

—— بہت اچھا ہی ہوگا۔ اب نہا دھو کر کھانا کھالو۔ صبح کا تمام وقت

تو بحث مباحثہ میں ختم ہو گیا۔ دوپہر کو تمہیں پہنچنا ہوگا۔ مالتی کے گھر سے ہیں آتے آتے رات ہو جائیگی ؛

بپن نے بیتابانہ انداز سے کہا ـــــ نہیں نہیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا۔ ایک ناواقف نازنین کے روبرو........

نوکشور نے قہقہہ لگا کر کہا ـــــ تم کیا تمام عمر اسی طرح شرماتے رہو گے۔ جب ایک اجنبی لڑکی بہو بن کر تمہارے گھر آئے گی۔ تو کیا اُس کے سامنے بھی اسی طرح شرماؤ گے ؛

بپن نے شرم سے پانی پانی ہو کر کہا ـــــ نہیں نہیں۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ تم اکیلے ہی جانا ؛

(۶)

مالتی کا میکہ وشنو پور نامی گاؤں میں تھا۔ جو کلکتہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔ بدنصیبی سے جب وہ شادی کے ایک مہینے بعد ہی بیوہ ہو گئی۔ تو ساس سسر نے یہ عہد کیا۔ کہ جب تک اس منحوس قدم اور نصیبوں جلی بہو کو گھر سے نہ نکال دینگے۔ پانی نہیں پئیں گے۔ ایک مہینے کے اندر ہی اندر جب اُس راکھشنی نے میرے لخت جگر بیٹے کو کھا لیا۔ تو اب اور اُس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ خبر نہیں۔ ابھی یہ کیا کیا گل کھلائے۔ اُس وقت مالتی کی عمر مشکل سے پندرہ برس کی تھی۔ اُس نے ساس کے دونوں پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے کہا ـــــ میں تمہاری لونڈی ہو کر رہونگی۔ مجھے اپنے قدموں سے دور نہ کرو۔ مگر ساس کا سخت دل کسی طرح نہ پگھلا۔ اُس کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر بدنصیب بہو کی منت و سماجت ڈائن کے رونے کی طرح ثابت اُس وقت غریب مالتی کو سوائے باپ کے گھر کے اور کوئی پناہ نظر نہ آئی۔ نوخیز شباب کے جذبات سے بھرپور پنکھڑیاں ایک ایک کر کے کھل کھل کر اپنے ہر چہار طرف ختم نہ ہونیوالا جوش پیدا کر رہا تھا۔ جب ایک لاثانی حسن نے جوش و خروش سے ہر چہار طرف اپنا تسلط قایم کر رہا تھا۔ عین اُسی وقت مالتی اپنی امیدوں و خواہشوں

کا یہ باب کتاب ختم کر کے مایوسی اور بے کسی سے اپنے باپ کے گھر واپس آئی +

مالتی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے نہایت ہی رحم و ہمدردی سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ مالتی کے باپ نئی تہذیب کے دلدادہ شخص تھے۔ وہ چھوٹی لڑکی کی از سرِ نو شادی کرنے کی فکر میں سرگرمی دکھانے لگے۔ اور اُسے لکھنا پڑھنا سکھانے لگے +

ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بدنصیبی آڑے میں بیٹھی ہوئی تمسخر آمیز مسکراہٹ سے مسکرا رہی تھی۔ سال کے اندر اندر اُس کا باپ دنیائے فانی سے چل بسا +

اُس کی شادی کی بات بھی جوں کی توں رہ گئی +

اس وقت گھر میں صرف مالتی اور اس کی ماں ہی دو نوں تھیں۔ گھر کا کام کاج ختم کرنے کے بعد جب مالتی دکھ کے گرانبار بوجھ سے دب جاتی تھی اُس وقت غریب کتابوں کے مطالعہ میں اپنا تمام اندوہ ملال غرق کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس طرح متواتر لکھنا پڑھنا اس کے لئے ایک نشہ ہو گیا +

دو برس بعد جب ماں نے بھی دُنیا سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ اس وقت اُس نے سوچا۔ کہ صرف کتابوں سے ہی وقت نہیں گزر سکتا۔ انسانی زندگی میں انسان کا ساتھ اور محبت بھی بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد گاؤں کے نکمے مردوں کے جب کس و بے کس بدنصیب دکھ سے بہت زیادہ دُکھی ہو کر اس کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہوئے۔ اُس وقت مالتی نے سوچ سمجھ کر اپنی پران داسی ہری کی ماں کے مشورے سے اپنی موسی کے سایہ میں پناہ گزیں ہونے کا ارادہ کیا۔ مالتی نے اپنی ماسی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ناواقف اور کبھی نہ دیکھی ہوئی ماسی کے سایہ میں پناہ لینے کو مالتی کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے۔ ہری کی ماں اُسے بہت کچھ تسلّی و تشفی اور حوصلہ دیتی تھیں ——— ماں کی بہن ہے۔ اُس کے پاس جانے میں خوف کا کیا کام؟

ایک ہفتہ ہوا۔ مالتی نے اپنی موسی کو خط لکھا تھا۔ مگر کہاں؟ آج تک تو اُس کا

جواب نہیں آیا۔ مالتی ایسی بدحواس سی ہوگئی تھی۔ جیسے ہر جہار طرف جگہ تلاش کرتی تھی۔ مگر کہیں ٹھکانہ نہ نظر آتا تھا ۔

مالتی پڑے پڑے سوچ رہی تھی۔ کیا سوچ رہی تھی! اپنی موسی کی بات! ماں کی شکل کے تصور سے موسی کی شکل کا اندازہ لگا رہی تھی۔ دُکھ درد کی ستائی ہوئی مالتی یہ سوچ رہی تھی۔ کہ میں لاولد موسی کی خدمت میں اپنا تن من ارپن کرکے دُکھ درد بھلانے کی کوشش کرونگی —— اُسے پھر امید ہو رہی تھی۔ مگر اُس کے ساتھ ساتھ یہ خیالات بھی دل میں آ رہے تھے —— موسی زندہ ہے گھر میں ہیں۔ پھر بھی اُنھوں نے کبھی اپنی بہن یا بہن کی لڑکی کی خبر نہیں لی۔ اُس نے یہ ضرور سُنا تھا۔ کہ موسی بیوہ ہوکر اپنا سب کچھ کھو کر جیٹھ کے گھر پڑی ہوئی زندگی کے دن کاٹ رہی ہیں۔ مگر دوسروں کے گھر میں بھی رہ کر کیا یہ اُنھیں واجب نہ تھا۔ کہ وہ اپنے عزیز ویگانوں کی خبر لیتیں اور اگر وہ واقعی اُسی طرح دوسروں کے زیر اثر ہیں۔ تو اُسے وہاں جاکر نہ معلوم کس حالت میں رہنا ہوگا۔ اور اگر وہ دوسروں کے آسرے نہ ہوں۔ تو اُس کے لئے موسی کا بھروسہ نہ رکھنا ہی اچھا ہے ۔

جس وقت مالتی انہیں خیالات میں غوطہ زن تھی۔ اُس وقت صدر دروازہ کے پاس راستہ سے نہ معلوم کس نے سنجیدہ لہجہ میں سوال کیا —— ہاں جی! اکھتے بابو کا مکان کونسا ہے؟

یہ سوال سُنکر مالتی نے جلدی جلدی اُٹھ کر کھڑکی کھولکر گھونگھٹ نکالے ہوئے دیکھا۔ ایک نو عمر مگر بجسم شخص بھڈا چاریوں کا لباس زیب تن کئے ہوئے پڑوسی نودیپ کمار سے اُسی کے باپ کا نام پوچھ رہا ہے۔ مالتی کے دل میں خوشی کا جذبہ جیسے تھر تھر کرکے کانپ اُٹھا۔ یقیناً موسی نے ہی انہیں بھیجا ہے ۔

نودیپ کمار متحیر ہوکر نوکشور کے متفکر چہرے کی طرف دیکھکر کہا —— چودھری مہاشے کا یہی مکان ہے۔ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

نوکشور نے کہا۔ میں اکھتے بابو کی لڑکی کے موسی کے یہاں سے آتا ہوں ۔

یہ سُنکر مالتی نے دریائے مسرّت میں غوطہ لگاکر دبی ہوئی آواز سے ہری کی ماں کو پکار کر کہا۔ ہری کی ماں! جا جا! جلدی سے جاکر اُنہیں بُلالا۔ اُٹھ اُٹھ!!

مالتی کے مکان کا دروازہ گلی میں ہی تھا۔ کھجور اور سُپاری کے درختوں کے جھُنڈ سے گذرتا ہوا نوکشور مکان میں داخل ہوا۔ آنگن کی دیوار کے پاس ہی کنارے پر ایک سہنجن اور جواکسم کے پھول کا درخت تھا۔ اور جہاں تہاں کتنے ہی کروٹن وغیرہ کے چھوٹے بڑے خشک درخت تھے۔ جو قدیم باغیچہ کی یاد دلا رہے تھے۔ ایک طرف ایک کوٹھڑی کی چھت گری پڑی تھی۔ اور تمام مکان کی حالت خراب و خستہ تھی۔ مکان کے باہری حصّے میں کوئی کمرہ نہیں تھا۔ اندر صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ جس کا دروازہ باہر کی طرف تھا۔ اُسی کمرے میں ضرورت کی چند مختصر چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہری کی ماں نے اُسی مکان کا دروازہ کھول کر نوکشور سے کہا:۔ بیٹا! آؤ۔ اس گھر میں بیٹھو۔ میں مالتی کو بلائے دیتی ہوں؎

اُسی کمرے میں ایک بلّی سکڑی سکڑائی بیٹھی ہوئی آرام سے سو رہی تھی۔ اپنی نیند میں خللِ انداز دیکھکر روشنی اور آدمیوں کا مجمع اُسے بہت بُرا معلوم ہوا۔ پہلے اُس نے چند انگڑائیاں لیں۔ پیٹھ کمان کی طرح خم کھائی۔ اُس کے بعد پہلوانوں کی طرح ڈنڈ پیلتے ہوئے۔ ہات پانوں اور جسم جھاڑ کر وہ کمرہ سے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر پہلے بارش ہو چکی تھی۔ آنگن کے گھاس پر موتیوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ گویا سبز مخمل میں کسی نے تارے ٹانک دیئے تھے۔ بلی قدم قدم پر پنجہ اُٹھا پانی جھٹک کر نیا پمپ شو پہنے ہوئے شوقین بابو لوگوں کی طرح بہت بچ بچ کر پانی سے پار ہو کر گھر سے باہر ہو گئی؎

نوکشور ایک کرسی پر بیٹھکر کمرے کے ہر چہار طرف دیکھنے لگا۔ بہت اسباب نہیں تھا۔ جو تھا۔ وہ بہت صاف ستھرا۔ اور مختصر۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت تھا۔ کہ گھر کی لکشمی کس طرح افلاس کی حالت میں بھی ہر چیز کو شاندار طریقہ پر رکھ سکتی ہے۔ دروازوں پر طرح طرح کی چھینٹوں کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیوند میں کچھ ایسی قابلیت سے کام لیا گیا تھا۔ کہ تمام عیب چھپ گئے تھے۔ اور پردے

نہایت دلکش نظر آتے تھے۔ کمرے کے عین وسط میں ایک میز تھی۔ اُس کے اردگرد چار کرسیاں قرینہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف تخت پڑا ہوا تھا۔ ان سب پر سوزنی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ دیوار کے کنارے لکڑی کی ایک کھونٹی تھی۔ اور جابجا تصویریں آویزاں تھیں +

ہری کی ماں نے دروازے کے پاس آکر کہا۔ "مالتی آئی ہے" +

نوکشور نے دروازے میں اندر کی طرف کھڑی ہوئی مالتی کو مخاطب کر کے کہا "میں تمہیں متھراپور لے جانے کے لئے آیا ہُوں .... میں تمام شرم اور تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر پہلے ہی "تم" کہکر مخاطب کرتا ہوں۔ اس کا خیال نہ کرنا۔ جو تمہاری موسی ہیں وہ میری چاچی ہیں۔ بڑا بھائی اگر چھوٹی بہن کو آپ کہکر مخاطب کرے تو سُننے میں کیسا معلوم ہوگا" +

مالتی اس کی سادگی دیکھکر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ وہ آہستہ سے بولی :- آپ یہ بات کیوں پوچھتے ہیں۔ اگر آپ مجھے تعظیمانہ الفاظ سے مخاطب کرتے تو سراسر بے انصافی ہوتی .... آپ متھراپور سے کب آئے؟ موسی کا کوئی خط نہیں آیا۔ اس وجہ سے میں نہایت متفکر تھی" +

مالتی بچپن ہی سے میکے میں رہی تھی۔ اور گانوں میں اس وجہ سے وہ گھونگھٹ نکالنے میں ایک قسم کی شرم محسوس کرتی تھی۔ شادی کے بعد جب وہ اپنی سسرال گئی تو بھی ساس سسر نے اُس کے ساتھ کسی قسم کی سخت گیری سے کام نہیں لیا۔ وہ آزادی سے رہتی سہتی تھی۔ ساس کے جور وظلم اور نند کی طعن آمیز گفتگو کی چوٹ کا سامنا اُسے نہیں کرنا پڑا۔ اُس کے باپ جب دفتر جاتے تھے۔ اور اگر اتفاق سے اُسی وقت کوئی مہمان آگیا۔ تو وہ خود ہی ہر قسم کی خاطر تواضع کرتی تھی۔ اس آزادی کی وجہ سے اُس میں کسی قدر بیباکی آگئی تھی۔ مگر عورتوں کی فطرتی شرم وحیا داری میں اس بیباکی کے میل نے ایک عجیب وغریب پُر لطف دلکشی وانسانیت پیدا کر دی تھی +

نوکشور نے اس نوخیز نازنین کی بیباکی اور سادہ مزاجی دیکھکر کسی قدر تحیر آمیز انداز

سے کہا:- میں کلکتہ ہی میں رہتا ہوں۔ متھراپور سے خط آیا ہے - اسی وجہ سے انہیں لے کر جاؤں گا" +

محض اس وجہ سے مالتی کو تسلّی ہو جائے۔ وہ ایسی لڑکی نہیں تھی۔ اسی لئے اُس نے دوبارہ سوال کیا۔ موسی نے آپ کو مجھے متھراپور لے چلنے کے لیئے لکھا ہے - مگر مجھے تو کوئی اطلاع نہیں دی"؟

نوکشور اس سوال سے کسی قدر مطمئن ہو کر بولا۔ چاچی جی نے اپنے ہاتھ سے خط نہیں لکھا۔ وہ تو بیچاری پرائے بس میں ہیں - جو چاہیں - وہ نہیں کر سکتیں - چاچی جی کے جیٹھ ہری بہاری بابُو نے اپنے لڑکے بپن بہاری کو خط لکھا ہے - اور بپن نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے +

آپ بپن بابُو نہیں ہیں؟ میں نے اُن کا نام سُنا ہے - جب موسی بیوہ ہوئی تھیں - تو وہ خود ہی انہیں اپنے گھر لے گئے تھے - میرا خیال تھا - کہ شاید آپ ہی بپن بابو ہیں - پھر آپ بپن بابو کے کون ہیں"؟

اُن کے ساتھ میرا کوئی خونی تعلق نہیں - میرے باپ اُن کے خاندانی پروہت ہیں - تمہاری موسی اُسی رشتہ سے ہم سب کی چاچی ہیں - نوکر چاکر سب کے سب انہیں چاچی جی کہتے ہیں "+

مالتی نے کسی قدر ہنسکر کہا:- آپ کے پاس جو خط آیا ہے - کیا میں اُسے ذرا دیکھ سکتی ہوں؟

نوکشور مالتی کی اتنی لیاقت دیکھ کر اور اس قدر سوال وجواب سُنکر دل ہی دل میں بہت خوش ہُوا۔ اُس نے ہنسکر کہا:- نا واقف شخص کی شناخت کیلئے خط کی ضرورت پڑے گی - اسی خیال سے میں لیتا آیا ہوں ——— یہ لو ——— یہ کہکر نوکشور نے اپنی جیب سے دو خط نکالے - اور اپنے نام کا خط جیب میں رکھکر بپن کے نام کا خط ہری کی ماں کے ہاتھ میں دیدیا +

مگر جس غلطی سے وہ بچنا چاہتا تھا - اسی غلطی کا شکار ہُوا - صبح بحث مباحثہ کے زعم میں

پہن کے نام والے لفافہ میں بھٹا چاریہ بھاشئے کا خط اور اپنے نام والے لفافہ میں ہری بہاری بابو کا خط رکھدیا تھا۔ مالتی سمرتی رتن بھاشئے کے خط میں اُس کے اپنے خط کی رسید سے لیکر پناہ دینے کی بات تک یہ تمام حالات متحیّر ہو کر پڑھنے لگی۔

مالتی کو شوہر کی جدائی کے بعد کتنے ہی دنوں تک سسرال والوں کی جلی کٹی سننی پڑی تھیں۔ اُس وقت وہ کمسن تھی۔ اُس کے ماں باپ کی محبت کے لیپ نے اُس کے تمام دُکھوں کی آگ پر طراوت کا پھایا رکھدیا تھا۔ مگر ماں باپ کی وفات کے بعد اُسے جو زبردست تکلیف تھی۔ اور اُسے بھولنے کی کوشش موسی کے پاس پہنچکر کرنا چاہتی تھی اُسی موسی کی یہ لاپروائی اُس کے دل پر چوٹ پہنچانے لگی۔ اُس نے دل ہی دل میں محبت و ہمدردی سے بھری ہوئی جو تصویر بنائی تھی۔ وہ اس چوٹ سے یکبارگی چُور چُور ہو کر دم زدن میں زمین کی گرد میں مل گئی۔ اُس کی موسی کے سامنے اُس کا بیجا غرور ہی مصیبت سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اسی بے عزتی کی چوٹ سے اُس کے دل کا کونا چُور چُور ہو گیا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔

نوکشور نے مالتی کے رونے کی آواز سنکر سوچا۔ کہ وہ ماں باپ کی یاد میں مصروف گریہ و زاری ہے۔ اسی وجہ سے تسلی دیکر بولا۔ افسوس نہ کرو۔ ہماری چاچی نہایت رحمدل اور دردرس ہیں۔ اُن کے پاس جا کر تم ماں کا دُکھ بھول جاؤ گی۔۔۔۔۔۔

مالتی نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا:- ہاں اچھا میں جس قسم کی محبت اور دلسوزی کا ثبوت ملا ہے۔ اُس سے زیادہ میں نہیں چاہتی۔ اب میں اُن کے پاس نہیں جاؤنگی۔ میرے لئے یہ ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا اُس محل سے کہیں بہتر ہے۔

مالتی کی بات سنکر نوکشور متحیّر ہو کر سوچنے لگا۔ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس کے بعد اُس کے دل میں یکایک خیال آیا کہ اُس نے خط دینے میں غلطی کی ہے۔ اُس نے جلدی جلدی جیب سے دوسرا خط نکالکر سوچا۔ کہ جو بات پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا سب احتیاط ہی اُلٹے دیکھا ہے وہ فاش ہو گیا۔ اس سے وہ بہت شرمندہ ہوا۔ مگر مالتی کی دس گیارہ گرم تقریر میں اُس نے کسی قدر حظ بھی اُٹھایا۔ ایک بے حس و بیکس نوخیز نازنین میں اتنی غیرت!

وہ شرمسار ہو کر حیا بانہ انداز سے بولا - اگر تم نہ جاؤگی - تو یہاں کیونکر رہ سکو گی؟
—— کسی گرل سکول ہیں نوکری کرلوں گی - میں صرف اکیلی ہی ہوں - کسی طرح گزر بسر کرنی ہوگی -
ایک ہندو بالخصوص بنگالی لڑکی میں اتنا حوصلہ! نوکشور کو ایسی امید نہیں تھی اس کا جام دل مالتی کی بیکسانہ تقریر سنکر ہمدردی سے لبریز ہوگیا - اُس نے اچھی طرح تمام باتوں سے علم حاصل کرنے کی غرض سے پوچھا: —— یہاں تمہاری نگرانی کون کریگا؟
—— بھگوان اور میں خود!
نوکشور نے ہنسکر پوچھا - پھر تم نے اس قدر گھبرا کر چاچی جی کو خط کیوں لکھا تھا؟
مالتی شرما کر رک رک کر کہنے لگی —— اس وسیع دنیا میں مالتی جیسی بیکس ہستی کی کیا حیثیت ہے - دنیا سے تو اُس کا تعارف نہایت مختصر - اسی لئے خوف معلوم ہوتا ہے!
—— اب تک بھی اسی خوف کا سبب باقی ہے! ابھی دور نہیں ہوا -
بھگوان نے جب میرا سب کچھ چھین لیا - اور مجھے یکہ و تنہا بنا دیا - تو جو کچھ سر پر پڑیگی - برداشت کرونگی - دنیا کے تختے پر کھڑی ہو کر اس سے تعارف پیدا کرونگی! جب تک ناواقف ہوں خوف بھی اُسی وقت تک ہے......
نوکشور کی توجہ مالتی کی باتوں کی طرف نہیں تھی - بلکہ وہ دل ہی دل میں دیگر دیکھی بھالی لڑکیوں کا مالتی کے ساتھ موازنہ کر رہا تھا - مقابلے میں دیگر لڑکیاں مالتی سے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتی تھیں - نوکشور نے عہد کیا - جس طرح ممکن ہوگا - مالتی کو منظور اپنا کر زمیندار گھرانے کے گھر رکھنا ہوگا - مالتی جیسی روشن دماغ لڑکی اُس قدامت پسند خاندان کی کایا پلٹ کر دیگی - اس میں شک ہی کیا ہے؟
نوکشور تھوڑی دیر تک خاموش رہا - ازاں بعد بولا —— تمہاری موسی کے سلوک نے اس وقت تمہیں صدمہ ضرور پہنچایا ہے - مگر اُن کے دل کی طرف دیکھنا بھی بہت

ضروری ہے۔ اُن کی حالت بھی مدنظر رکھنی ضروری ہے! تم اپنی موسی کو نہیں پہچانتی۔ مگر ہم لوگ خوب اپنی چاچی کے مزاج سے واقف ہیں +

مالتی نے کسی قدر سوچ کر کہا ـــــ یہ ممکن ہے۔ مگر جہاں ایک طرف دستِ سوال دراز ہے۔ اور دوسری طرف انتظار۔ وہاں کسی طرح اُن کا سر نیچا ہو۔ میرے لئے یہ مرتے مرتے بھی مناسب نہ ہوگا۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا۔ کہ اُن کی ایسی حالت ہے! تو میں ہرگز ہرگز انہیں خط نہ لکھتی +

اس باب میں بھی تمہیں جس قدر علم ہے۔ اُس سے کہیں زیادہ میں جانتا ہوں۔ بپن کی ماں بخیر تسلیم یافتہ مالکہ ہے۔ اسی وجہ سے انہیں بیجا غرور رہتا ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ نہایت سادہ مزاج اور دردرس ہے۔ ذرا سی بات میں انہیں غصہ ضرور آجاتا ہے مگر وہ تیام پذیر نہیں۔ گھر میں جو کچھ خرابی ہوتی ہے۔ بپن اُس پر پانی پھیرتا رہتا ہے۔ اگر بپن اس وقت موجود ہوتا۔ تو کسی قسم کا جھگڑا نہ ہوتا۔ وہ بہت جلد گھر جائیگا پھر اُس وقت کسی خرابی کا امکان نہ رہیگا۔ ...... اب تمہارا کوئی عذر و حیلہ تسلیم نہ کیا جائیگا۔ یہ دیکھو ہری بہاری بابو نے تمہیں نوید دیا ہے۔ میں بپن کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اب تمہیں چلنا ہی ہوگا۔ اُس گھر میں تمہاری بڑی ضرورت ہے۔ تمہاری موجودگی سے کتنے ہی کام انجام پائیں گے۔ ہم دونوں دوستوں نے تمہارے اُوپر کتنے کام اُٹھا رکھے ہیں...... میں تمہیں پھر بھی یقین دلاتا ہوں۔ کہ کسی قسم کا جھگڑا نہیں اُٹھیگا +

مالتی نوکشور کی سادہ لوحی اور نیک طینتی کی جھلک دیکھکر فریفتہ ہوتی جارہی تھی۔ وہ خاموش رہی تھی۔ نوکشور اس سے بہت خوش ہوا۔ بولا۔ تو پھر ہم لوگ کل ہی روانہ ہونگے۔ کیوں؟ روانگی کے لئے پوتھی پترے کی تلاش تو نہیں کرنی پڑیگی؟

مالتی نے ہنسکر آہستہ سے کہا ـــ نہیں پوتھی پترے کی احتیاج نہیں +

نوکشور نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ـــ پھر تو میں تمہیں سفر الور لئے گئے بغیر کسی طرح نہ چھوڑونگا۔ ہم دونوں دوستوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ پوتھی پترے ہی یہ اتنی قابل اعتماد

نہیں۔ تمہارے جانے سے ہم میں ایک اور اہل خیال کا اضافہ ہوگا.... اب تم سب کچھ ٹھیک کر لو۔ میں کل آکر لیجاؤنگا۔ اچھا۔ اب اس وقت میں اجازت چاہتا ہوں!

نوکشور جوتا اور چھاتا لیکر جانے پر تیار ہوا +

مالتی نے آہستہ سے کہا — بغیر کچھ کھائے پیئے نہیں جانے پاؤ گے!

نوکشور کے قہقہے سے تمام مکان گونج اُٹھا۔ بولا — سنسکرت ناٹک کے یدوشک کی طرح میرا بھی کھانے پینے کی طرف خاص پکشپات نہیں۔.. اسی کا اظہار زبان حال سے میرا یہ جسم کر رہا ہے! لاؤ! دو مجھے کوئی عذر نہیں +

ہری کی ماں نے آسن بچھا کر جب پانی وغیرہ رکھدیا۔ تو نوکشور بیٹھ گیا۔ ذرا دیر بعد حیا وار اور شرمسار مالتی طشتری میں مٹھائیاں لیکر کمرے میں داخل ہوئی۔ نوکشور نے اب تک مالتی کو نہیں دیکھا تھا۔ اب تک وہ دروازہ کی آڑ میں بیٹھی ہوئی بات چیت کر رہی تھی۔ اس وقت اُسے اپنے سامنے آتے دیکھکر نوکشور نے دیکھا۔ کیا لاثانی حسن! چندر کونا کی صاف شفاف دھلی ہوئی ساڑھی میں اس بادۂ شباب سے سرمست نازنین کو رانی کی طرح پُرجلال دیکھ کر دنگ رہگیا۔ وہ یکایک اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ مالتی نے جھکتے ہوئے طشتری سامنے رکھکر نوکشور کو سربسجود ہو کر پرنام کیا +

(۷)

عندیہ پڑکر چاچی جی نے مالتی کو اپنے پاس بلانے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اُن کا دل مالتی کی طرف سے بے چین ہی تھا۔ وہ سوچتی تھی۔ کہاں! کسی دور دیس میں اُن کی بہن کی لڑکی رہتی تھی۔ وہ اس بے رحم دنیا میں بالکل اکیلی — اگر کسی چیز کی ہستی ہے! تو وہ صرف اُس کا بادۂ شباب سے سرمست جوبن اور حسن بیمثال!! کون اُس کی ان زبردست پنجوں سے حفاظت کریگا۔ اگر ذرا سی بھی بد احتیاطی نے اُسے اُس کے دامن پر دھبہ لگایا۔ تو اُس کے باپ کا حصہ دار اُنہیں بھی ہونا پڑیگا۔ لعنت ہو ایسے غصہ پر! کیوں انہوں نے ایسی زبردست قسم کھائی۔ یہ بدقسمتی سمجھ انہیں کہ سب باتیں سوچ جائی بدنصیب لڑکی کیلئے۔ رشتہ داروں کے سامنے سر بھی نیچا کرنا پڑا۔ مگر بالکل فضول بے مصرف

کچھ کام نہ آیا۔ کیا لڑکی فی الحقیقت ایسی ہی سبز قدم ہے۔ کہ جہاں پاؤں رکھتی ہے۔ آگ جل اُٹھتی ہے۔ کس بُری گھڑی میں اُس کا جنم ہوا تھا۔ دوسروں کے گلے پڑ کر رہنے کی مشق سے جو سب کچھ بھول گئی تھی۔ آج مالتی کی وجہ سے سب کچھ پھر تازہ ہو اُٹھا۔ شرم! کتنے شرم کی بات ہے۔ مالتی کے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ اُس کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔ مگر وہ تو بے بس و بے کس ہے! اہا! وہ تو بالکل الھڑ اور کمسن لڑکی ہے!! اُس کی طرف اگر نظر کی جائے۔ تو اس دنیا میں اُس کا دوسرا سہارا اور کہاں ہے۔ کہیں نہیں!!! تلاش کرنے پر بھی کہیں نہیں!!!

چاچی جی کا دل اسی طرح کے جذبات سے لبریز ہو رہا تھا۔ وہ مالتی کی بیکسانہ حالت پر دل ہی دل میں بہت دکھی ہوئی۔ اُدھر اُن کا غرور رنگ لا رہا تھا۔ اس کشمکش میں وہ یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ مالتی کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

اس زبردست اور وسیع کائنات کے درمیان کتنے دنوں سے وہ رد کردہ پریشان ہو چکی تھیں۔ مالتی کو لانے کے لیے ہری بہاری نے بہن کو اور بھتیجا چاریہ نے نوکشور کو جو خط لکھا تھا۔ چاچی جی اس سے ناواقف تھیں۔ ہری بہاری بالکل خلوت پسند اور کم گو شخص تھے۔ انہوں نے کسی سے اس بات کا تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مالتی کے آنے پر کسی قسم کا کوئی جھگڑا اُٹھ کھڑا ہو۔ اس خیال سے بھتیجا چاریہ نے بھی یہ بات پوشیدہ رکھی تھی۔ وہ صرف چاچی جی کو تسلی دیتے تھے ــــ ماں! کچھ فکر نہ کرو۔ جس میں بھلا ہو ایشور وہی کریں گے! انسان کوتاہ بین ہے۔ کسی معاملہ میں کیا سوچ سکتا ہے۔

فی الحقیقت چاچی جی غور و خوض کرنے پر بھی کوئی کنارہ نہ پاتی تھیں۔ وہ درد و غم سے پریشان ہو کر دیوتا کے چرنوں میں سر سجدہ ہو کر آنسو بہا کر کہتی تھیں ــــ بھگوان!! بس اب ناقابل برداشت ہے! کسی طرح سہا نہیں جاتا۔ دیوتا! رکشا کرو! رکشا کرو!!

ایک دن علی الصباح چاچی جی پوجا گھر میں بیٹھی ہوئی آنسوؤں سے ٹھاکر جی کی پوجا کر رہی تھی۔ اتنے میں دروازہ پر پالکی کے کہاروں کی تھکان آلود آواز سنائی دی۔

اندر جیسے شور مچ گیا۔ ایسے وقت میں بغیر اطلاع دیئے یکایک کون آگیا۔
جب خود مالکہ کو بھی اِس بات کی خبر نہیں۔ تو ضرور کوئی نہ کوئی اسرار ہے۔ لڑکے بچّے اور داسیاں وغیرہ دوڑتی ہوئی دیکھنے گئیں۔ بہوئیں دہلیز میں کھڑی ہوئیں گھونگھٹ کے اندر سے ہی دیکھتی ہوئیں طرح طرح کے ممکن اور غیر ممکن قیاس دوڑانے لگیں +

چاچی جی کسی میں نہیں ملیں۔ وہ پوجا گھر میں چپ چاپ دیوتا کی مورتی پر اپنی نظر جمائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ جو آیا ہے۔ کاش وہ مالتی ہو! ـــــ اس خیال سے انہیں خوشی بھی ہوتی تھی۔ اور خوف بھی معلوم ہوتا تھا۔ امید اور دُکھ یہ دونوں مل ملا کر اُس کے دل کو زور شور سے بلو رہے تھے۔ اُن کے دل کا ایک ایک حصّہ کانپنے لگا!

تمام کو دھکا دیکر روہنی سب سے آگے ڈیوڑھی میں دوڑ گئی۔ اُس نے جا کر دیکھا نوکشور کے پیچھے ایک زندہ مورتی جسے پیکرِ حسُن کہنا بجا ہے۔ اندر کی طرف آرہی ہے۔ روہنی خوف سے۔ تحیّر سے دنگ رہ گئی۔ جس میں اتنا حسُن ہے۔ کیا وہ انسان ہے؟
نوکشور نے ہنس کر کہا۔ ـــــ روہنی! تم اِس قدر متحیّر ہو کر کیا کہہ رہی ہو۔ یہ ہماری چاچی جی کی بہن کی لڑکی +

روہنی نے زور سے ایک سانس لیا۔ جیسے آتی ہوئی موت لوٹ گئی۔ اُف! یہ تو دیوی نہیں پری بھی نہیں۔ صرف یہی کیوں۔ میم بھی نہیں۔ چاچی جی کی بہن کی لڑکی مالتی ہے۔ ایک بالکل معمولی لڑکی ـــــ جس کے نام سے اتنے دنوں تک یہاں ایک زبردست ہلچل مچ گئی تھی۔ یہ وہی ہے ـــــ یہ خیال آتے ہی روہنی کا جسم کانپ اُٹھا۔ وہ کسی قدر مسکرا کر بولی ـــــ او ماں! سمجھ گئی یہی چاچی جی کی بہن کی لڑکی!! میں تو یہ سمجھی تھی۔ کہ دادا بابو نئی شادی کر کے میم لے آئے ہیں۔ ورنہ وہ سایہ کیوں پہنتی +

مالتی کا چہرہ شرم سے سُرخ ہو اُٹھا۔ اُس نے متحیّر نگاہوں سے ایک بار روہنی کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ روہنی کا یہ انداز اُسے اچھا نہ معلوم ہوا +
نوکشور نے روہنی کی طرف آنکھیں سُرخ کر کے تیز نگاہوں سے دیکھا۔ روہنی

روہنی کی تمسخر آمیز گفتگو نے مالتی کے دل میں رقت پیدا کر دی تھی۔ اس وقت سب کے اس لاپروائی کے سلوک سے اُس کے لئے آنسوؤں کا روکنا مشکل تر ہو گیا۔ اُس کے دل میں رہ رہ کر خیال آنے لگا ـــــ یہ کیا۔ میں کہاں آ گئی۔ سب کی لعنت اور ملامت برداشت کرتے ہوئے۔ یہاں کیونکر رہ سکونگی۔ اس طرح سب کی نگاہوں کے تیروں کی بارش دیکھکر کب تک شرمسار ہوتی رہوں گی! کیا کوئی اُسے محبت سے بلا کر اپنی صف میں نہیں بلائے گا؟ "وسی!" ـــ وہ کہاں ہیں +

نوکشور مالتی کی یہ حالت دیکھ کر ترحم آمیز نگاہوں سے آنسو بہا رہا تھا۔ اُسے پوشیدہ رکھنے کے لیئے مالتی نے اپنا سر جھکا لیا۔ اس ناواقف عورتوں کے مجمع کے درمیان صرف نوکشور کو اپنا خیر خواہ دیکھ کر جس قدر وہ اُمیدوں کے قلعے تعمیر کر رہی تھی۔ اُسی قدر اُس کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ رہ رہ کر دل میں یہی خیال آتا تھا۔ کہ اس بیگانہ مکان میں نوکشور کب تک پناہ دیگا۔ اسی غور و خوض سے بے چین ہو کر مالتی کی امیدیں نا اُمیدیوں سے مبدل ہو گئیں۔ جیسے وہ اپنے آپ کو ہر طرف سے روکنے میں کامیاب ہو رہی تھیں +

عین اسی وقت جیسے ونی نے اُسے مرتے ہوئے بچا لیا۔ وہ اب تک مالتی کے چہرے کی طرف دیکھتے دیکھتے حوصلے کے ساتھ آگے بڑھی۔ اور مالتی کا ہاتھ پکڑ کر متانت آمیز لہجے میں بولی ـــــ تم بھلی بی بی ہو۔ تم رکھا گھو گی؟ نہ

بحر تفکر میں ڈوبی ہوئی مالتی کو جیسے کنارہ ملا۔ اُس نے جلدی جلدی ونی کو گود میں اُٹھا لیا۔ اُس کا منہ چومتے ہی جیسے تمام فکر و افکار کا خاتمہ ہو گیا ـــ نسیم سحری کے نازک لمس سے صاف شفاف خوبصورت شیفالی کے پھول کی طرح آنسوؤں کی بوندیں جھر جھراتی ہوئیں زمین پر پڑنے لگیں۔ اس مکان کے کسی ایک شخص نے عزت کے ساتھ اپنا بنایا ہے۔ اُس کی تمام شرم و کدورت کے آنسو اس چھوٹی سی لڑکی نے پیار کے ساتھ پونچھ ڈالے +

مالتی جلدی جلدی آنکھوں کے آنسو آنچل سے پونچھ کر نوکشور کی طرف

تمام راگ رنگ بھولکر اندر بھاگ گئی - وہ اچھی طرح پہچانتی تھی!

روہنی کو واپس آتے دیکھکر سب نے ایک ساتھ ہی پوچھنا شروع کیا — کیوں روہنی! کون آیا ہے؟

روہنی اُس وقت چاچی جی کو خبر دیکر جلانے کے لیئے بے چین تھی - وہ دوڑتے دوڑتے کہتی گئی —— ہاں جی! ہماری چاچی جی کی بہن کی لڑکی سایہ پہنے ہوئے میم کی طرح آئی ہے ۔

نوکشور کے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے برآمدے میں آموجود ہوئی +

لڑکے بچے چاروں طرف سے نوکشور کو دیکھکر شور مچا رہے تھے - ونود نے کہا —— داداجی! تم تو آئے ۔ مگر بڑے دادا نہیں آئے .... اس بار تمہیں روز ایک قصہ سُنانا ہوگا ۔ مگر!

پانچو نے کہا —— ہاں وہی سات بھائی والے چمپا کا قصہ +

ونود نے بات کاٹ کر کہا —— نہیں! نہیں - وہ پُرانا قصہ ہے - وہ سونے اور چاندی والا قصہ - وہ راجپوتوں کا فقیر ہونا - اور گھوڑا سونے کا ہو جانے والا قصہ سُنانا ہوگا .... +

نوکشور نے ہنستے ہنستے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھُپا لیا - بولا - ہاں - ہاں - سب سُناؤں گا - اب اس وقت ذرا صبر کرو - کیا دیکھتے نہیں ہو - کہ تمہاری ایک نئی بی بی آئی ہے - وہ خوب قصے جانتی ہے +

جاؤ - اس کے ساتھ میل ملاپ کرو +

لڑکے بچے منتظر ہوکر ناواقف مہمان کی طرف چپ چاپ کھڑے ہوئے تکتے رہے + بہوئیں نوکشور کو دیکھکر لمبا گھونگھٹ نکالے ہوئے دو انگلیوں سے نظر بچاتے ہوئے مالتی کو دیکھ رہی تھیں - لڑکیاں بھی بے زبان بے ہلے جُلے ایک کنارے کھڑی ہوئیں اُسی طرف نظر جمائے ہوئے تھیں - کسی نے آگے قدم بڑھاکر مالتی کا خیر مقدم نہیں کیا +

باتیں کہنے کی تاکید کی ہے ....+

نوکشور بیٹے کا نام لیکر ماں کے دل کو نرم کرنے کی امید رکھتا تھا۔ جینتی نے ایکبار مالنی کی طرف تحیرانہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اب تک یہ نہ سوچ سکی تھی۔ کہ مبہم کو کس نام سے مخاطب کرے۔ اور وہ مبہم اُس کی بات کیسے سمجھ سکے گی۔ بالآخر جینتی نے اشاروں سے مالتی کو مخاطب کیا +

مالکہ نے آنکھیں لال کر کے جینتی سے کہا ــــ مرکھبخت! اُسے پوجا گھر میں لے جائے گی +

جینتی بدحواسی سے ایک بار مالکہ کی طرف۔ دوسری بار مالنی کی طرف۔ تیسری بار نوکشور کی طرف دیکھنے لگی +

نوکشور نے ہنسکر مالکہ سے کہا ــــ کیوں ماں! اگر وہ پوجا گھر میں گئی تو ہرج کیا ہے ؟ مالکہ نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ ہرج کیا ؟ ہر بری بھلی قوم کے لوگ کیا پوجا گھر میں جاتے ہیں ؟

ــــ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ تمہاری دیورانی کی بہن کی لڑکی ہے +

ــــ ہے تو ہونے دو۔ سایہ پہنتی ہے۔ ایشور جانے کب سے کرسٹان ہو گئی ہو +

نوکشور مالنی کی طرف دیکھ کر کسی قدر مسکرایا۔ اُس وقت مالنی کا چہرہ شرم اور بے عزتی سے سُرخ ہو اُٹھا تھا +

نوکشور نے مالکہ سے کہا ــــ وہ سایا تو نہیں ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا لہنگا ہے۔ شریفوں میں آجکل یہی پہنا جاتا ہے۔ بالخصوص کلکتے میں تو اسی کا رواج ہے۔ جو کپڑا تم پہنتی ہو۔ اُسی کپڑے سے ایک نئی تراش خراش کے ساتھ یہ بنا لیا جاتا ہے۔ کیا اس سے ذات چلی گئی۔ عجیب ذات ہے۔ اور اگر سایا پہننے سے ہی ذات جاتی ہے۔ تو تمہاری وِنی بھی تو پہنتی ہے۔ اُسے بھی برادری سے خارج کرو ـ مالکہ نے متعجب ہو کر کہا ــــ چھوٹی لڑکی اور بوڑھی عورت برابر ہو گئی +

متمکن نگاہوں سے دیکھا۔ نوکشور نے ایک گہرا سانس لیا۔ جیسے مرتے مرتے بچا۔ اُس نے کہا۔ یہ میری ونی ہے۔ اور یہ میری ماں ......+

ونی شاید مالتی کو چھو لے۔ اس خوف سے مالکہ جلدی جلدی اُسے پکڑنے آئی تھیں۔ اُن کے آنے سے پیشتر ہی مالتی نے اُسے اپنی گود میں اٹھا لیا تھا۔ یہ دیکھ کر مالکہ لکڑی کی طرح جم کر کھڑی ہو گئیں۔ مالتی نے اُنہیں پرنام کرنے اور چرنوں کی دھول لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پاؤں کے پاس ہی سانپ دیکھ کر انسان جیسے چونک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اُسی طرح پیچھے ہٹ کر بولیں — ٹھہر! ٹھہر! اب مجھے نہ چھو۔ ... . ونی گود سے اُتر آ۔ سنتی نہیں۔ تجھ سے ہی کہہ رہی ہوں۔ ناچنے گانے والی کمبخت گود میں چلی گئی جا رہنی جا! اس کے کپڑے اُتار کر دھو ڈال! .... کمبخت تجھے گود ہی میں جگہ ملی +

نوکشور یہ سلوک دیکھ کر دل ہی دل میں بہت کڑھا۔ دل کا درد دل ہی میں دبا کر رہ گیا۔ اس میں کیا شک کہ وہ اس وقت خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ اُس نے سوچا مالتی کو گر چاچی جی کو سونپ دوں۔ تو چھٹکارا مل سکتا ہے۔ بھرائی ہوئی آواز میں مالکہ سے پوچھا۔ ماں! چاچی جی کو دیکھتا ہوں۔ وہ کہاں ہے +

چھوٹی بہو کی کارسازی سے بغیر میری اطلاع اور اجازت کے مالتی یہاں آگئی ہے۔ اس میں انہیں کوئی شک نہ رہا۔ وہ اپنے غصہ کی آگ دل ہی دل میں کباب کی طرح بھنی جا رہی تھیں۔ نوکشور کا یہ سوال سُن کر کرخت لہجہ میں بولیں۔ کون جانے! تمہاری چاچی جی کہیں ہیں یا نہیں ہیں۔ وہ تو رانی ہے۔ ہم سب اُس کی داسی اور باندیاں ہیں۔ بڑوں کی بات بڑے ہی جانیں +

نوکشور نے —— اندازے سے چاروں طرف نظر ڈالی۔ جنتی نے کہا —— چاچی جی پوجا گھر میں ہیں +

نوکشور نے فوراً خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ جنتی! انہیں لے جا۔ چاچی جی کے پاس پہنچا۔ میں تب تک ماں کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں .... میں نے ماں سے بہت سی

نوکشور نے ہنسکر کہا ــــــ تم ذات پات کے جھگڑے میں گرفتار ہو۔ یہ ہیں تسلیم کرتا ہوں ۔ مگر دیکھ رہا ہوں ۔ تمہارے دیوتا بھی ذات پات کا جھگڑا رکھتے ہیں ۔ تم لوگوں کی طرح جو چند لوگ اس جھگڑے میں پڑے ہیں ۔ صرف وہی دیوتا ہیں ۔ کیا وہ اور کسی کے دیوتا نہیں ہیں ۔ تم تو بات بات میں یہی کہتے ہو ۔ کہ دیوتا ہنت پاون ہیں +

مالکہ نوکشور کی دلیلوں کے سامنے شکست کھاکر ۔ ہاتھ منہ بناکر بولی ۔ تجھ جگر میں آگیا ۔ ہنت پاون ہیں ۔ کیا اسی وجہ سے اچھوت ان کی پوجا کریں گے ۔ اس کا چاند جیسا منہ دیکھ کر سر پر چڑھا کر ناچ رہے ہو ۔ اس لئے کیا ہم بھی اپنی ذات کو دین یا دیوتا کو ناپاک کر دیں ۔ لکھنا پڑھنا سیکھ کر تو کیا بن گیا ہے ۔ ذرا دیکھ تو سہی ! شاستروں میں کیا لکھا ہے ۔ کہ میلا ہوا کپڑا پہن کر پوجا نہیں کی جاتی ۔ ورنہ درزی مسلمان کیوں ہوتے +

ــــــ نہیں ماں ! تمہارے شاستروں کی مجھے خبر نہیں ۔ مگر یہ میں پنڈتوں کو دیکھا ہے ۔ کہ وہ روئی دار کپڑے پہن کر پوجا کرتے ہیں ۔ اس موقع پر منہ سے بات نہیں نکلتی ؟

ــــــ تیرے بخت کے پنڈتوں اور ہم میں کیا کیا فرق نہیں ۔ نوکشور ! تجھے عقل کب آئے گی ۔ بس معلوم ہو گیا ۔ کہ تیری ذات سے اتنے بڑے بھٹا چاریہ خاندان کا نام ڈوب جائیگا +

نوکشور نے دیکھا ۔ اس بحث مباحثہ کا انجام نہیں ۔ اُدھر مالتی شاخ سے گرے ہوئے پھول کی طرح بالکل بے سہارے کھڑی تھی ۔ اس وجہ سے نوکشور نے ہنس کر کہا ــــــ اس سے زیادہ تمہارے نوکشور میں عقل و تمیز نہیں آئے گی ۔ بس اب اور زیادہ امید نہ رکھو ۔ مالتی ابھی کمسن ہے ۔ اگر اُسے گوبر وغیرہ کھلا کر کسی طرح شُدھ کر سکو تو اُس سے تمہاری نیکنامی بھی ہوگی ۔ اور پُنیہ بھی ہوگا ۔ اُس کا تمام بار تو تمہیں کو لینا پڑیگا چاچی جی تو اُسے بلانا ہی نہیں چاہتی تھیں ۔ تمہارا نام سُنکر ہی وہ غریب تمہاری پناہ میں آئی ہے +

یہ تملق آمیز گفتگو سنکر مالکہ پھولی نہ سمائیں۔ اُنھوں نے کہا ——— تو جب آگئی ہے۔ تو کیا میں اُسے نکال دونگی۔ مگر بیٹا! تم سے کہے رکھتی ہوں۔ کہ تمہیں یہ بے دھرمی کی چال ڈھال چھوڑنی ہوگی۔ یہ نہیں کرونگی۔ وہ نہیں کروں گی۔ رام! رام!! بدھوا عورت کے ویسے خیالات! چھی! ......چھوٹی بہو کی عقل پر قربان جاؤں۔ غریب لڑکی ایک پہر سے آکر کھڑی ہے۔ ایک دفعہ بھی تو جھانک کر نہیں دیکھا۔ خبر تک نہ لی۔ چھوٹی بہو! او چھوٹی بہو!! ......۔

چاچی جی کو پوجا گھر میں ہی پتہ لگ گیا تھا۔ کہ مالتی آگئی ہے وہ اپنے آنسوؤں کے سیلاب کو روک کر اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اتنے میں روہنی نے طعنہ آمیز لہجہ میں کہا ——— ہاں جی چاچی جی!! تمہاری سایا پہننے والی میم آگئی ہے۔ آؤ ——— دیکھو۔

چاچی جی آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھی رہیں۔ روہنی کی بات کا کوئی جواب دیا۔ روہنی جھنجھلا کر واپس جا رہی تھی۔ راستے میں مالکہ سے سامنا ہوگیا۔ مالکہ نے پوچھا ——— اری روہنی! چھوٹی بہو کہاں ہے؟

روہنی نے چاچی جی کی نقل اتار کر کہا۔ پوجا گھر میں آنکھیں بند کئے ہوئے دھیان کر رہی ہیں۔ میں نے کہا مالتی آئی ہے۔ اُن کے کان تک یہہ بات پہنچی ہی نہیں۔

مالکہ نے پوجا گھر میں جا کر آواز دی ——— چھوٹی بہو!

چاچی جی نے دیوتا کے چرنوں میں پرنام کیا۔ اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آبدیدہ نگاہوں سے مالکہ کی طرف دیکھا۔

چاچی جی کی یہ حالت دیکھکر مالکہ کا دل بھر آیا۔ وہ رقت آمیز لہجے میں بولی ——— چھوٹی بہو روتی کیوں ہو؟ بے ماں باپ کی لڑکی آئی ہے۔ اُسے دیکھو۔ سنو آؤ! آؤ!! باہر آؤ! ......۔

کسی طرح اپنے آپ پر جبر کر کے اور آنسوؤں کو روکتی ہوئی چاچی جی نے کہا ———

دیدی! میں دیوتا کے مندر میں کھڑی ہو کر کہتی ہوں۔ میں نے اُسے نہیں بُلایا۔ مجھے بھولکر بھی امید نہیں تھی۔ کہ وہ آئیگی۔ وہ تمہاری پناہ میں آئی ہے۔ تم ہی اُس کی ماں موسی ہو۔ تمہیں اُسے دیکھوگی +

مالکہ نے طمانیت بخش لہجے میں کہا ـــــــ ہاں میں بہر طور اُس کی نگرانی کروں گی تاہم تمہارا فرض ہے۔ کہ تم اُس کا خیر مقدم کرو.......... مگر چھوٹی بہو! میں ابھی سے خبردار کئے دیتی ہوں۔ کہ اس گھر میں کوئی بُرا طور طریق نہ آنے پائے +

چاچی جی اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ وہ مالکہ کے پیچھے پیچھے باہر آئیں۔ دیکھا۔ نوکشور کے پیچھے ایک نہایت حسین نوخیز نازنین کھڑی ہوئی ہے۔ یہی پیکر حسن اُس کی بہن کی لڑکی ہے۔ کیسا دلپذیر حسن! بڑی بڑی بادۂ شباب سے سرشار آنکھیں۔ شرم سے جیسے نیچے جھکی پڑتی تھیں۔ سُرخ سُرخ رخساروں پر حیا کا ملاحت بار عکس شباب کی سُرخی سے ہم آغوش ہو رہا تھا۔ نیچے سایہ پہنے ہوئے تھی۔ اوپر دھوتی گھونگھٹ برلئے نام۔ سیاہ ریشم کی طرح بالوں کی لٹیں تھیں۔ پیشانی سے ہوتی ہوئی سینہ پر کالی ناگن کی طرح لہرا رہی تھیں۔ سونے کی بھینسی ہوئی چوڑیاں کلائی سے ہم آغوش ہو رہی تھیں +

یہ سب دیکھ سُنکر چاچی جی کا دل مالتی کی طرف سے مکدّر ہو گیا۔ غریب کی لڑکی میں اتنا حسن کیوں؟ اور اتنے ہار سنگار کی کیا ضرورت۔ مگر اُنھوں نے یہ ایک مرتبہ بھی نہ سوچا۔ کہ غریب مالتی کا اس میں کیا قصور ـــــــ غریب بنگالی بدھو سمجھ کر بدھاتا نے اُسے اتنا حسن اور جوبن دیتے وقت کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ اور مالتی کے ماں باپ اپنی اکلوتی بیٹی کو دل کھول کر رنگ برنگا لباس نہ پہنا سکے۔ مالتی اپنی عادت کے بموجب اس حالت میں یہاں آموجود ہوئی۔ اُس کی یہ شکل دیکھ کر کوئی کڑھیگا یا جلیگا۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا +

جب نوکشور پرنام کر کے چلا گیا۔ تو مالتی نے موسی کے چرنوں میں اپنا سر نہیں جھکایا۔ بلکہ ہاتھ جوڑ دیئے۔ لڑکی کی یہ بدتہذیبی اور بیجا غرور دیکھ کر چاچی جی کا دل اور

مکدّر ہو گیا۔ اُنہوں نے صاف لہجے میں لاپروائی سے کہا ـــــ آؤ!

(۸)

مالتی چاچی جی کے کمرے میں جا کر بولی ـــــ موسی! مجھے ایک کپڑا تو دو ۔

ـــــ اس وقت کپڑا کیا کرے گی؟ نہلانے گی نہیں؟

ـــــ نہاؤں گی تو غسل خانہ کدھر ہے؟

ـــــ یہ کیا کلکتہ ہے۔ کہ یہاں گھر میں نل لگے ہیں۔ یہاں ایسے بھی تو مکان نہیں ہیں۔ کہ جن میں تالاب ہوں ۔

مالتی اس مکان میں آنے کے بعد اس فقرے پر کسی قدر مسکرائی۔ مگر اس مسکراہٹ کو دبا کر بولی ـــــ تالاب نہیں تو نہ سہی۔ گھر بار کھنے کا کمرہ تو ہے ۔

ـــــ چل تالاب دکھا دوں۔ تالاب سے پانی آیا تو ہے۔ مگر بہت دیر ہوئی ۔

ـــــ نہیں موسی! میں نوکروں۔ چاکروں کے سامنے تالاب میں نہیں نہا سکونگی ۔

ـــــ اگر تالاب میں نہ نہائیگی۔ تو تجھے پانی کون لا دے گا۔ جو تیری موسی کے ہاں نوکر تو نہیں بیٹھے ہیں ۔

ـــــ مجھے تالاب دکھا دو۔ میں خود ہی پانی بھر لاؤں گی ۔

چاچی جی نے متحیّر ہو کر کہا ـــــ تو پانی بھرے گی۔ کیا کہتی ہے؟

ـــــ تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ جب نوکر نہیں ہے۔ تو اپنا کام کرنے میں شرم کیسی؟

چاچی جی نے زور سے سر ہلا کر کہا ـــــ نہیں! نہیں!! وہ سب چھوٹے چھوٹے کام کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہ زمیندار کا مکان ہے۔ یہاں کے آداب و آئین کی پابندی تجھے کرنی ہوگی۔ جہاں تک تیرے لئے میرا سر نیچا ہوگا ۔

مالتی نے ہنسکر کہا ـــــ اس زمینداری کے عجیب آداب و آئین دیکھ رہی ہوں۔ مردوں کے سامنے نہانے میں تو شرم نہیں۔ مگر پانی لانے میں بیعزّتی ۔

مالتی کی ہنسی اور پنڈتائی دیکھ کر چاچی جی کے جسم میں آگ لگ گئی۔ روکھے پن سے بولیں ــــ ابھی گھڑی بھر بھی تجھے آئے نہیں ہوا۔ اور چلانا شروع کر دیا تیس دن اور بارہ مہینے تجھے لیکر میں کیونکر رہ سکونگی +

پھر وہی جلانے والی ہنسی ہنسکر مالتی نے کہا۔ اس کے لئے کچھ فکر نہ کرو۔ چند دن ساتھ رہنے سے ہی میں بھی تمہاری طرح ہو جاؤں گی۔ اور تمہارے آداب و آئین کی خوگر بھی ہو جاؤں گی +

مالتی کی اس بات سے چاچی جی اور بھی جل اُٹھیں۔ جب مالتی سمجھ گئی۔ کہ وہ ناراض ہو گئی ہیں۔ تو اُس نے کہا ــــ توموسی جی! مجھے ایک کپڑا دیدو۔ گھاٹ سے بھیگے ہوئے کپڑے پہن کر میں کسی طرح نہ آسکوں گی +

یہ بات سُن کر چاچی جی نے کسی قدر نرم ہو کر کہا ــــ صندوق کی چابی دے کپڑے نکال دوں +

ــــ میرے صندوق میں تمام دھوتیاں کنارے دار ہیں۔ کنارے دار دھوتی میں اب نہیں پہنوں گی۔ موسی جی! تم کوئی سادہ کپڑا دیدو +

چاچی جی خشک ہو کر کپڑا لینے گئیں۔ مالتی نے ہاتھوں کی چوڑیاں نکال کر صندوق میں رکھ دیں +

Beauty needs no ornament

بدھوا کے لباس میں مالتی کا حسن اور بھی دلفریب نظر آنے لگا۔ ایشور نے جسے قدرتی حسن سے مزین کیا ہے۔ اُسے بناؤ سنگار کی کیا حاجت +

نہانے کھانے کے بعد چاچی جی نے مالتی سے کہا۔ جا! رانی جی کے پاس بیٹھ تجھے ہمیشہ اُنہیں کی خدمت کا دم بھرتا ہوگا۔ سمجھی!

مالکہ کے حکم کی تعمیل میں مالتی روانہ ہوئی +

مالکہ کھا پی کر آرام کر رہی تھی۔ رومنی اور ننتو کی ماں پاؤں دبا رہی تھیں۔ بستر کے ایک کنارے بیٹھے ہوئے۔ ونود و روتی اکڑ کی مکڑی کھیل رہے تھے۔ مالکہ چپ چاپ پڑی ہوئی دونوں کا یہ بے معنی کھیل دیکھ رہی تھی +

یکایک مالتی نظروں کے سامنے آئی۔ مالکہ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ اُنہوں نے نگاہیں نیچی کرلیں +

مالتی مالکہ کے پاؤں دبانے کی غرض سے روہنی کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی۔ مگر رانی جی یکایک ہاں۔ ہاں کرکے جلدی سے اُٹھ بیٹھیں۔ مالتی سہم کر چاروں طرف دیکھنے لگی +

رانی جی نے کہا یہ کپڑے پہنے ہوئے بستر نہ چھونا +

مالتی نے چونک کر کہا ـــــ موسی جی! یہ کپڑا تو پاک ہے۔ یہ میرا کپڑا نہیں ہے۔ موسی جی نے دیا ہے +

ـــــ دُھلے ہوئے کپڑے سے کیا ہونا ہے۔ سایا تو پہنے ہو۔ سایا پہنے ہوئے تم ہماری کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے سے ہی بتا رکھتی ہوں +

مالتی کا سر جیسے چکرا اُٹھا۔ ٹھہرنا اور جانا۔ دونوں اُس کے لئے مشکل ہو گیا۔ مالتی چُپ چاپ تھوڑی دیر کے لئے کھڑی رہی۔ اس کے بعد کمرے سے باہر چلی گئی۔ رانی جی نے ایک بات بھی نہیں کہی۔ روہنی مزے کی خوشبو پاکر مالتی کے پیچھے ہولی +

ایک کمرے میں چینتی۔ دامنی۔ پانچو کی ماں۔ جیا وغیرہ اور کئی عورتیں ایک قالین بچھائے ہوئے چوپڑ کھیل رہی تھیں۔ یہ تمام کی تمام زمیندار مہلت نشے کے ہاں رہتی تھیں۔ کسی کے ساتھ کوئی معمولی تعلق تھا۔ اور بعض بعض ایسی بھی تھیں۔ جن کے ساتھ کوئی رشتہ نہ تھا۔ مگر سب کی سب سہاگن تھیں۔ صرف جیا بدھوا تھی بے کس اور بے بس بدھوا دیکھ کر ہری بہاری نے جب اُسے محل میں پناہ دی تھی اُس وقت رانی جی نے بہت شور شر مچایا تھا۔ مگر اب ہر بات کی خوگر ہو گئی تھی۔ بہن اب تک اُسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ دیگر عورتیں کوئی مالکہ کے باپ کے گھر کے رشتہ داروں میں سے تھیں۔ کوئی سسرال کے۔ اُن کے شوہر زمیندار کی سرکار میں گماشتے تھے۔ اور بعض بعض نشہ پانی میں شریک ہوکر تمام دن خوش گپیاں کرتے رہتے تھے!!

مالتی اُسی کمرے کے سامنے سے جارہی تھی۔ اُسے جاتے دیکھ کر جیانتی نے کہا۔ بوا جیا! یہ دیکھو! وہ مالتی چھوکری جارہی ہے۔ اُسے ذرا پکارو تو سہی +

جیا نے آواز دی مالتی! اگر کوئی ہرج نہ ہو۔ تو اپنے قدموں کی خاک ذرا ہمیں بھی دیتی جاؤ +

مالتی نے چاند کی طرح صفاف شفاف مگر طراوت خیز کرنوں سے اپنے ہر چہار طرف ضیاء حُسن سے جگمگاہٹ پیدا کرکے چُپ چاپ دلاویزانہ چال سے آہستہ آہستہ اُس کمرے کی طرف قدم بڑھایا۔ بہوئیں جلدی جلدی گھونگھٹ نکال کر ہاتھ کی کوڑیاں پھینک کر جم کر بیٹھ گئیں۔ لڑکیاں بھی متحیر ہو کر مالتی کی طرف دیکھتے ہوئے ——کرنے لگیں + اپنی طرف مشکوک نگاہوں سے سب کو دیکھ کر مالتی کو ہنسی آگئی۔ سب کو خاموش دیکھ کر مالتی نے کہا —— بھائی تم سب کھیلتی کیوں نہیں۔ مجھ سے اس قدر شرمانے سے کام نہیں چلیگا۔ میں بھی تو تم ہی لوگوں میں سے ایک ہوں +

کسی نے جواب نہیں دیا۔ صرف جیا نے کہا —— بیٹھو!

مالتی زمین پر بیٹھ گئی۔ جیا نے کہا —— وہاں کیوں؟ آؤ! اس قالین پر بیٹھو +

مالتی نے ہنسکر کہا —— ہیں۔ میں آرام سے بیٹھی ہوں۔ میں حقیر ہوں کہیں تمہیں چھوت نہ لگ جائے +

آدمی کو انسان حقیر سمجھتا ہے۔ مگر جب وہ خود کسی غلطی کا شکار ہوتا ہے۔ تو تمام مظالم بھول جاتا ہے۔ اُس وقت انسانی دھرم سماج دھرم سے بھی کہیں فروں تر معلوم ہوتا ہے۔ جیا مالتی کی بات سنکر شرما کر بولی۔ نہیں۔ نہیں۔ قالین میں چھوت پاک کی کیا علامت ہے —— چندن کی لکڑی اور ہاتھی کی سواری میں کوئی چھوت نہیں +

مالتی نے ہنس کر کہا۔ شاستر کی یہ باتیں کیا ٹھیک ہیں۔ ادھر اجازت بھی دیتے ہیں۔ ادھر منع بھی کرتے ہیں۔ کسے صحیح تسلیم کیا جائے؟ ضرورت ہی کیا ہے۔ میں یہیں بھلی ہوں۔ تم لوگ کھیلو۔ میں دیکھتی ہوں +

جینتی نے کہا:۔ آؤ تم بھی کھیلو نہ!

—— میں کھیلنا نہیں جانتی +

—— صرف پڑھنا ہی جانتی ہو؟

—— ہاں! صرف یہی سیکھا ہے۔ اگر تم سکھا دو گی۔ تو کھیلنے بھی لگونگی +

پانچو کی ماں نے دو ہات گھونگھٹ نکالکر دامنی کے کان میں دبی آواز سے کہا۔

او ماں! کتنے شرم کی بات ہے۔ عورتوں کا لکھنا پڑھنا کہاں تک درست ہے۔ اسی وجہ سے تو بدھوا ہو جاتی ہیں۔ اپنا سب کچھ خاک و خون میں ملا کر اب دوسرے کے گھر قدم رکھا ہے۔ عورتوں کا اتنا حوصلہ .... اچھا ذرا پوچھو تو سہی۔ گانا گا سکتی ہیں؟

مالتی نے ہنسکر کہا:۔ تم خود کیوں نہیں پوچھتیں۔ میں تو تمہاری ہمعصر ہوں۔ میرے ساتھ بات چیت میں اتنی شرم!

پانچو کی ماں نے منہ پھیر کر حقارت آمیز لہجہ میں کہا:۔ اُن کی طرح بے حیا تو نہیں ہوں +

دامنی نے ان فضولیات کو فرو کرنے کے لئے جلدی جلدی کہا:۔ بھائی! تم گانا گا سکتی ہو؟

مالتی کی ہنسی مایوسی اور تفکر میں مبدل ہو چکی تھی۔ بولی۔ ہاں! کسی قدر گا سکتی ہوں +

جینتی نے گالوں پر ہات رکھکر آنکھیں بنا کر کہا—— او ماں! دیکھتی ہوں تم کرستان ہو +

—— کیوں کرستان کیسے ہوئی؟ کیا تم شادی کے گھر میں نہیں گاتیں؟

جینتی نے گال پھلا کر کہا:۔ شادی کے گھر کی بات اور ہے۔ اور سنو قلبی کا گانا اور ہے۔ کیا دونوں میں کوئی فرق نہیں؟ .... اچھا! تم مردوں کے گلے میں ہات ڈالکر ناچتی بھی ہو؟

مالتی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ کمرے سے باہر نکل کھڑی ہوئی۔
مالتی نے ابھی چوکھٹ سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ کہ سب کی سب ساتھ ہی ہنسنے لگیں۔ جیسے زندگی میں انہوں نے اس قسم کا شخص اور کوئی دیکھا ہی نہیں تھا۔
پانچو کی ماں نے گھونگھٹ اٹھا کر کہا:۔ واہ اچھی لڑکی ہے۔ اس قدر دماغ!

جینتی نے کہا:۔ حسن کا دماغ ہے۔ خوبصورتی پر غرہ۔ شاید اس حسن پر پردہ پڑ جائے۔ اس خیال سے گھونگھٹ بھی نہیں نکالتی۔ جیسے دنیا میں اور کوئی حسین ہی نہیں!

جیا نے تمکنت آمیز لہجہ میں کہا۔ حسن ہی کا تو دنیا میں بازار گرم ہے۔
دامنی اب تک چپ چاپ بیٹھی ہوئی سب کی باتیں سن رہی تھی۔ مالتی کا خوبصورت چہرہ جو کسم کے پھولوں کی طرح ابھی شفق پذیر آب و تاب دکھا رہا تھا۔ شاید اس تصویر صاف میں آب و تاب کی زریں شعاعوں سے گلکاریاں کی گئی تھیں۔ بڑی بڑی آنکھوں نے جیسے خوابیدہ حسن کو بیدار کر کے اس میں ایک تھرتھراہٹ پیدا کر دی تھی۔ مالتی کا یہ حسن برق سوز دیکھکر تمام عورتیں دل ہی دل میں شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔ اپنی خوبصورتی کی کمی تیر بن کر ان کے دل میں چبھنے لگی۔ وہ دل ہی دل میں مالتی کا مضحکہ اڑانے کے لئے بے قرار ہو اٹھیں۔ دامنی ان سب میں دیکھنے میں بری نہ تھی۔ اسی وجہ سے مالتی کے حسن سے انکار کرنے کا اسے حوصلہ نہ ہوا۔ بولی۔ بھائی! تم لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہو۔ مگر اس کا حسن قابل دید ہے۔ لڑکی کیا ہے۔ گویا حسن وجمال کا ایک سانچہ ہے! ایسا دودھ اور بہار ملا ہموار رنگ کبھی نظر سے گذرا ہی نہیں۔ گال میں چٹکی لینے سے شاید خون کا فوارہ جاری ہو جائے!

پانچو کی ماں نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا:۔ دُر! تو جیسی بیوقوف ہے۔ دنیا میں شاید ایسا کوئی نہ ہوگا........ گالوں میں رنگ مل لیا ہے...... کیا تو نے دیکھا ہے۔ کہ ہنی کے ان پراسن کے موقعہ پر بنگال ٹھٹھر آیا تھا۔ جس عورت نے اسمیں

رادھکا کا پارٹ کیا تھا۔ وہ کتنی خوبصورت نظر آتی تھی۔ جب دن کے وقت اندر ٹہل رہی تھی۔ اُس وقت میری بھی نظر پڑ گئی۔ او ماں! وہ کس قدر سیاہ تھی! پچاس برس کی بڑھیا۔ خیال آتے ہی نفرت معلوم ہونے لگتی تھی +

پانچو کی ماں کی بات کاٹ کر دامنی نے کہا —— ہو! خواہ تم کچھ ہی کہو۔ رنگ میں پوڈر وغیرہ سے خواہ دلکشی آ جائے۔ ساخت اور خط و خال میں تو تبدیلی نہیں پیدا کی جا سکتی۔ کتنی بے عیب اور دل آویز ساخت ہے!

پانچو کی ماں نے منہ بنا کر کہا —— خاک ساخت ہے۔ اس طرح بن سنور کر تو ہم سب بھی اچھی معلوم ہو سکتی ہیں!

جمنا نے کہا —— ہا لالہ ہے دامنی! تو بھی تو بتا! لڑکی کیسی ہے؟ دونوں آنکھیں تو بادۂ غرور سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچا ہی کھا جائیگی...... +

جیمنتی نے کہا۔ ناک تو سروپ نکھا کی طرح آدھ ہاتھ لمبا...... +

پانچو کی ماں نے جلن کر دامنی کی طرف اشارے سے کہا۔ سب اُس میں عیب ہی عیب ہیں +

مالتی عیوب کا مجموعہ ہے۔ یونہی اپنے آپ کو خوبصورت خیال کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک باقی نہ رہا۔ اُس وقت دامنی نے وہ ذکر دبانے کے لئے کہا۔ ایکدن مالتی کا گانا سُننا چاہئے +

پانچو کی ماں نے کہا —— ہرج ہی کیا ہے! وہ تو گانے کے لئے ہر وقت تیار ہی رہتی ہے۔ اُس کی حالت تو اُس شخص سے مشابہ ہے۔ جس سے محض تکلف کے طور پر پوچھا جائے۔ کھانا کھاؤ گے؟ اور وہ ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو جائے...... جیمنتی جانہ بھائی! ذرا مالتی کو پکڑ تو لا!

—— کیا وہ بُلانے سے آ جائے گی؟ اس سے تو بہتر یہی ہے۔ کہ ہم سب ہی اُس کے پاس چلیں +

—— وہاں اگر چاچی جی موجود ہوئیں؟

—— اس وقت چاچی جی کہاں سے آجائیں گی؟ وہ تو اس وقت پوجا گھر میں مالا پھیر رہی ہونگی +

اُسی وقت سب مل ملا کر مالتی کی تلاش میں چلیں +

مالتی اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی جن کے سلوک کی باتیں سوچ رہی تھی۔ وہیں مل ملا کر آپہنچیں۔ وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھی۔ اُن لوگوں کی طرف مایوسانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا +

جینتی نے کہا:- بھائی! تم ہم لوگوں سے ناراض ہو کر چلی آئی ہو۔ اسی وجہ سے ہم سب اپنے قصور کی تلافی کرنے آئے ہیں +

مالتی نے —— نگاہوں سے اُن لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا —— جانے دو! بھائی ایسی باتیں نہ کرو! مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو بالکل حقیر ہوں۔ مجھے کسی قسم کی ناراضگی تو نہیں +

دامنی نے ہنس کر کہا:- اچھا۔ تجھے اُس وقت یقین آئیگا۔ جب تم ایک گانا سناؤ گی +

مالتی بہت مشکل میں پڑی۔ ان لوگوں کے سامنے اُسے گانے کی خواہش بھی نہ تھی۔ اور بغیر گائے بھی چھٹکارا نہیں تھا۔ کسی قدر غور و خوض کے بعد مالتی نے کہا:-

—— میرا گانا تمہیں اچھا نہیں لگیگا۔ بالآخر تم مجھ پر مضحکہ اُڑاؤ گی +

جینتی نے کہا:—— نہیں! نہیں! مضحکہ کیوں اُڑاؤں گی۔ تمہیں گانا ہی ہوگا۔

مالتی شرما کر بولی! گانے کی بات جانے دو۔ اُس کمرے میں چاچی جی لیٹی ہوئی ہیں۔ وہ سن لیں گی تو کیا کہیں گی...... +

جینتی نے کہا:- نہیں! نہیں! تمہارا یہ حیلہ حوالہ تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ چاچی جی کہاں ہیں؟ تین بجے سے پیشتر تو وہ آنے والی نہیں۔ مالکہ اس وقت سو رہی ہونگی اور ہم لوگ دروازہ بند کر دیں گی...... +

مالتی آج ہی اس گھر میں آئی تھی۔ اس مکان کی جو قدیم رہنے والی ہے اُنہوں نے

اس کی آؤ بھگت نہ کی ۔ واقفیت تک نہ پیدا کی ۔ ایک معمولی شرارت کی بات تک بھی نہ نکالی ۔ اور وہی سب عدم واقفیت کی حالت میں بھی بغیر کسی تمہید کے مالتی سے گانے پر مصر ہو رہی ہیں ۔ کیا عجیب بات ہے ! مالتی کو وہ کٹھ پتلی سمجھ رہی ہیں ! یہ خیال آتے ہی وہ دل ہی دل میں بہت محجوب ہوئی ۔ جھنجھلائی ہوئی بھی ۔ گانا گانے کی اُسے ذرا بھی خواہش نہیں تھی +

مالتی کچھ دیر خاموش رہکر بولی :۔ چونکہ تم لوگ بہت اصرار کر رہے ہو ۔ اس واسطے مجھے مجبوراً گانا پڑا ۔ مگر بار بار مجبور نہ کرنا +

جیا نے کہا :۔ پہلے ایک تو سناؤ ! اس کے بعد پھر دیکھا جائیگا +

مالتی نے سر جھکا کر دھیمے سروں میں گانا شروع کیا +

. . . .

. . . .

مالتی کے دل کی تمام عرض معروض اس گیت سے مورتی کی شکل میں صفحہ دل پر منقش ہو گئی ۔ اس کے دلکش گلے کا تپتے ہوئے ترنم آمیز جھنکار نے تمام کمرہ کو اپنے آپ میں ملا لیا ۔ سب کی سب دم بھر کے لئے بے زبان اور دم بخود رہ گئیں +

بہت دیر بعد ایک گہرا سانس لیکر دامنی نے کہا —— واہ ! بھائی تمہارا گلا کتنا اچھا ہے ۔ آواز میں کس قدر لوچ ہے +

اس کے بعد ایک ایک کر کے سب نے قفل سکوت توڑا ۔ جیلنتی نے کہا ۔ ہاں گلا تو بہت اچھا ہے ۔ مگر گیت فضول سا تھا ۔ مشکل الفاظ کی بھرمار ہے ۔ ندھو بابو ۔ یا گوپال اُڑیا کا کوئی ٹھمری پٹہ آیا نہیں سنا سکتیں ۔ کوئی چلتی چیز سناؤ ۔ وعظ کی ضرورت نہیں +

پانچو کی ماں بولیں —— ہاں ! ہاں ! ذرا وہ گانا تو سناؤ ۔ وہ تو بہت اچھا ہے ۔ اُف بھول گئی ۔ ہر چند سوچنے پر بھی یاد نہیں آتا —— جیلنتی ! ذرا تو یاد دلا دے ۔ وہ جو بالی جی وغیرہ نے گایا تھا . . . . . +

جیلنتی نے کہا :۔ کون سا ؟ وہی +

پانچو کی ماں نے آنکھیں مٹکا کر مسکراتے ہوئے بات ہٹا کر کہا:— ہاں! ہاں! یہی —— ؟

مالتی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے متانت سے گردن ہلا کر کہا — ایسے گانے ہمیں نہیں معلوم ؛

دامنی نے کہا۔ اچھا! جو تمہیں آتا ہو۔ وہی سُنا دو ؛

مالتی نے پُر یقین لہجہ میں کہا:— میں نے تم سے پہلے ہی کہدیا ہے۔ کہ میں نہیں گاؤنگی ؛

جیا نے کہا:۔ تم نے بھی کیا رام چندر جی کی طرح کمان توڑنے کا عہد کر لیا ہے ؛

جینتی نے کہا:۔ کیوں جی! غرور ہو گیا کیا ؟

پانچو کی ماں نے کہا:۔ اُس دن کلکتہ سے جو بائی جی آئی تھیں۔ اُن سے تو ہم لوگ جو فرمایش کرتی تھیں۔ وہ وہی گاتی تھیں۔ میں کہتی ہوں۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے گا۔ اُن میں سے ایک کی شکل ہو بہو مالتی کی طرح تھی۔ اُس کے گال پر بھی تل تھا۔ کیوں جینتی! ٹھیک ہے نہ ؟ ......

مالتی کی آنکھوں میں حقارت سے آنسو آ گئے۔ اُس کے عضو عضو جیسے ناپاک مقام میں پہنچکر جھجک اُٹھا۔ وہ فوراً کمرے سے باہر ہو گئی ؛

جینتی او۔ پانچو کی ماں نے کتنا ہی پکارا۔ مالتی نے ایکبار بھی پھر کر نہیں دیکھا۔

پانچو کی ماں نے ناک سکوڑ کر کہا:۔ چھوکری کا غرور دیکھتی ہو۔ اگر اپنا کوئی سہارا ہوتا۔ تو ایک بات بھی تھی ؛

جیا نے کہا:۔ چھوٹے بابو کو نہیں دیکھتی ہو۔ اُنہوں نے بیوہ کالی تارا کو اپنے گھر میں ڈال رکھا ہے۔ اگر کوئی ذرا بھی کچھ کہے۔ تو چھوٹے بابو کتنا بگڑتے ہیں ؛

پانچو کی ماں نے کہا:۔ ہاں جیا موسی! کالی تارا کے لڑکا ہونے والا ہے۔ اللہ! کیسے نفرت کی بات ہے۔ رام رام!

جینتی نے کہا:۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ نوارن مکرجی اور کالی تارا کے خاندان نے چھوٹے

بابو کو یہ صلاح دی ہے۔ کہ کسی طرح حمل چھُڑا ڈالا جائے۔ مگر کالی تارا کسی طرح راضی نہیں ہوئی +

دامنی نے ترحم آمیز لہجہ میں کہا۔ دیدی! ایسے بیرحم کاموں کے لیے کیا انسان بخوشی و خاطر راضی ہوتا ہے۔ ابھی تک تمہیں اس کا درد معلوم نہیں۔ جب حمل ہوگا۔ اُس وقت پتہ لگیگا +

یہ باتیں سنکر سب کے دل ہمدردی سے بھر گئے۔ انہیں خیال آیا۔ کہ ہم سب بھی عورت ہیں۔ تھوڑی دیر تک کسی کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی +

پابچو کی ماں نے یکایک اُس سکوت کو توڑ کر کہا۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر کسی نہ کسی طرح چھوٹے بابو جیسے ذی حیثیت شخص کی عزت رکھنی چاہیئے +

جیا نے کہا۔ اسی وجہ سے تو چھوٹے بابو نے کہا تھا۔ کہ اگر کالی تارا نے اُن کی بات نہ مانی۔ تو اُسے گھر سے نکال دیں گے +

دامنی نے دکھی ہوکر کہا:۔ ہائے! پھر بیچاری کا کہاں ٹھکانا لگیگا۔ اُس کا جیٹھ دایون ہونے کے لالچ سے اُسے چھوٹے بابو کے پاس لایا تھا۔ بدھوا ہوکر کیسی کیسی تکلیف اور ذلت گوارا کی۔ داسی کی طرح تمام دن کام کرتی رہتی ہے۔ اچھی طرح کھانا کپڑا بھی نہیں ملتا۔ اِس وقت اگر چھوٹے بابو نے اُسے نکال دیا۔ تو غریب کہاں کھڑی ہوگی!

جیا نے کہا۔ جیسے اُس نے کرم کئے ہیں۔ ویسے ہی پھل بھوگے گی +

دامنی نے درد آلود لہجہ میں کہا:۔ جیا بوا! ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ کیا چھوٹے بابو کے پاس یہ سوچ کر آئی تھی۔ آہا۔ وہ چھوٹے بابو کو کس قدر پیار کرتی ہے۔ چھوٹے بابو اگر کہیں چلے جاتے ہیں۔ تو بچاری بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہتی ہے۔ گر وہ اُن کے قدموں کے نیچے اپنا سینہ بچھا دے تو اُسے تسلی ہو۔ بیماری آزاری میں وہ اُن کی جس قدر خدمت کرتی ہے۔ اُس عشر عشیر بھی چھوٹی رانی جی نہیں کر سکتیں۔ کالی تارا تو چھوٹے بابو کو اپنا شوہر ہی سمجھتی ہے۔ کیا صرف پروہت کے منتر پڑھنے سے

ہی شادی ہوتی ہے۔اچھی بات تو یہ ہے۔ کہ ہم سب بھی اپنے شوہر کی خدمت اتنی نہیں کرتیں! تاہم ہم ستی ہیں۔ اور کالی تارا ستی!! عصمت کی قدر و قیمت سے بے بہرہ!!!

جیا نے سر ہلا کر کہا :- یہ سب ڈھونگ ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو اُس کا کام کیونکر چلے ؟

جیا کی بات سُنکر دامنی نے کہا۔ ہاں! تم نے کہا۔ اور میں نے سُن لیا۔ بڑی عورتوں کی طبیعت کیسی ہوتی ہے۔ یہ ہم سب کیونکر جان سکیں گی۔ تمہارا جاننا ممکن ہے!

—— کیا! جتنا بڑا منہ نہیں۔ اتنی بڑی بات! کمبخت دامنی کو اچھی طرح میں آن سبق پڑھاؤں گی۔ لو اب رانی جی کے پاس جاتی ہوں —— یہ کہکر جیا فوراً وہاں سے چل دی۔ روہنی کسی تازہ مزہ کے لئے جیا کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی +

دامنی کا چہرہ خوف سے اُتر گیا۔ بولی —— دیدی! جاؤ اُسے کسی طرح واپس لاؤ +

جینتی نے ہنسکر کہا :—— تو نے اُسے ناراض کیا ہے۔ وہ منہ پھلا کر چلی گئی کسی سے کچھ نہیں کہے گی۔ اُس کا منہ کیا کچھ کہنے کے قابل ہے۔ رانی جی سب جانتی ہیں۔ پھر بھی چل دیکھیں تو سہی . . . . . . +

سب کی سب جیا کو تسلی دینے کے لئے چلیں

(۹)

مانتی جھنجھلا کر ان تمام عورتوں کی فضول باتیں سن کر اپنے کمرہ میں چلی آئی۔ مگر روہنی کی عنایت سے اُن تمام باتوں کا بقیہ حصہ اُس کے کان تک پہنچ ہی گیا۔ کالی تارا کا حال سنکر ایک طرف تو اس کا دل رحم سے بھر آیا تھا۔ اور دوسری طرف زمیندار کے خاندانی عورتوں کی بری طرز معاشرت کا پتہ پاکر خوف۔ بد اعتقادی اور نفرت سے اُس کا دل کانپ اُٹھا۔ اُس کا دل بہن کی طرف سے بھی نفور ہو گیا۔ اس

خوف سے وہ اپنے آپ کو ان کی صحبت سے جس قدر دور رکھ سکتی تھی رہنے لگی +
مالتی ان عورتوں میں کسی میں ملی جلی نہیں ۔ علیحدہ علیحدہ رہکر وہ سب سے
نرالی نظر آتی ہے ۔ چاچی جی کو یہ پسند نہیں آیا ۔ یکایک مالتی کے آنے سے تمام کاموں
میں کسی قدر تبدیلی آگئی اور تمام تار بے ثمر ہو گئے ۔ اس وجہ سے مالتی کے ساتھ ساتھ
چاچی جی کا بھی مضحکہ اُڑنے لگا ۔ اُدھر چاچی جی بھی مالتی سے کشیدہ خاطر رہتی تھیں ۔
مالتی اُن کی زہر آلودہ باتیں سُنکر پریشان ہو جاتی تھی وہ انہیں اپنا بزرگ سمجھ کر عزت
و تقدیس نہ کر سکتی تھی ۔ بلکہ وہ مالتی کی نگاہوں میں جیلخانہ کے پہرے دار کی طرح
کھٹکتی تھیں ۔ ان تمام بے لطفیوں اور لعنت و نفرین کا وہ انہیں کو ذمہ وار سمجھتی
تھی ۔ کیونکہ وہ خود ہی مالتی کو پھسلا کر یہاں لائی تھیں ۔ اور قیدی بنا دیا تھا +
ابھمانی اور تجسومی مالتی اس طرح سب کی نگاہوں میں حقیر ہو کر گالیاں سُنتے
سنتے بجلی کی طرح اُن کے برخلاف ہو گئی ۔ وہ کسی کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتی
تھی ۔ وہ اپنے خیال کے بموجب پورے طور پر آزادی سے رہنے سہنے لگی ۔ گھر
کی تمام عورتیں اگرچہ اس رویہ سے بہت جھلائیں ۔ مگر مالتی نے قطعی پرواہ نہ کی [illegible]
مقابلہ میں آکر زرہ بکتر زیب تن کرکے دشمن سے محتاط رہنے کی سخت ضرورت
ہوتی ہے ۔ اور اپنا تمام عیش و آرام قربان کرنا پڑتا ہے ۔ اسیطرح اس خاندان کا کام کاج
کرتے ہوئے بھی باہر رہ کر مالتی اکیلے اپنے آپ کو یکرنگ آگئی ۔ وہ جب اپنے گھر میں
رہتی تھی تو ماں باپ کی خدمت ۔ ہمسایہ کے لڑکوں کی تعلیم ۔ اور بہو بیٹیوں کو
سلائی وغیرہ سکھلانے میں اپنے آپ کو بھولی رہتی تھی ۔ مگر یہاں آکر اُسے اپنی طرف
بھی توجہ کرنی پڑی ۔ اور اُس کے اندر جو ہر وقت خدمت کرنے [illegible] عورت
[illegible] میں موجود تھی ۔ وہ اس وقت بیکار تھی ۔ تشویش میں [illegible] کی طرح
بھر [illegible] دل کی تمام خواہشات کو زور کرکے دباتے دباتے اُس کا دل بھی
[illegible] ۔ وہ اپنے دل [illegible] کی طرح مسرت ۔ آسودگی ۔ اور یکجہتی سے
نشانات [illegible] تھی ۔ اُس وقت [illegible] قسم کے آفات و مصائب سے محفوظ

مکان یاد آتا تھا۔ اور عہد گذشتہ کی یاد رہ رہ کر دل میں چٹکیاں لینے لگ جاتی تھی۔ بار بار آتشیں آہیں بھرتی تھی۔ وہاں اُس کا کوئی عزیز و یگانہ نہیں تھا۔ تو کیا ہوا۔ کتابوں کے مطالعہ کی عادت تو اُسے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ یہاں لکھنے پڑھنے کے نام سے بھی لوگوں کو خفگی چڑھ سی جاتی تھی۔ اگر تو کچھ تھوڑا بہت سیکھنا بھی تھا۔ تو زمینداری اور دولت کا بیجا گھمنڈ اُسے سب کچھ بھول لینے کے لئے مجبور کرتا تھا۔ چونکہ مالتی کے مزاج میں طبعاً گھمنڈ کا عنصر زیادہ تھا اسلئے اُس نے پکا عہد کر دیا تھا کہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ ان مغرور اور بدمعاش عورتوں کے رویہ اور اُنہی مذاق کی پابند کبھی نہ بنوں گی ۔

مالتی نے عہد تو کر لیا۔ مگر جیسے عورت ناجائز حمل کو پیٹ میں مار ڈالنے کے لئے خود زہر کھاتی ہے۔ اُسی طرح وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے [illegible] ایک دن اس نے دیکھا۔ بہن کے کمرے میں کتابوں کی قطار در قطار الماریاں ہیں اور اُن میں کتابیں نہایت سلیقہ سے چنی ہوئی ہیں۔ ان کا شمار نہیں۔ [illegible] پڑھتی ہیں۔ وہ کس سے اجازت لیکر اس [illegible] سلطنت میں قدم رکھے۔ نولکشور تو بہن کا دوست ہے۔ کیا وہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ اگر [illegible] نہیں۔ مگر اتنا تو ضرور ہے۔ کہ وہ خود چند کتابیں مہیا کر سکتا ہے۔ [illegible] نولکشور سے [illegible] کے لئے بے چین ہو اُٹھی ۔

مالتی کے لانے کے بعد نولکشور کبھی کبھی اندر آ جاتا تھا۔ مگر اُس سے زیادہ [illegible] تھا زمیندار مہاشے کے محل میں مالتی کی [illegible] چل رہی تھی۔ اُس کی [illegible] نولکشور کو گھر بیٹھے بیٹھے ہی [illegible] تھی اور اُس سے وہ مالتی کے لئے [illegible] رہتا تھا۔ مگر اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ کہ وہ مالتی کو ہر قسم کی آگ سے بچا سکے۔ اُسے خیال تھا۔ کہ اگر اُس نے مالتی کی ذرا بھی مدد کی۔ تو ہر چہار طرف سے بدنامی کے تیروں کی بوچھاڑ ہوگی۔ اور اس سے مالتی کی تکلیف بڑھ جائے گی۔ [illegible] ہو رہے تھے [illegible] کا تذکرہ [illegible] نولکشور کے دل [illegible]

پہاڑ کے آگ کی طرح باہر کو بھڑکنے کی کوشش کرنے لگی۔ اگر کوئی دیر بھی تو وہ صرف بہن کے یہاں پہنچنے کی دیر تھی۔ بہن کے آجانے پر پھر وہ مالتی کو اُس کی حفاظت میں سونپ دیگا۔ تو اِسی دن کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا بہن گھر کا لڑکا ہے اس لئے اُسے نہ تو کسی قسم کی دقت ہوگی۔ اور نہ ہی کوئی کسی قسم کا برا بھلا شک کر سکیگا مانا کہ اس میں لوگوں کو کہنے سننے کی گنجایش ہے۔ مگر کوئی ایک لفظ بھی زبان پر لائے یہ کس کی مجال ہے؟

مگر مالتی بہن سے قطعی ناواقف تھی۔ اُس کے آنے پر بھی اگرچہ کتابیں یا سامان مل سکیں گی۔ مگر ہر طور نوکشور کی ضرورت پڑے گی۔ اسی وجہ سے نوکشور کو اُس نے بلانے کے لئے ایک دن اُس نے اپنی ماسی سے کہا ــــ موسی جی! تم تو مجھے کسی کام میں نہیں لگاتی ہو۔ کچھ چھونے بھی نہیں دیتیں۔ تمام دن چوروں کی طرح منہ چھپائے۔ میں کیونکر بیٹھی رہوں؟

چاچی جی نے منہ پھلا کر کہا۔ تو میں کیونکر جانوں۔ کہ تمہارا دن کیونکر کٹیگا۔ کیا تم میرے بس پر چل رہی ہو۔ جو مجھے پوچھنے آئی ہو۔ کسی کے ساتھ تمہارا میل جول نہیں۔ اکیلی پڑی رہتی ہو۔ تو میں کیا کروں؟

مالتی نے کہا۔ موسی جی! تمہارے گھر کے لوگ جیسے ہیں۔ اُن کے ساتھ میرا ملنا جلنا اچھا نہیں؟

چاچی جی ڈانٹ کر بولی۔ مگر اس کے لئے تم مجھ سے کیا کہتی ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے سب مجھے ہی برا بھلا کہتی ہیں۔ اور سب میرا ہی نام لیتی ہیں۔ سب یہی کہتی ہیں۔ کہ چاچی جی! ہی بہن کی لڑکی ہے؟

مالتی نے دکھی ہو کر کہا۔ موسی جی! اگر اس میں تمام تر قصور میرا ہی ہے۔ تو مجھے میرے گھر بھیجدو۔ یہاں تمہیں بھی میری وجہ سے تکلیف ہے۔ اور مجھے بھی کوئی سہولیت نہیں؟

چاچی جی نے سنجیدہ ہو کر منہ پھیر کر کہا:ــــ میں نے تو تمہیں بلانے کیلئے

کوئی آدمی نہیں بھیجا۔ تم چربانک لڑکی ہو۔ خود بخود آئی ہو اور اپنی رائے پر چلتی ہو جو جی میں آئے کرو۔ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں جانتی ؛

چاچی جی کا یہ غرور مالتی کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی:۔ جب تم نے مجھے بلانے کے لئے نہیں بھیجا۔ تو میں بھی بے چین ہو کر تمہارے اس دوزخی قید خانہ میں خود بخود نہیں آئی۔ مجھے نولکشور بابو لائے ہیں۔ انہیں بلادو۔ میں اُنہیں کے ساتھ کوچ کر جاؤں گی ؛

چاچی جی نے کرخت لہجہ میں کہا:۔ مرکھونت۔ اتنے پر بھی تجھے حیا نہیں آتی۔ وہ گھڑی نہ ٹل گئی جب تو پیدا ہوئی تھی۔ میں نے ایسی چربانک لڑکی دیکھی نہیں۔ زمین پھٹ جائے۔ اور تو اس میں سما جائے ؛

مالتی نہ معلوم کیا کہنے جا رہی تھی۔ وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس وجہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ پتھر کی طرح بیٹھی رہی۔ اُس کی خودداری طبیعت اور خیالات کی روانی باندھ پر باندھ پاکر اور بھی سرکش ہو اُٹھی۔ اُس وقت وہ جنگ کے لئے سر بکف ہو کر تیار تھی۔ ایسی حالت میں رونا مناسب نہیں۔ اُس نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ کہ یہاں اُس کا کوئی اپنا نہیں ہے۔ جو کچھ اُسے کرنا ہے۔ وہ تن تنہا۔ سینہ سپر ہو کر کرنا پڑے گا۔ وہ دل ہی دل میں اپنی روانگی کا ارادہ کرنے لگی ؛

چاچی جی اگر کسی قدر نرمی سے مالتی پر ہی تمام بڑے بھلے کاروبار چھوڑ دیتیں۔ تو وہ کسی طرح انحراف ورزی سے کام نہ لیتی۔ مگر چاچی جی ایک تو زمیندار کے گھر کی تھیں۔ دوسرے شوہر کی پیاری تھیں۔ ساس اور نند کے دباؤ میں اُنہیں ایک دن بھی نہیں رہنا پڑا تھا۔ وہ ہمیشہ با حکومت زندگی بسر کرتی آئی تھیں۔ اس کے بعد جب بدقسمتی سے اُن کی قسمت میں آگ لگ گئی۔ تو وہ یہاں آئیں۔ اور برابر بیکسی و بے بسی کی آگ میں جلتی رہیں۔ ایسی ہی حالت میں اُنہیں ایک ایسا شخص ملا۔ جو نہ صرف اُنکے بہن کی لڑکی تھی۔ بلکہ اُن کی پناہ گزین بھی تھیں۔ حکومت کرنے اور دبا کر رکھنے میں جو ایک خوشی ہوتی ہے۔ اُس لالچ کی وجہ سے چاچی جی مالتی کو کسی طرح چھوڑنے

پوری ہو رہی تھیں ۔

ادھر مالتی نے بھی کبھی کسی کا دباؤ نہیں سہا تھا۔ ہمدردی اور والدین کے پیار و محبت کے طرب خیز سایہ میں وہ آزادی سے زندگی بسر کر رہی تھی۔ آج یکایک ایک ناواقف اور بُری محبت میں اپنے آپ کو گرفتار دیکھکر وہ قدم قدم پر کانٹے محسوس کرنے لگی طاقت برداشت جاتی رہی!

اسی طرح دونوں طرف سے رُکاوٹوں کا طوفان دیکھکر ایک دن خوفناک چوٹ سے وہ قیامت کا پردہ اُٹھانے کے لئے سینہ سپر ہوئی ۔

(١٠)

نولکشور نے مالتی کو ایک طرح پر زبردستی کرکے اس لعنت و ملامت کے چکر میں پھنسا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اتنے دن آئے ہوئے ہوئے۔ مگر ملاقات نہیں ہوئی۔ مالتی جیتی ہے۔ یا مر گئی ۔ کچھ خبر بھی نہ لی۔ اور بے فکری سے بیٹھا ہوا ہے۔ مالتی اس قصور کو قابل عفو نہ سمجھتی تھی۔ وہ نولکشور کے اطمینان میں رخنہ انداز ہونے کے لئے بے چین ہو اُٹھی ۔

اُس سے ملاقات کرنے کے لئے کسی خادمہ کی پناہ لئے بغیر اور کوئی صورت نہیں رہی۔ جو تمام خادمہ میں ممتاز تھی۔ اُس سے درخواست کرنے کی مالتی کو ہمت نہیں ہوئی چونکہ وہ تنو کی ماں ہیں۔ اس لئے ممکن نہیں وہ شریف ہوں۔ یہ سوچ کر مالتی نے ایک دن اُس سے تنہائی میں خوشامدانہ انداز سے کہا: "تنو کی ماں! میرا ایک اُپکار کر سکوگی؟"

تنو کی ماں نے چونک کر پوچھا: "دیدی جی! کیا؟"

"اگر تم ایکبار مہربانی کرکے نولکشور بابو کو بلا دو۔ تو بڑا احسان ہو۔"

"دیدی جی! یہ کون سی بڑی بات ہے؟ میں ابھی بلا لاتی ہوں۔" یہ کہکر وہ چلی گئی۔

راستہ میں اُس کی روہنی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ روہنی نے پوچھا — "ارے! اتنی

جلدی جلدی کہاں جارہی ہے؟

اور کہاں جاؤں گی؟ مالتی دیدی نے نرکشور بابو کو بلا بھیجا ہے۔ اسلئے بھٹاچاریہ مہاشے کے گھر جارہی ہوں۔

اچھا تو دُوتنی بنی ہے۔

تنو کی ماں نے تیل کے بینگن کی طرح جلکر کہا:—— دُوتنی تو! اور تیرے باپ دادے!! گھونٹ کا ہمتنا برا منہ نہیں اتنی بڑی بات!!! میں ابھی جاکر رانی ماں سے کہتی ہوں......

تنو کی ماں دنگ رہ گئیں کہ میں نے اس قدر لعن طعن سے کام لیا۔ مگر روہنی کو غصہ نہیں آیا۔ روہنی نے مسکرا آنکھیں بناکر کہا:۔ جا رانی ماں سے کہہ تو سہی! وہ تو اس وقت پوجا میں مصروف ہونگی۔ مالتی نے ایک شخص کو بلانے کے لئے کہا۔ اور تُو فوراً دوڑی —— اگر رانی ماں کو کسی طرح پتہ لگ گیا۔ تو تجھے نکال کر پانی پیئینگی نکر ہے۔ کہ میں نے تجھے راستہ میں روک دی۔

تنو کی ماں نے کچھ سوچکر خوفانہ انداز سے کہا: ہاں! ٹھیک ہے۔ میری بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ تُو نے مجھے روک لیا۔ میں ابھی لوٹ کر دیدی جی سے کہتی ہوں کہ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکیگا۔

روہنی نے کہا:۔ چل بیوقوف! محض اس کہنے سے تو تیرا چھٹکارا نہیں ہوگا اگر رانی جی کو یہ پتہ لگ گیا۔ کہ مالتی نے تنو کی ماں سے ایسی بات کہی ہے۔ اور تنو کی ماں نے اُن کے پاس یہ خبر نہیں پہنچائی تو اُس وقت تُو ان کے سامنے کیا جواب دیگی۔ بہتر یہ ہے کہ تو خود ہی جاکر رانی جی سے سب کچھ کہدے۔ پھر تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی۔

تنو کی ماں روہنی کی اس عقل پر دنگ رہ گئیں۔ بولیں:۔ ہاں! تو نے جو کچھ کہا ہے۔ بہت ٹھیک ہے۔ میں ابھی اُن سے جاکر کہتی ہوں۔

تنو کی ماں کو مالکہ کے پاس نالش کرنے کی غرض سے بھیجکر روہنی دوڑتی ہوئی

مالتی کے پاس پہنچکر بولی:- دیدی جی! یہ تم نے کیا کیا۔ اتنی بے عقلی کا کام بھی کوئی کرتا ہے؟

مالتی نے متحیر ہو کر کہا:- کیوں؟ میں نے کیا کیا؟

روہنی نے نہایت درد آلود لہجہ میں چڑھ کر کہا۔ میرا سر کیا۔ اگر نوکشور بابو کو بلانا ہی تھا تو مجھ سے کہا ہوتا۔ مجھے تو تم پھوٹی آنکھوں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ تم تو صرف نتو کی ماں پر اعتبار کرتی ہو۔ اُس نے اُدھر رانی جی سے جاکر سب کچھ کہہ دیا ہے۔

مالتی نے جھنجھلا کر کہا:- کہدیا۔ تو پھر ہرج ہی کیا ہے۔ اس میں چھپانیکی کون سی بات تھی۔

روہنی نے گالوں پر ہاتھ رکھکر حیرت کا اظہار کر کے کہا:- دیدی جی! تم کہتی کیا ہو۔ مردوں کو اس بے تکلفی سے بلا لینا کیا اچھی بات ہے؟ کبھی میرا بھی وقت تھا۔ مگر بھائی! میں تو تمہاری طرح چہرہ باتک نہیں تھی۔

مالتی نے غصہ میں بھر کر کہا۔ تو میرے سامنے سے دور ہو۔

روہنی نے آنکھیں نچا کر کہا:- چوری اور سینہ زوری! اچھا دیکھا جائیگا۔ رانی جی کیسے آن کر دور کرینگی۔ مجھے یا تمہیں!

مالتی فوراً وہاں سے چلی گئی۔ غصہ۔ شرم۔ بے عزتی۔ اور لعنت و ملامت کے خیال سے مالتی وہاں نہ ٹھہر سکی۔ وہ کمرے میں جاکر بستر پر پڑ رہی۔

چاچی جی زمین پر بیٹھی ہوئی مالا جپ رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا۔ آج بے وقت کیوں پڑی ہے؟

مالتی کیا جواب دے گی؟ وہ چُپ چاپ پڑی رہی۔

چاچی جی بکنے جھکنے لگیں۔ سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ نہ بڑوں کا خیال نہ چھوٹوں کا لحاظ۔ سب کو بالائے طاق رکھدیا۔

مالتی دم دم پر مالکہ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کسی کے پاؤں کی آہٹ

سنکر وہ چونک کر سوچتی تھی۔ کہ اُن کی لعنت اور ملامت کے طوفان سے اُس کا سر پھٹ پڑیگا۔ کسی کی بات سنکر اُس کے دل میں بھی خیال آتا تھا۔ کہ اُسی پر لعنت ونفرین کی جا رہی ہے۔ وہ اِس مکان میں جب سے آئی ہے۔ عورتیں اُس کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ گئی ہیں۔ اور جہاں تہاں جب تب اُسی کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ننو کی ماں ـــــ جو ننو کی ماں ہے۔ وہ بھی اِس کا خاکہ اُڑانے سے باز نہ رہ سکی۔ مالتی کے دل کو اس سے اور بھی چوٹ لگی +

یکایک مالکہ غصہ میں بھری ہوئیں زمین پر پاؤں پٹکتی ہوئیں چاچی جی کے کمرے میں آکر زور سے بولیں چھوٹی بہو! اپنی بہن کی لڑکی کی کارگذاری سنی؟

چاچی جی لاجواب اور متحیر ہوکر ایکبار مالکہ اور دوسری بار مالتی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ مالتی تکیہ میں منہ چھپائے ہوئے۔ بے حس وحرکت مردے کی طرح پڑی ہوئی تھی +

مالکہ نے جس طرح نمک مرچ لگاکر مالتی کا یہ نیا قصہ بیان کیا۔ اُس سے مالتی کا یہ بے وقت لیٹنے کا سبب چاچی جی کے روبرو خوفناک معلوم ہوا۔ مالکہ کی بات سُنکر مالتی کا دل اندر ہی اندر شور مچاکر کہہ رہا تھا جھوٹ! جھوٹ!! تمام جھوٹ!!! مگر اُس کے منہ سے ایک بات بھی نہیں نکلی +

مالکہ کمرے سے جاتے جاتے کہہ گئیں چھوٹی بہو! ایسی لڑکی کیلئے میرے گھر میں جگہ نہیں۔ یہ تم سے آج صاف صاف کہے دیتی ہوں۔ تم مالتی کے لئے کوئی اور جگہ تجویز کرو۔ اور اگر رس بھری۔ رنگین مزاج بہن کی لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتی ہو تو تم بھی اپنا راستہ لو۔ یہ میری آخری بات ہے +

تمام کمرے میں سنّاٹا چھا گیا۔ وہ سنّاٹا چاچی جی اور مالتی کے سینہ پر پتھر کی طرح بیٹھا ہوا۔ سانس کی حرکت روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چاچی جی کی خواہش ہو رہی تھی۔ کہ مالتی اُن سے کہے ـــــ موسی جی! یہ سب جھوٹ ہے۔ سراسر جھوٹ ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ اور مالتی کے دل میں یہ بات آرہی تھی۔ چاچی جی

اُس سے سوال کریں۔ بُرا بھلا کہیں۔ لعنت ملامت کریں۔ ایسے خاموش اقبالِ جرم کے ذریعہ اُسے قصور وار ٹھہرا کر چپ چاپ رہنا یکبارگی ناقابل برداشت ہے +

چاچی جی کو کسی طرح کچھ کہتے نہ دیکھکر مالتی اٹھ کر بیٹھ گئی - اور کوشش کرنے لگی۔ کہ کسی طرح وہ چاچی جی کی نظروں میں آجائے۔ تاہم چاچی جی کی نظر نہ پڑی۔ مالتی نے یہ دیکھکر تمکنت آمیز لہجہ میں کہا۔ موسی جی! تم مجھے میرے گھر بھیجدو میں اب اس مکان میں گھڑی بھر بھی نہیں رہنا چاہتی۔ اسی لئے نوکشور بابو کو بلایا تھا +

اس قدر ہو جانے پر بھی مالتی کو ذرا بھی جھجک نہیں۔ باتیں کرنے میں شرم نہیں۔ جس بات پر ہر طرف سے لعنت و نفرین کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اُسی بات کو زور دیکر کہنے پر اُسے شرم نہیں آتی۔ یہ دیکھکر چاچی جی کو طیش آگیا۔ شکوک و شبہات کا تاریک جال دیکھکر وہ متفکر ہو رہی تھیں۔ کہ اس جال کو تار تار کرنے پر سچائی کے نور کا نظارہ دکھائی دیگا یا نہیں۔ اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر مرنے کی نسبت تو آنکھیں ملتے ہوئے جل مرنا کہیں بہتر ہے۔ وہ اسی غور و خوض میں تھیں کہ اتنے میں یکایک مالتی کی باتوں کی چوٹ سے اُن کے شک و شبہات کے جال میں ایک زبردست قینچی چل گئی۔ اُس کے اندر سے کود کر باہر نکلنے کی کوشش میں چاچی جی کا موافق دل یکایک جال کے جنجال میں اور بھی الجھ گیا۔ اُنہوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ بلکہ تحقیر آمیز لہجہ میں کہا۔ کمبخت! بے حیا!! جا کسی طرح سے نظروں سے دور ہو! .... +

مالتی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ وہ بے حس و حرکت ہو کر چپ چاپ بیٹھی رہی +

(۱۱)

مالتی کی اس نئی لعنت و ملامت و بے عزتی کی خبر نوکشور سے پوشیدہ نہ رہی۔

وہ مقید شیر کی طرح لاحاصل جوش سے پھونے لگا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو۔ اس بے کس لڑکی کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اور اسے آفات و مصائب سے بچانا چاہیئے۔ مگر بار بار اُس کے دل میں جیسے کوئی رہ رہ کر یہی کہہ اُٹھتا تھا۔ "تدبیر نہیں"۔ "تدبیر نہیں"۔ مالتی کی حفاظت کرنے کے لئے معمولی کوشش بھی رائیگاں جائیگی +

نوکشور ہات پر اپنا سر رکھے ہوئے مالتی کی حفاظت کی تدبیریں سوچ رہا تھا عین اُس وقت بھٹاچاریہ مہاشے اُس کمرے میں آگئے۔ باپ کو دیکھ کر تعظیم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُن کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ کہئے کیا ارشاد ہے؟ بھٹاچاریہ مہاشے نے محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ بیٹا نوکشور! تم ذرا ایکبار اندر ہو آؤ۔ مالتی تم سے ملنا چاہتی ہے +

نوکشور نے سر جھکا کر کہا:۔ اتنے شور و شر اور بے لطفی کے بعد کیا میرا جانا مناسب ہے؟

اسی وجہ سے تو تمہارا جانا اور بھی ضروری ہے۔ پہلے ہی مالتی نے شاید

اسی وجہ سے تم سے ملاقات کرنا چاہا تھا۔ اب ایسی حالت میں جب معاملہ نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ تو اس کی تشفی و تسلی بہر طور لازم و ضروری ہے +

مگر میرے جانے سے کیا مالتی کے لئے اور بھی شرم کی بات نہیں ہے؟

نہیں بیٹا! تمہارے جانے سے اُسے بہت تسکین و تشفی ہوگی +

نوکشور نے کسی غور و خوض کے بعد کہا:۔ تو پھر میں ابھی جاتا ہوں +

بھٹاچاریہ جی نے کہا: ہاں جاؤ!

نوکشور کے طرز معاشرت میں فطرتاً کسی قدر غرور کی جھلک تھی۔ آج وہ اور بھی سر اُٹھا کر۔ چال میں شان پیدا کر کے چہرے میں اور بھی بےخوفی لا کر گویا تمام بےعزتی تمام شرم۔ اور ہر قسم کی لعنت و ملامت کے برخلاف جنگ و جدل کرنے کے لئے زمیندار کے محل میں جا رہا ہے +

نوکشور کے اندر پہنچتے ہی ہر طرف جیسے ایک سناٹا سا چھا گیا تمام عورتیں اس بے حیائی اور حوصلہ کو دیکھکر منہ بناکر تمسخر آمیز ہنسی ہنس رہی تھیں۔ نوخیز عورتوں نے مسکراتے ہوئے آپس میں کہا۔ بھلا جب ایک حسن وجمال میں لاثانی و دیا دھری بلائے تو کوئی کیوں نہ جائے۔ ہوا کے زبردست جھونکے میں کیا کوئی ٹھہر سکتا ہے ؛

مگر نوکشور کی تیز نگاہوں نے ان تمام رکاوٹوں کا پردہ تار تار کر دیا۔ اس نے نہایت ہی کڑکتے ہوئے لہجہ میں پکارا ـــــ ماں !

نوکشور کی یہ کڑکتی ہوئی آواز تمام شور وشر کو بند کرکے ایک ایک کمرے میں گونج اٹھی۔ آج اس قدر گول مال ہونے کے بعد مالکہ کو یہ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا کہ کیوں کشور ! کیا ہے ؟ روہنی وہیں کہیں پاس ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ نوکشور دادا ! رانی ماں اس کمرے میں ہیں ؛

نوکشور بغیر کسی روک ٹوک کے اس کمرے میں چلا گیا۔ مالکہ اس وقت ایک سرخ شال اوڑھے ہوئے تکیہ سہارے بیٹھی ہوئی تھیں۔ نوکشور ان کی گود کے پاس بیٹھکر بولا :ـــ ماں ! بہن یہاں نہیں ہے۔ اس وجہ سے تم نے ایکبار بھی میری خبر نہ لی۔ جب ماں نہیں بلاتی۔ تو بیٹا ہی ماں کو دیکھنے آیا۔ بہن کے امتحان میں اب زیادہ دیر نہیں ؛

نوکشور نے سوچا۔ جو کچھ اس نے کہا ہے۔ وہ بہت اوٹ پٹانگ باتیں ہوئیں جس ڈھنگ سے اسے گفتگو کرنا چاہیئے۔ اس سے وہ چوک گیا۔ اس وقت وہ مالکہ کے پاؤں انگوٹھے کو بددلی سے دیکھنے لگا ؛

مالکہ بھی نوکشور کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ ان کے دل میں بار بار صرف یہی خیال آرہا تھا۔ کہ اس مکان میں یہی آوارہ مزاج لڑکی ہے۔ جس نے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھکر اس نوعمر کو بلایا ہے۔ اور اسی وجہہ سے آج نوکشور کا آنا ان کے نزدیک عام طور پر نہیں۔ بلکہ اس میں ایک خصوصیت ہے ؛

نوکشور مالکہ کے ساتھ کسی طرح بات چیت کا رنگ نہ جم سکنے پر یکایک بول اٹھا

شام ہوگئی - جاتا ہوں - ذرا چاچی جی اور مالتی سے مل آؤں ✻

اس بات سے مالکہ کا دل کسی قدر خائف ہو اٹھا - مگر وہ نوکشور کو منع بھی نہ کر سکیں اس کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ بھی سمجھ گئی تھیں - کہ نوکشور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گا - بلکہ وہ ہر قسم کے بحث مباحثہ پر تیار ہو کر آیا ہے - جب نوکشور نے دیکھا کہ مالکہ نے اس بارہ میں برا بھلا کچھ بھی نہیں کہا - تو وہ کسی قدر نڈر ہو کر چاچی جی کے کمرے کی طرف چل دیا ✻

نوکشور کے نظروں سے اوجھل ہونے پر مالکہ نے چپ چاپ کہا - سودھیندر ذرا توجہ کر دیکھو تو سہی! کیا باتیں ہوتی ہیں؟

سودھیندر تو خود ہی اس کے لئے بے چین ہو رہی تھی - اب مالکہ کا حکم پا کر وہ دبے پاؤں چھپ چھپا کر سب کچھ سننے کے لئے چلی ✻

نوکشور کے پاؤں کی آہٹ اور آواز سے سب کے کان کھڑے ہو گئے تھے - اس کی آہٹ پا کر چاچی جی کھونٹی پر رام نام کی مالا اٹھا کر جاپ کرنے لگیں - اور مالتی اتنی دیر سے روکے ہوئے آنسوؤں کی روانی سے اپنا سینہ تر بتر کرنے لگی ✻

نوکشور نے دروازے کے سامنے آکر پکارا - چاچی جی!

چاچی جی نے جواب نہیں دیا - جلدی جلدی مالا پھیرنے لگیں - جیسے اُن کی تمام توجہ آسمان ہی پر ہے - یہ دیکھ کر مالتی نے منہ پھیر لیا ✻

نوکشور نے چاچی جی کا جواب نہ پا کر مالتی کو آواز دی

مالتی جلدی جلدی آنکھوں سے آنسو پونچھتی ہوئی کھڑی ہو کر بولی - آئیے ✻

شاید نوکشور چاچی جی کا جواب نہ پا کر باہر سے ہی لوٹ جاتا - مگر مالتی نے بے حیائی سے اُسے آواز دی - چاچی جی کی نظروں میں مالتی کی یہ بے حیائی تیر کی طرح وہ اپنی غصہ آلود نگاہوں کے تیر سے مالتی کو جلا دینا چاہتی تھیں ✻

چاچی جی کا کوئی جواب نہ پا کر صرف مالتی کی آواز سن کر اس سنسان مکان کی تاریکی میں گھسنے سے پہلے نوکشور تذبذب میں پڑ گیا - خدا دیر تک بھی اُسنے سوچا چاچی جی یقیناً

میں ہیں۔ وگرنہ مالنی اِس آزادی اور بیوقوفی سے اُسے نہ بلاتی۔ نوکشور کمرے میں داخل ہوا۔ اندر جاکر دیکھا۔ چاچی جی دیوار کا سہارا لئے ہوئے جلدی جلدی مالا پھیر رہی ہیں۔ اور مالتی ایک کنارے ششدر کھڑی ہوئی نور حسن سے جگمگا رہی ہے۔ مالنی اُس وقت ساون کی پورنماشی کی طرح پانی بادل اور روشنی کے رنگوں میں رنگین ہو کر اپنی بوقلمونی کا نظارہ دکھا رہی تھی +

نوکشور کو مالتی کی طرف از خود رفتہ نگاہوں سے دیکھ کر چاچی جی نے اُس کے چہرہ پر زہر آلود نگاہیں ڈالیں۔ مگر اس قدر بے لطفی ہو جانے پر بھی بے حیا لڑکی نوکشور کی طرف بیوقوفی سے دیکھتی ہوئی کھڑی رہی۔ یہ دیکھ کر چاچی جی نے مالا کھونٹی پر ٹانگ کر مالنی سے کہا ۔۔۔ مالتی! جا۔ شام ہوگئی۔ کپڑے اُٹھالا۔ ورنہ گیلے ہو جائیں گے +

مالنی نے مختصر طور پر کہا۔ موسی جی! جاتی ہوں۔ یہ کہکر اُس نے نوکشور کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔ نوکشور بابو! میں آپ کو کتنے دنوں سے بلانے کے لئے سوچ رہی ہوں مگر اس گھر کی عورت نے اتنا اُپکار بھی نہ کیا۔ کہ آپ کو بلا دیتی۔ آپ آگئے۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ مجھے جہاں سے لائے ہیں۔ وہاں ہی پہنچا آئیے ...... +

مالنی کا یہ حوصلہ دیکھ کر چاچی جی اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ مگر مالنی نے اس پر قطعی توجہہ نہ دی۔ اُس وقت اُس کے دل میں سرکشی کا مادہ زوروں پر تھا۔ وہ سمجھتی تھی۔ یہ سرکشی اُس کو خاک و خون میں ملانے کے لئے ہے۔ مگر قدم قدم پر بے عزتی سے سر نیچا کرنے کی نسبت وہ اسے کہیں بہتر اور مبارک سمجھتی تھی +

نوکشور نے کہا۔ تم وہاں کیوں جانا چاہتی ہو ...... یہاں تمہیں کیا دُکھ ہے؟

مالتی نے ہر ایک بات پر اظہار نفرت کرتے ہوئے کہا:۔ یہاں مجھے کیا سکھ ہے۔ یہی دریافت کیجئے۔ موسی جی کی حد سے زیادہ محبت اور دیگر لوگوں کی احتیاط سے میرا یہاں ٹھہرنا دوبھر ہو گیا ہے۔ ایسی زبردست احتیاط کی جاتی ہے۔ کہ کوئی مجھے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتا۔ پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ رات دن اکیلی بیٹھی

باتوں سے میرے کانوں میں آبِ حیات کی بارش کی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں سایا پہنتی ہوں۔ میں مالا ہاتھ میں لے کر دنیا کو دھوکا نہیں دینا چاہتی۔ میں دل میں نرک کی آگ جلا کر باہر سے اس پر گھونگھٹ کا پردہ نہیں ڈالنا پسند کرتی۔ اسی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ کرسٹان کہتے ہیں۔ اچھوت کا خطاب دیتے ہیں۔ اس گھر کی تقدیس میرے کس کام کی! میں کسی طرح اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ آپ ہی مجھے یہاں لائے ہیں۔ آپ ہی پہنچا آئیے۔ میں یہاں اب دم بھر بھی ٹھہرنا پسند نہیں کرتی ✦

چاچی جی منہ بنا کر بول اٹھیں۔۔۔ ہاں! کہاں مرنے جائیگی، کمبخت کبھی کچھ کہتی ہے۔ اور کبھی کچھ۔ پہلے تو وہاں سے آئی۔ اور اب جانے کو کہتی ہے۔ کوئی تیرے باپ کا نوکر ہے۔ کہ بار بار تیرے ساتھ خوار ہوتا پھریگا ✦

مالتی نے ان الفاظ پر توجہ بھی نہیں دی۔ اس نے نوکشور سے کہا۔ میری تمام بے عزتی اور لعنت و ملامت کے ذمہ وار آپ ہیں۔ میں خود تو آنا نہیں چاہتی تھی۔ آپ ہی مجھے زور دیکر یہاں لائے ہیں۔ اب آپ ہی مجھے وہاں پہنچا آئیے۔ آپ کیوں لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں؟

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ میں جس غرض سے تمہیں یہاں لایا تھا۔ وہ غرض تو اب تک پوری نہیں ہوئی۔ ابھی تو صرف اس کی ابتدا ہوئی ہے۔ جب تک ہم ہار نہیں مان گئے۔ تمہیں استقلال سے کام لینا ہوگا۔ اور جو تکلیف ہوگی۔ اسے بھی برداشت کرنا پڑے گا ✦

مگر اس گھر کے سب لوگوں کا دل ایسا واقع ہوا ہے۔ کہ وہ ہر بات پر مشکوک نگاہیں ڈالتے ہیں۔ شریف اشخاص کا یہاں گذارہ نہیں ✦

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ یہ باتیں فطرتاً ہیں۔ یہ لوگ سوائے شوہر و بیوی کے رشتہ کے دنیا میں محبت صادق کی تصویر اور کہیں نہیں دیکھتے۔ اور کسی قسم کا تعلق بھی مرد و عورت میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے یہ کبھی نہیں دیکھا۔ یا کبھی اس پر غور نہیں کیا ہے

دل تو ایسے ہی ہو گئے۔ انہیں اگر کسی طرح سبق ملیگا۔ تو وہ صرف ہم لوگوں کی مثال سے۔ جب یہ لوگ دیکھیں گے۔ کہ خون کے تعلق کے بغیر عورت و مرد میں رفاقت و محبت ہو سکتی ہے۔ اُس وقت ان کا دل بھی تقدیس سے بھر جائیگا۔ اور یہ تمام خیالات جاتے رہیں گے۔

مگر اُس وقت تک تو میری جان لبوں پر آجائیگی۔

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ نہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ ہمارے کام میں ایشور نے ہمیں مددگار بنا کر بھیجا ہے۔

مالتی کچھ دیر کے لئے لاجواب ہو گئی۔ ازاں بعد بولی —— تو پھر مجھے کچھ کتابیں بھیجدیجئے۔ میرے دن کسی طرح کاٹے نہیں کٹتے۔

نوکشور نے کہا:- اس وقت کتابوں کی بھی ضرورت نہیں۔ اس خاندان کا عقیدہ ہے کہ جو کچھ خرابی اس خاندان میں ہوئی ہے۔ وہ صرف کتابوں کے داخلہ سے! اب تو جو کچھ ہوا ہے۔ اُسے تم کسی طرح برداشت بھی کر سکوگی۔ مگر کتابوں کے مطالعہ سے جو تُل مچ جائیگی۔ وہ ناقابل برداشت ہو جائیگی۔ جہاں اتنے دن کاٹے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح اور صبر کرو۔ بہن کے آنے میں اب بہت دیر نہیں اُس کے آتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مالتی سر نیچا کر کے سوچنے لگی۔ بہن کے آتے ہی کیا سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا؟ اس زمیندار کے گھر میں۔ آج اگر کوئی کچھ نا اتفاقی ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف بہن ہے کیا بہن ان تمام جھگڑوں بکھیڑوں سے اُس کی حفاظت کر سکیگا۔ یا نہیں۔ یہ تو ایشور ہی جانے۔ تاہم مالتی کو بہت کچھ امید ہوئی۔ اور اُس نے اپنی تمام بیقراری دور کرنے کی کوشش کی۔ بہن کو اپنا مددگار سمجھکر وہ عالم خیال میں اُس کا تصور کرنے لگی۔ اور بے صبری سے اُس کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔

مالتی کو خاموش دیکھکر نوکشور نے چاچی جی کی طرف رُخ کیا۔ اور کہا:- دیکھو چاچی جی! میں نے تمہاری بگڑی لڑکی کا تمام غصہ دور کر دیا۔ .... اب شام ہو گئی

میں جاتا ہوں +

چاچی جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نوکشور اُنہیں پرنام کرکے چلدیا +

چاچی جی۔ نوکشور وہین کو اپنے لڑکے کی طرح پیار کرتی تھیں۔ مگر مالتی کی وجہ سے اُنہیں رنج وغم کی متواتر چوٹوں کے لئے سینہ سپر ہونا پڑا۔ اور اس باب میں وہ تمام تر نوکشور کو ہی قصوروار سمجھتی تھی۔ اگر وہ مالتی کو یہاں نہ لاتا۔ تو اُنہیں رنج وغم کی آگ میں شعلہ زن آگ میں جل جل کر کیوں جان دینی پڑتی۔ اس کو علاوہ نوکشور کی آج کی باتیں سنکر چاچی جی کے دل میں شک ہوتا تھا۔ کہ نوکشور۔ ہین۔ اور مالتی یہ تینوں مل ملاکر نہ معلوم کیا پیچ پیچ ٹکڑ کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے نوکشور کی بات اچھی طرح نہیں سمجھی۔ اسی وجہ سے اُن کا شک دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔ اور وہ ہین کی طرف سے بھی کشیدہ خاطر ہوتی جارہی تھی۔ چاچی جی نے اپنا مقدم فرض یہ سمجھا۔ کہ جس طرح ممکن ہو۔ مالتی کو ان سے علیٰحدہ رکھنا چاہیئے +

(۱۲)

نوکشور کے چلے جانے پر سب یہہ جاننے کے لئے بے چین ہو رہی تھیں۔ کہ وہ مالتی کے ساتھ کیا مشورہ کر گیا۔ مگر چاچی جی کے خوف سے مالتی کے پاس کسی کو حوصلہ نہیں ہوتا تھا +

روہنی نے واپس آکر مالکہ سے کہا۔ رانی ماں! میں کیا کہوں۔ نوکشور بابو کی آواز سنتے ہی مالتی نے جلدی جلدی دروازہ کھولا۔ اور اُن کا ہات پکڑکر کمرے میں لے گئی۔ ذرا بھی نہ شرمائی۔ مطلق نہ ڈری۔ بڑی شوخ اور بے حیا لڑکی ہے۔ مردوں کو دیکھتے ہی میرا تو کلیجہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ باپ رے باپ۔ میں نے تو ایسی لڑکی آجتک نہیں دیکھی +

یہ کہکر روہنی نے گالوں پر ہات رکھتے ہوئے گردن جھکا کر اپنے تحیر کا اظہار کیا۔ اُس کے بعد سینہ پر ہات رکھ کر جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی خوف کا اظہار کرنے لگی۔ فی الحقیقت روہنی کا کلیجہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مگر وہ مالتی کو دیکھ کر

نہیں۔ بلکہ اس خوف سے کہ کاش کسی نے دیکھ لیا۔ اور بالخصوص نوکشور بابو نے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اور نوکشور کے مزاج سے صرف روہنی کیا گھر کی تمام عورتیں واقف ہیں۔

مالکہ نے روہنی کی یہ حالت دیکھ کر پوچھا۔ اس کے بعد وہ چھوٹی رانی کہاں تھی۔ کیا مشورہ ہوا؟

چاچی جی اُسی کمرے میں بیٹھی ہوئی مالا جپ رہی تھیں۔ نوکشور بابو کے ساتھ اُنہوں نے بات تک نہیں کی۔ مالتی نے کہا۔ کہ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ ور صرف کہا ہی نہیں۔ بلکہ اُن کے گلے پڑ گئی۔ چاچی جی کو اس بات پر بہت غصہ آیا۔ نوکشور بابو خوب سمجھانے بجھانے لگے۔ مگر میری سمجھ میں اُنکی کوئی بات نہیں آئی۔ ہم سب کیا انگریزی فارسی جانتی ہیں۔ بالآخر نوکشور بابو نے یہ کہا۔ کہ ہن بابو آ جائیں۔ تو پھر تمہیں کوئی تکلیف نہ رہے گی۔۔۔۔۔۔

مالکہ بیچ ہی میں بول اُٹھی۔ میرے ہن کا مزاج ایسا نہیں۔ کشور کو بھی اچھا سمجھتی تھی۔ کلجگ کے لڑکے لڑکیوں کو پہچاننا آسان نہیں۔ جا تو سہی۔ ذرا ایکبار چھوٹی بہو کو بلا لا۔

روہنی تجربہ کار ضعیف عورتوں کی طرح بولی۔ چاچی جی! یہ میں کیا جانوں؟ مگر اُس کی دونوں چھوٹی چھوٹی مگر گول آنکھوں میں شیطنت بھری ہوئی تھی۔ چاچی جی سے وہ پوشیدہ نہ رہی۔

غصہ آلود نگاہوں سے چاچی جی مالتی کی طرف دیکھتی ہوئی روہنی کے پیچھے پیچھے چلیں۔

مالکہ کے پاس پہنچکر چاچی جی نے پوچھا۔ دیدی جی! مجھے بلایا ہے؟

مالکہ نے منہ پھلا کر کہا۔ نوکشور کے ساتھ کیا مشورہ ہوا؟

چاچی جی نے کسی قدر غصہ ہو کر کہا۔ دیدی جی! اور کیا مشورہ ہوگا۔ مالتی نے نوکشور سے کہا۔ کہ مجھے کلکتہ پہنچا آؤ۔

مالکہ نے سنجیدگی سے کہا ۔۔۔ اس کے بعد ؟ کب روانگی کا دن مقرر ہوا ہے ؟

نوکشور اس وقت نہیں لے جانا چاہتا ۔

روہنی نے بھویں چڑھا کر اور گردن ہلا کر کہا ۔۔۔ کیوں ؟ تم بھی تو اُسے روانہ کرنا نہیں چاہتیں ۔

چاچی جی سمجھ گئیں ۔ کہ روہنی نے آڑ میں ٹھہر کر سب کچھ سُن لیا ہے ۔ اور مالکہ کے گوش گزار کر دیا ہے ۔ اب اس وقت پوشیدہ رکھنا فضول ہے ۔ اُس وقت اُنہوں نے تمام باتیں اس انداز کے ساتھ کہیں جیسے روہنی کی کوئی بات سُنی ہی نہیں ۔۔۔ میں نے مالتی سے کہا ۔ کہ یہاں رہکر تو تو قاعدہ میں چلتی ہی نہیں ۔ جب وہاں بہر طور آزاد ہو جائیگی ۔ تو اپنی عزت پر کیونکر حرف نہ آنے دیگی ۔ جب آگئی ہے ۔ تو یہیں پڑی رہ ۔ سامنے آتی ہوئی لچھمی کو لات مارنا ٹھیک نہیں ۔

نہیں چھوٹی بہو ! ایسی لڑکی کا ہمارے گھر کسی طرح گذر نہ ہوگا ۔ تم اُسے کسی طرح سنبھال نہیں سکوگی ۔ بالآخر کیا تمہاری بہن کی لڑکی کی وجہ سے میرا سر نیچا ہوگا ۔ جہاں دیکھو ۔ ہر جگہ اُسی کا چرچا ہو رہا ہے ۔ اب آج تو شام ہو چکی کل میں نوکشور کو بلا کر خود ہی کہونگی ۔ کہ اُسے کلکتہ لیجائے ۔ طعنے سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں ۔ اور میں کہاں تک برداشت کرونگی ۔

چاچی جی نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا ۔۔۔ دیدی جی ! بڑے درختوں کو ہی آندھی کا خوف ہوتا ہے ۔ یہ سچ ہے ۔ مگر یہ بھی تو ہے ۔ کہ سربفلک درختوں میں ہی پرندہ اپنا آشیانہ بناتے ہیں ۔ اُسے ناپاک کرتے ہیں ۔ مگر درخت کی عظمت میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا ۔ بلکہ دن دن اُس کی شان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔ دیوتا کی پوجا بھی بڑے بڑے لوگ ہی کرتے ہیں ۔ تمہارے زیر سایہ کتنے ہی لوگ ہیں ۔ جب تم نے اس لڑکی کو اپنے قدموں میں جگہ دی ہے ۔ تو ایسی حالت میں اُسے

چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ اگر تم نے اُس کی جانب سے لاپرواہی کا اظہار کیا۔ تو وہ کہیں کی نہ رہے گی۔ ستیاناس ہو جائیگا +

چاچی جی کی اس درد آلود تقریر سے مالکہ کا غصہ فرو ہو گیا۔ وہ مسرت آمیز لہجہ میں بولیں —— چھوٹی بہو! تم جو کچھ کہہ رہی ہو۔ وہ تو صحیح ہے۔ مگر وہ لڑکی کسی طرح سمجھنے والی نہیں ہے۔ اُس کے دل کی تھاہ ہی نہیں ملتی۔ مجھے خوف ہے۔ کہ اُس کی دیکھا دیکھی گھر کی دیگر بہو بیٹیاں نہ بگڑ جائیں +

چاچی جی نے آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کہا۔ دیدی جی! تم ستی لکشمی اور بھاگ والی ہو۔ دُعا دو۔ کہ وہ راہ پر آجائے۔ جب سے یہاں آئی ہے۔ گنار بدار کپڑے نہیں پہنتی۔ اسی طرح اور تمام خرابیاں بھی دُور ہو جائیں گی +

مالکہ نے کہا —— چھوٹی بہو! سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے۔ کہ یہ سایا پہننا چھوڑ دے۔ کیونکہ تمام خرابیوں کی جڑ یہ سایا ہے +

چاچی جی کے ساتھ جب مالکہ کی باتیں ہو رہی تھیں۔ عین اُسی وقت جینتی داسی۔ جیا۔ پاپُو کی ماں وغیرہ ایک ساتھ ہی مالتی کے پاس پہنچیں۔ جینتی نے آواز دی۔ اری مالتی کیا کر رہی ہو؟

آج یکایک ان لوگوں کے آنے کا مقصد مالتی بخوبی سمجھ گئی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چراغ کے سامنے سر جھکائے بیٹھی بیٹھی سپاری کاٹنے لگی +

مالتی کا جواب نہ پا کر جینتی نے تمام عورتوں کو مخاطب ہو کر کہا۔ اف! اتنا غصہ مالتی بولتی کیوں نہیں۔ آخر اس غصہ کا سبب کیا۔ یہ ناگہانی غضب کیا؟

پاپُو کی ماں نے جینتی کے کان میں مالتی کو سنا کر کہا۔ غصہ یا راگ نہیں ہے بلکہ انوراگ ہے +

تاہم مالتی کو لاجواب دیکھ کر جینتی کے غصہ کا پارہ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ مگر آج اتنی جلدی وہ مالتی سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نوکشور کے ساتھ مالتی کی

جو گفتگو ہوئی تھی - اُس سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کرنے کی فکر میں سرگرم تھی - اسی وجہ سے قریب آ گئیں - ہنسی کا نظارہ ہونٹوں پر دکھا کر جینتی نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا - آف! اتنا دماغ! ہاں بھائی حُسن کی کان ہو - جس قدر غرور کرو بجا ہے میں بھی تم سے بھیک چاہتی ہوں - یہ کہکر وہ مالتی کے پاؤں پر گر پڑی۔

مالتی نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا - چھی! یہ کیا کرتی ہو - تم لوگ تقدس مآب اور نیک پاک شخصیت ہو - مجھ جیسی اچھوت اور بدنصیب عورت کے پاؤں کیوں پڑ رہی ہو؟

مالتی کی یہ باتیں سنکر سب کی سب اُس کے پاس آ گئیں - جینتی نے کہا: بس جی بس - اب ہنسی مذاق جانے دو - تم یہ تو بتاؤ - تم اس قدر رنجیدہ خاطر کیوں رہتی ہو - کیا تمہیں یہاں کی کوئی بات پسند نہیں آتی۔

پانچو کی ماں چپ چاپ مگر آنسو بھر کر نفرت آمیز نگاہوں سے بولیں - جس میں مالتی سُن لے ___ سوائے نوکشور بابو کے اور سب چیز نا پسند ہے۔

مالتی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھا کر نفرت آمیز نگاہوں سے پانچو کی ماں کی طرف دیکھا - اُس نے سر جھکا لیا۔

جینتی نے جیسے یہ سب دیکھا سُنا ہی نہیں - اس طرح ناواقف لہجہ میں گویا ہوئی - کیا تم یہاں سے جانا چاہتی ہو - نوکشور دادا نے کیا کہا؟

مالتی نے جھنجھلا کر کہا - تمہارے نوکشور دادا نے کہا - کہ تم اس نرک کنڈ کی تکالیف برداشت کرو۔

جینتی نے کہا - تو اس قدر غصہ میں بھر کر باتیں کیوں کرتی ہے؟

پانچو کی ماں بولیں - غصہ تو آنا ہی ہوا - خواہ کچھ ہی ہو - آخر عورت ہے - کسی نہ کسی طرح بے حیائی اختیار کر کے ایک درخواست کی وہ بھی نوکشور بابو نے قبول نہ کی - اُن کی عقل پر آفرین ہے - اگر میں ہوتی - تو شرم و نفرت سے گلے میں پھانسی لگا کر مر جاتی!

مالتی اس زہر آلود خفگی اور پوشیدہ طعنہ کو برداشت نہ کر سکی - وہ کہنا چاہتی تھی - کہ تم سب ہمارے کمرے سے نکل جاؤ - مگر اُسی وقت خیال آیا - کہ اِس گھر پر اُس کا کیا حق ہے؟ اِس لئے بالآخر وہ خود ہی وہاں سے اُٹھ گئی - ان لوگوں کے یہ تمام ظاہر و پوشیدہ طعنے کی چوٹیں - اُس کے صبر و استقلال پر بہت زیادہ ظلم سے کام لے رہی تھیں +

مالتی کے چلے جانے پر یہ سب ایک دوسرے کو دیکھکر ہنسنے لگیں - پانچو کی ماں نے ہنسکر کہا - اُف! اتنا دماغ - اگر کوئی ٹھکانا ہوتا - تو ایشور جانے کیا ہوتا - پانچو کی ماں نے یہ بات اس انداز سے کہی تھی - گویا وہ کسی بڑی سلطنت کی مالک ہیں - اور تمام دنیا بالخصوص مالتی اُنہیں کا دیا کھاتی ہے +

جینتی نے کہا چل - چل - دیکھیں تو سہی چھوکری کہاں گئی ہے اُسے یونہی چھوڑ دینا اچھا نہیں +

مالتی کا دل کن کن باتوں کے تیر سے چھیدا نہ ہوگا - سب کی سب آپس میں مشورہ کرتی کرتی مالتی کی تلاش میں روانہ ہوئیں - مالتی اپنے آپ کو ہر قسم کی آفات اور طعنہ زنی کی ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی - اور یہ سب ہات دھو کر اُس کے پیچھے پڑ گئی گئیں - بھاگے ہوئے شکار کے پیچھے تیر انداز جس طرح دوڑتا ہے - اُسی طرح یہ سب مالتی کے پیچھے پیچھے ایک کمرہ سے دوسرے کمرے میں غرض اس طرح تمام مکان میں اُسے پریشان کر رہی تھیں - مالتی کسی کمرے کی تاریکی میں چھپ کر اپنے چوٹ پہنچے ہوئے دل کو دم بھر کے لئے تسکین دینے کا موقع نہیں پاتی تھی - اُس کے لئے یہ مشکل ہو گیا - ہر جگہ اور ہر طرف سے سب کی تیز ترین ملامت خیز نگاہوں کے تیر آ آکر اُس کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر بیرحمی سے نشانہ لگاتے تھے - اتنے بڑے عالی شان مکان میں ایک کونہ بھی ایسا نہیں تھا - جہاں دم بھر کے لئے غریب کو چین ملتا - پنجرے میں پھنسے ہوئے پرند کی طرح - اُسکی پرواز کی خواہش رائیگان و بیسود تھی - ان آئے دن کی نت نئی چوٹوں نے اُس کا رہا سہا استقلال بھی توڑ دیا +

بھٹا چاریہ مہاشے نوکشور سے

بھٹا چاریہ مہاشے نوکشور کو محل میں بھیجکر خود مکان سے ملے ہوئے باغیچہ میں ٹہل رہے تھے۔ وہ کسی دھارمک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مگر اُن کا دل نوکشور میں ہی لگا ہوا تھا۔ آرتی کرنے کا وقت ہو گیا تھا۔ مگر جب تک نوکشور آکر تمام حالات اُنہیں نہ سنا دے۔ اُس وقت تک اُنہیں جانے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ بیچینی سے بار بار دروازہ کی جانب دیکھ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ تمام کمروں میں چراغ روشن ہوئے۔ گوالوں کے گھر کا دھواں شام کی تاریکی اور قدرتی غبار میں ملکر طرب خیز ہوا کے جھونکے میں ایک دل میں گدگدی پیدا کرنے والی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ عین اُسی وقت نوکشور مکان واپس آیا +

بھٹا چاریہ نے آواز دی۔۔۔ بیٹا نوکشور

جی! ۔۔۔ یہ کہکر نوکشور سامنے کھڑا ہو گیا +

بھٹا چاریہ نے پوچھا۔ مالتی نے کیوں بلایا تھا +

وہ یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ اس گھر میں اُس پر بہت ظلم ہو رہا ہے وہ سایا پہنتی ہے۔ اس وجہ سے اُسے کوئی چھوتا تک نہیں۔ اور نہ اپنے پاس بیٹھنے دیتا ہے۔ کسی کام میں ہاتھ تک نہیں لگانے دیتے۔ اس کے علاوہ سب اُس کی طرح طرح سے بے عزتی کرتے ہیں۔ جب تب صلواتیں سناتے رہتے ہیں + چھوٹی بہو کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ اپنی بہن کی لڑکی کی حفاظت آپ نہیں کر سکتیں!

چاچی جی بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی مالتی کے سر پر ہی تمام الزام تھوپ رہی ہیں +

تم نے مالتی سے کیا کہا؟ ۔ اُسے پہنچا دینے کا اقرار کر لیا +

نہیں۔ اسے کہاں لے جاؤنگا۔ اُس کی نگرانی کون کریگا۔ میں نے کہا۔ بہن کے آنے تک تمہیں۔ سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ جب وہ آئیگا۔ تو سب ٹھیک

ہو جائے گا۔

کیونکر!

جب بہن ہمیشہ گھر ہی پر رہیگا۔ تو اس کے خوف سے مالتی پر کسی قسم کے ظلم کا کسی کو حوصلہ نہ ہوگا۔ اور مالتی بھی بہن کو پاکر تنہائی کی وحشت نہ محسوس کریگی!

مگر اس تجویز سے تو مرض میں اضافہ ہوگا۔ اضافہ تو درکنار۔ بہن اگر کہیں ایک دن کے لیئے بھی باہر گیا۔ تو باندھ ٹوٹ جائیگا۔ اور اس زور سے سیلاب کی روانی ہوگی۔ کہ پھر اس کا روکنا مشکل تر ہو جائیگا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا۔ تاہم مالتی کو جب کسی کے پیار و محبت کی دولت نہیں ملے گی۔ تو وہ کس سے مدد لے سکیگی اس کی نسبت تم نے کیا سوچا ہے؟

آپ جو کچھ فرماتے ہیں بجا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ تاوقتیکہ عورتوں کے دل و دماغ تعلیم کی روشنی سے منور نہ ہوں۔ کسی طرح کوئی سہولیت نظر نہیں آتی۔ تو عورتوں کی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا۔ ذراسی بات کے لیئے اتنی طوالت! یہ تو کچھ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عہد کیا ہے۔ کہ جس طرح ممکن ہوگا۔ میں گاؤں گاؤں میں پاٹھ شالہ کھولوں گا۔ لڑکے لڑکیوں کی تعلیم میں سر توڑ کوشش کروں گا۔ اس کے بعد اُسی پاٹھ شالہ کی پڑھی ہوئی لڑکیاں اور بھی اس دائرہ کو وسعت دینگی۔ مگر زمیندار گھرانے کے گھر کی عورتیں کچھ اس قسم کا مزاج رکھتی ہیں۔ کہ ان کو لکھانا پڑھانا آسان نہیں۔ ان کے گھر کی تعلیم و تربیت کا بار کون لیگا؟

یہ بار خود بہن کو لینا پڑیگا۔ ایشور نے خود ہی ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ جب تعلیم یافتہ مالتی اس گھر میں حسن اتفاق سے پہنچ گئی ہے۔ تو سدا اچھا ہی اچھا ہوگا۔

مگر مالتی کو بہن کے ساتھ ساتھ کام کرنے کا موقع کہاں مل سکیگا۔ مجھے تو ایسی امید نہیں پائی جاتی۔ اس گھر کی جاہل عورتیں مالتی کے پیچھے پڑ کر بری طرح سے

اس کا حوصلہ پست کر دیں گی *

بھٹاچاریہ جی خاموشی سے ٹہلتے ہوئے بولے ـــ اچھا یہ بتاؤ۔ تم نے جہاں تک مالتی کا مطالعہ کیا ہے۔ اُس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے *

نوکشور نے پُرجوش لہجہ میں کہا - وہ نہایت سلیم الطبع اور ہنس مکھ اور دلکش ہے۔ اُس کے عضو عضو سے تقدیس کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ آزادی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ امور خانہ داری میں بھی طاق ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ گھر گرہستی کے لئے ہر طور قابل لڑکی ہے *

بھٹاچاریہ جی بدستور ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے بولے۔ مالتی کی حفاظت کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے۔ کہ اُس کی شادی کر دی جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے *

میں ابھی بہت دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر بدھوا بواہ کی بابت کوئی تجویز پیش کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا *

کیوں بیٹا! بدھوا بواہ تو شاستروں کے برخلاف نہیں۔ مگر ملک میں کتنے دنوں سے بند ہے۔ جو ہر طور اچھا کام ہے۔ اُس کے اظہار میں خوف کھانے سے کیونکر چلیگا *

مگر مالتی کے قابل لڑکا کہاں ہے *

بھٹاچاریہ جی نے نوکشور کے سامنے آکر کہا ـــ میں نے ٹھیک کیا ہے۔ کہ ابھی نہیں بتاؤں گا *

نوکشور کچھ دیر تک خاموش رہکر تفکرانہ انداز سے بولا ـــ نہیں بابا - جیسے جوہر ستا اختیار کیا ہے۔ اُس سے مجھے شادی کرنے میں سہولیت ہوگی *

کیا تم مالتی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ سمجھتے ہو *

نہیں یہ بات نہیں۔ اگر میں شادی کرونگا۔ تو مالتی کو اپنی زوجیت میں دیکھکر اپنے آپ کو نہایت ہی خوش نصیب تصور کروں گا۔ مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ میں اپنی تمام طاقت آزادانہ طور سے دریش اپنی ملت

کا کثیر حصہ تعلیم و تربیت میں صرف کریں گے۔ بہن جس قدر دوسروں پر بھروسہ رکھنے والا اور کمزور دل شخص ہے۔ اُسی کے عین مطابق مالتی ہے۔ اِن دونوں کی شادی ہو جائے۔ تو خوب ہو۔ اور اچھی جوڑی ثابت ہو +

مگر بہن کی شادی مالتی کے ساتھ کیا آسانی ہو جائیگی۔ اس میں تو بکثرت رُکاوٹیں پیدا ہونگی۔ اور بڑی بے لطفی ہوگی +

اسی وجہ سے تو اس کی کامیابی کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہوگی۔۔ +

بہن کا امتحان جلد ختم ہو جائیگا۔ میں کلکتہ جا کر اُسے اچھی طرح سمجھا بجھا کر اس طاقت کے برخلاف اُسے تیار کرونگا +

مگر اس وقت مالتی کے ساتھ شادی کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ دونوں کی ملاقات ہو جانے کے بعد دلی حالت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکیگا۔ اُس وقت دیکھا جائیگا۔ یکایک کچھ کرنے سے فائدہ نہیں۔ اچھا! اب تم ٹھہر جاؤ۔ میں آرتی کر کے آتا ہوں۔ اس کے بعد پھر اس مضمون پر گفتگو ہوگی۔۔۔۔۔۔ او مرلی! مجھے ایک لالٹین اور چھڑی لادو۔ +

نوکشور مالتی کی شادی کے بارہ میں سوچتا سوچتا چلا گیا۔ اُس کے دل میں باربار یہی خیالات آرہے تھے۔ کہ مالتی کتنی خوبصورت ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ سلیقہ شعار ہے اُس کی ادائیں کتنی دلفریب اور کشش سے بھری ہوئی ہیں۔ جو کچھ انسان خیال میں لا سکتا ہے۔ مالتی میں وہ تمام باتیں اُس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر وہ زبان سے صرف ہاں کہدے تو مالتی اُس کی ہو سکتی ہے۔ مالتی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے نہایت خوشی سے اُس کے گلے میں مالا پہنا دیگی۔ سکھ کا دروازہ اُسکے سامنے اس طرح کھلا ہوا ہے۔ اور نہایت آزادی سے۔ بالکل بے روک ٹوک!! سکھ اُس کی خوشامدوں کا دم بھر رہا ہے۔ وہ اگر ذرا سا ہاتھ بڑھائے۔ تو اُس کا لطف اُس کو نصیب ہو سکتا ہے۔ مگر نہیں۔ چونکہ وہ لالچ کے خوشنما جال میں پھنسا جا رہا تھا۔ اس لیے اُس نے جبراً مالتی کی طرف سے اپنا دل ہٹا کر سوچنا شروع

کیا کرے۔ کس خواہش کے زیراثر آکر اراد سے کا خاتمہ کردینے کی طرح اُسکا دل کمزور نہیں جس طرح ممکن ہوگا۔ بہن کے ساتھ ہی مالتی کی شادی کرنی ہوگی۔ ایسا ہو جیسے مالتی ایک محبت کرنے والے قابل و موزوں شوہر کی پناہ پائیگی۔ اور بہن جیسا ایک زمیندار اُسکے ہات آجائیگا۔ اور وہ اُن کا پروہت ہوگا ـــــ ورنہ بڑھاپے کی حالت میں پہنچکر اُسے اس گھر کی پروہتائی سے ہات دھونا پڑیگا۔ جس طرح بھی ممکن ہو۔ مالتی کو بہن کے گلے منڈھ کر اُس کے تمام شک و شبہات کا دروازہ بند کردینا چاہئے۔ مگر مالتی تو نہایت حسین ہے۔ دل میں بار بار کیوں یہی خیالات چکر لگا رہے ہیں۔ کہ مالتی نہایت حسین ہے۔ حسن و سلیقہ میں بھی ممتاز ہے۔ اُس کے حسن میں وہ دل کشی و دلاویزی ہے جو ناقابل بیان ہے۔ اتنی حسین! جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ بہت دلفریب! خوبصورت ہے۔ تو کیا ہوا! ہونے دو۔ اگر اُس میں بلا کی دلفریبی و دلاویزی ہے۔ تو ہونے دو۔ موزونیت کے ساتھ اس حسن کو ملانا ہوگا۔ اپنی لالچی خواہشات اور جذبات کے ساتھ۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اپنے عرصہ دراز کے مقاصد و مطالب میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اُسے مالتی کی لالچ کرنی ہوگی۔ اگر مالتی اُس کی ہم خیالی ہوتی۔ تو ہو گئی ہوتی۔ مگر وہ اس کا خیال اپنی غرض سے ترک کر رہا ہے۔ اسی خواہش کے احساس کے ذریعہ نوکشور مالتی کے خیالات دبانے کی کوشش کرنیگا۔ مگر ہوا کے پرشور جھونکوں سے پانی میں ڈوبے ہوئے کمل کے پھول کی طرح مالتی کے وہ نوبہار حسن۔ جوبن اور دلاویز چہرہ۔ نوکشور کے ہیجل پذیر بحر دل میں رہ رہ کر ڈوبنے اور تیرنے لگا۔ وہ کسی طرح اُسے یکدم غرق نہ کرسکا۔

(۱۳)

بین کے آخری امتحان کے دن نوکشور کلکتہ پہنچا۔ پہنچا تو ہی ملازم کی کوششوں سے اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔

کھانا وغیرہ کھانے کے بعد پان رکھاتے کھاتے نوکشور نے ضعیف ملازم سے پوچھا۔ بیچا دادا! بین مکان کب جائے گا کچھ سنا ہے۔

یہ تو میں نے نہیں سُنا۔ بہن بابو تو ہمیشہ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی اور بات یا گھر جانے کے متعلق تو بھول کر بھی نہیں سوچتے۔ تم اب آ گئے ہو۔ اسے کہو کہ گھر چلیں۔ تمام عمر اگر پڑھتے ہی رہیں گے۔ تو زندگی کا سُکھ کب اُٹھائیں گے ۔

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ بغیر سکھ کا احساس کئے دنیا میں کوئی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ ہم لوگوں کو پڑھنے ہی میں سب سے زیادہ سُکھ ملتا ہے۔ پنچا کو یہ جواب پسند نہیں آیا۔ اُس نے چڑ کر کہا۔ تمہیں تو اُن کے گورو ہو۔ اور یہ جتنی خرابی ہے۔ سب تمہاری لائی ہوئی ہے۔ وہ تو سیدھے ہیں۔ راجہ کا لڑکا! اگر وہ خواب و خیال چھوڑ کر اور عیش و آرام ترک کر کے مزدوروں کی طرح زندگی بسر کرے۔ تو کس لئے؟ کیا اُسے نوکری کر کے اپنا پیٹ پالنا ہوگا۔ یا تمہاری طرح پاٹھ شالہ کھول کر لڑکے پڑھانا ہونگے۔ ان سب کے لئے لکھنا پڑھنا تو محض فضول ہے ۔

کیا چارہ! نوکشور نے ہنسکر کہا۔ شاباش دادا! بہن کی مصروفیت کیلئے "کبھی کچھ سامان کیا جا رہا ہے؟"

پنچا نے اپنی دونوں گول گول گانجے کے دھوئیں سے سیاہ آنکھیں دکھا کر کہا یہ کیا باسمتا ۔

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ تمہارے بہن بابو کی شادی کی خواہش ہو رہی ہے ۔

یہ خبر سنکر پنچا نے نہایت اطمینان کا اظہار کر کے کہا۔ تو نوکشور بابو کہاں شادی طے ہو گئی ہے۔ تاریخ مقرر کر لی ہے۔ لڑکی کہاں کی ہے۔ کتنی بڑی اور کیسی ہے :

پنچا نوکشور کا جواب سنے بغیر شیطان کی آنت کی طرح کہتا گیا ۔۔۔ مہاراج کی شادی جب ہوئی تھی۔ اُس وقت اُن کی عمر بارہ برس کی تھی۔ اور رانی جی نے اُس وقت پانچویں سال میں قدم رکھا تھا۔ ہماری بڑی رانی ماں بھی ہونے کی لکشمی تھی۔ بہن کے پیدا ہوتے ہی وہ سورگ کو چلی گئیں ۔

پنچا کندھے پر پڑے ہوئے تولئے سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگا ۔۔۔ اسی سال میرا بشنو نامی لڑکا بھی مر گیا۔ اُس سال دیش میں خوب بارش ہوا تھا۔۔

اس بات کو آج تینتیس برس ہوئے۔ بیٹے ہی تو ہپن کو اپنی گودیوں میں کھلا کر اتنا بڑا کیا ہے۔ مجھ سے تو اس کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ اس وقت پنچ دادا بوڑھے ہو گئے ہیں۔ کوئی اُن کی بات نہیں سنتا۔ شادی کا تذکرہ کرنے پر ہپن بابو کہتے ہیں۔ پنچا دادا! ابھی شادی کی عمر تو نہیں گزر گئی۔ اتنی جلدی کیوں پڑی ہے۔۔۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ ماں نے جواب دیا۔ عمر گذری نہیں جاتی۔ تو کیا ٹھہری ہوئی ہے۔ ۔۔۔۔۔۔ یہ سن کر سرشت وہ ہنس دیتے ہیں۔ چھوٹی رانی ماں نہایت خوش نصیب ہیں۔ بڑے پن کے پھل سے انہوں نے ایسا لڑکا پایا ہے۔ وہ بھی ہپن کی اس بات سے ناراض ہیں۔ مہاراج خود نہیں پسند کرتے ہیں۔ مگر ہپن بابو تو کسی بات سنتے ہی نہیں۔ وہ اگر کسی بات مانتے ہیں۔ تو صرف تمہاری۔ اور تم کچھ کہتے ہی نہیں۔۔۔۔ اس مرتبہ نہ معلوم تم نے کیا سوچ کر ہپن بابو کی شادی کی بات کہی ہے ہو تجویز کر لی گئی۔ دیکھیے ہے لڑکی کتنی بڑی ہے؟

نوکشور نے ضعیف نوکر کے یہ بلا صنعت تمیز محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ سن کر ہنستے ہنستے کہا۔ ہاں پنچا دادا! تو شادی تو ایک طور پر طے ہو گئی ہے۔ یہ ہو گیا ہے۔ حور ہے۔ عمر بھی اٹھارہ انیس۔

پنچا نے دانت نکال کر کہا۔ ہے ہے۔ تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔

نوکشور نے سنجیدہ شکل بنا کر کہا۔ مذاق نہیں۔ پنچ دادا۔ سچی بات ہے۔ ہپن بابو اب خوب جوان ہو چکے ہیں۔ اُن کے لیے نو برس کی لڑکی کیا زیب دے گی۔ اسی وجہ سے اٹھارہ برس کی لڑکی کی تجویز کی ہے۔

پنچا نے متحیر ہو کر کہا۔ مگر یہ کیا! ایک ادھیڑ عورت کے ساتھ اُن کی شادی اتنی بڑی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے سے تو شاستروں نے بھی منع کیا ہے۔ چودہ برس کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا نرک میں جانا ہے۔

پرانے شاستر اور پرانی باتیں ہم نے سب چھوڑ دی ہیں۔ اب نیا شاستر چلیگا۔ چھوٹی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے سے سب نرک میں جائیں گے۔ ہمارے نئے شاستر

کے یہی احکام ہیں +

چھی چھی۔ ایسی کرسٹانی باتیں نہ کہو۔ تم براہمن ہو۔ تمہارے منہ سے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں +

پنچ دادا! جنہوں نے شاستر رچے ہیں۔ وہ بھی تو ہماری طرح براہمن تھے وہ لوگ جہاں جہاں غلطی کر گئے ہیں۔ یا اُس زمانے کی تہذیب کو مدنظر رکھکر احکامات تجویز کئے ہیں۔ ان تمام غلطیوں کی اصلاح تو ہمیں ہی کرنی ہوگی +

پنچانے دانتوں تلے زبان دبا کر کہا۔ چھی۔ چھی۔ ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے تم ابھی لڑکے ہو۔ ابھی خون میں گرمی ہے جوش ہے۔ جدت ہے۔ اسی وجہ سے کسی کی نہیں سُنتے۔ اس سے پاپ ہوتا ہے۔ یہ شاستر دیوتاؤں کے رچے ہوئے ہیں۔ انہیں دیوتاؤں کی بے عزتی ہوتی ہے +

دیوتاؤں نے قلم دوات لیکر شاستر نہیں لکھے۔ دیوتاؤں کا جو شاستر ہے۔ وہ سچائی کا شاستر ہے۔ ہر ذی روح کے دل میں گیان کے حرفوں میں صفحہ عقل پر وہ شاستر کے احکامات مرقوم ہیں۔ اُسی شاستر کو جو بغور مطالعہ کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں فی الحقیقت ہمارے دیش میں وہ رشی منی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رشی منی بھی ہمارے جیسے انسان تھے۔ اُن سے غلطی نہیں ہوتی جانتے ہو نہ؟ کیا تم نے نہیں سُنا۔ بڑے بڑے رشی منی بھی غلطی کرتے ہیں۔ گھر کی بلی جنگل میں جا بسے ہی بن بلاؤ کے نام سے موسوم کیجاتی ہے۔ ہم لوگ بھی اگر ہزار برس پیشتر پیدا ہوتے۔ تو ہم بھی تمہاری نگاہوں میں قابل تعظیم ہوتے۔ صرف یہی کیوں۔ تم لوگ مندر مندر میں ہماری مورتی قایم کرکے سیندور چندن چڑھاتے +

رام! رام! تمہارے ساتھ کون جیت سکیگا بھائی! جب بھٹاچار یہ مہاشے کے لڑکے نے انگریزی پڑھ لی۔ تو پھر ذات دھرم کہاں رہیگا +

نو کشور کے قہقہوں سے تمام مکان گونج اُٹھا۔ بولا ۔۔۔ تم بھی تو تمام باتوں کے پابند نظر آتے ہو۔ کیا تم مسلمان کی چھوئی ہوئی برف نہیں پیتے؟ سوڈا نہیں استعمال

کرتے ؛ تمہاری بھی ذات تو جاتی رہی۔ اس مرتبہ جب گھر چلو گے۔ تو تمہیں ذات سے باہر کر دیں گے۔ اور جب برادری تمہیں اپنے میں شامل کرے گی۔ تو ستر اسی روپے خرچ ہو جائیں گے ؛

حالت اچھی نہیں ہے یہی دیکھ کر چچا نے کہا۔ بھائی! جو مناسب معلوم ہو وہی کرو۔ میں تو محض جاہل شخص ہوں۔ اس کے علاوہ بڈھا ہو گیا۔ اب تو مجھے موت آ جاتی۔ تو ہی اچھا تھا ؛

چچا آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ نوکشور بستر پر دراز ہو کر قدیم و جدید خیالات کی ادھیڑ بن میں ہمہ تن مستغرق ہو گئے ؛

شام کے بعد پنڈت تارک کو ساتھ لیے ہوئے گھر آیا۔ نوکشور کو دیکھ کر مسرت آمیز لہجہ میں بولا۔ واہ۔ واہ کشور بابو۔ اتفاقیہ ملاقات! کب آئے؟ اور تو سب خیریت ہے نا؟

تارک نے اپنے لاغر و نحیف چہرے سے بڑے بڑے تمام دانت نکال کر کہا۔ کیوں بھٹاچاریہ جی اچھے تو ہو؟

نوکشور نے کہا ـــــــ سب خیریت..... لمحے بعد ـــــ پنڈت بابو! امتحان کے پرچے کیسے کیے؟

بہت اچھے نہیں۔ پاس ہو جاؤں گا۔ فسٹ ڈویژن میں پاس ہوں گا یا نہیں یہ قطعی نہیں کہہ سکتا۔ فزیالوجی کا پرچہ کسی قدر خراب ہو گیا ہے۔ اور نفسیات کا پرچہ بھی کچھ قابل اطمینان نہیں ہوا ؛

دیگر پرچے تو سب اچھے ہوئے ہیں۔ پھر کوئی خوف نہیں۔ گھر کب جاؤ گے؟

اب تو تم آ گئے ہو۔ جب کہو گے ؛

جانے سے پیشتر بہت سی باتوں میں مشورہ کر کے پھر گھر جانا ہو گا ؛

کیا مشورہ؟

وہ بہت سی باتیں ہیں۔ اس وقت جلدی میں نہیں کہہ سکتا۔ اب

منہ دھو دُ۔ شام کے بعد بات چیت کریں گے۔ اب تم جاؤ۔ جب تک تارڑ کا کے ساتھ جنگ شروع کر دیتا ہوں +

تارک نے دانت باہر نکال کر گال پھلا کر کہا ــــ بہت بہتر ــ کس مضمون پر جنگ چھڑیگی۔ بدھوا بواہ یا ذات پات کا جھگڑا۔ اور یا بحری سفر پر +

نوکشور نے ہنسکر کہا ــــ یہ بکریوں کی طرح پتے چبانا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ چبائے ہوئے کو چبانا اچھا نہیں ہے۔ وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑاتے تھے۔ تم تو دور جدید کی سپوت اولاد ہو۔ کوئی نیا مضمون پیدا کرو +

تارک نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ مثلاً ؟

نوکشور نے بھی آستین سنبھال کر سنجیدگی سے کہا:۔ ایک طرف تو تم یہ کہتے ہو کہ لڑکیوں کے دروپدی کی طرح پانچ شوہر ہونے چاہئیں۔ جس سے اُسکی عصمت پر کوئی حرف نہ آسکے۔ کاش! اُن پانچوں میں سے کوئی مر بھی جائے۔ تو عورت بیوہ نہ کہلائے۔ اور بدھوا بواہ سے وہ باپ کی حصہ دار نہ بنے۔ یا تم یہ کہو گے۔ کہ پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کی آنکھیں نکال لی جائیں۔ اور زبان بھی کاٹ دی جائے۔ تاکہ بالغ ہونے پر بواہ و تکمیب کا جھگڑا باقی نہ رہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ سب تم ابھی اپنے ہاتھ سے رنگا کر دکھائیں۔ جس سے وہ اپنی ذات پات سے باہر نہ ہوں۔ اور اُن کے دادا پردادا نرک میں باون لاکھ سال تک غوطے نہ کھاتے رہیں۔ کیونکہ تمہارے خیال پر عذر ممکن نہیں۔ کہ لڑکیاں اور عورتیں دیگر فرقے سے تعلق رکھتی ہیں!۔۔۔ یہ تمثیل میں نے نمونتاً پیش کی ہے۔ تم تو اس قسم کے نئے نئے اصولوں کی تراش خراش کرتے رہو گے۔ تمہارے نئے اصولوں پر جو تنقیدیں ہونگی۔ وہ بھی بالکل عجیب و غریب ہونگی۔ منو کے زمانے کے اصول جیسے قدیم ہیں۔ اُنکی تنقیدیں بھی اُتنی ہی قدر عمیق ہوں گی۔ اس لیئے عقلا کا فرض ہے۔ کہ وہ اِن باتوں پر کسی قسم کی تنقید یا تحقیق سے کام نہ لیں +

تارک نے نوکشور کی باتیں سُن کر یہ نتیجہ نکالا۔ کہ نوکشور بحث مباحثے کے لیئے

تیار نہیں۔ اور اُس کا مدعا اس وقت محض تمسخر و تضحیک سے ہے۔ وہ بخوبی سمجھتا تھا۔ کہ نوکشور کے معمولی سے معمولی مذاق میں بھی کس قدر زہر آلود تیر چھپے رہتے ہیں۔ اس لیئے وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ بولا۔ اُف! ایک بڑی ضروری بات یاد آگئی۔ میں ابھی آتا ہوں ٭

نوکشور نے کہا۔ تو اس وقت ان تمام باتوں کو کچھ دیر کے لیے ملتوی کر کے پھر کسی دن دیکھا جائیگا۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ کہ تمہیں کوئی بہت ضروری کام ہے ٭

اُف! بہت ضروری ہے ٭

لیکن اگر میں اس وقت تمہیں چھوڑ دوں۔ اور بحث مباحثہ بند کر دوں۔ تو؟

کیوں؟ کیا میں بحث مباحثہ سے گھبراتا ہوں؟ اچھا ٹھہرو۔ میں ابھی اُلٹے پاؤں واپس آتا ہوں! یہ کہہ کر تارک فوراً کمرے سے باہر ہو گیا ٭

تھوڑی دیر بعد بپن نے نوکشور سے پوچھا۔ تارک کہاں گیا؟

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ ہمارے نئے شاستر کا اشارہ پا کر بھاگ گیا۔ کہہ گیا ہے۔ کہ میں ابھی آتا ہوں۔ مگر آج اُس کے آنے کی کوئی اُمید نہیں نظر آتی ٭

بپن نے ہنستے ہنستے کہا:۔ چلو ہم لوگ برآمدے میں بیٹھیں ٭

دونوں دوست برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے۔ جسم پر ملیدہ کی چادر تھی۔ کلکتہ کے دھوئیں کی چادر اور گرد و غبار نے موسم سرما کی ہوا کو بےحس و حرکت کر دیا تھا۔ وہ جیسے سہم سی گئی تھی۔ اُس گرد و غبار میں گیس کی روشنی ناریل اور سپاری کے درختوں کے پتوں پر تھرکتی ہوئی ٹمٹما رہی تھی۔ گویا بہت دور آسمان پر چراغ سحری کی طرح صبح کے مدھم تارے جھلملا رہے ہیں۔ اُس روشنی میں تمام کلکتہ جیسے بادلوں میں چھپے ہوئے چاند کی طرح لپیٹ میں آگیا تھا۔ رہ رہ کر مکانوں میں بچوں کی چیخ و پکار اور سائیسوں کا شور و شر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے نشہ شراب سے سرشار شرابی متوالا ہو کر راستے میں جھومتا اور مزخرافات بکتا جاتا ہے۔ گاڑیوں کے گھوڑے تمام دن کی مسافت

تنگ آکر آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ دونوں دوست ان نظاروں اور لوگوں کے ہجوم دیکھتے ہوئے آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ نوکشور نے پین سے پوچھا انچھا پین! تمہارے خاندان میں تو کسی نے تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی۔ تم اس تعلیم کا بار اپنے سر پر لیکر کیا کروگے؟ کیا زمینداری کے حساب کتاب میں ہی تمام قابلیت صرف کر دوگے۔ اور اس سے یہی فائدہ اٹھاؤگے۔

پین نے ہنسکر کہا: گھر میں کیا اور لوگ نہیں ہیں۔ میں تو بےفکری اور اطمینان سے بیٹھکر شاعرانہ تصانیف اور شعرا کے کلام کا مطالعہ کروں گا۔ کیا کہوں شاعری پر کچھ غور و خوض کرنے سے وہ مزہ آتا ہے۔ جو معشوق کے لب جاں بخش کے پہلے بوسے میں اسی قسم کے ایک ناقابل بیان لطف کا احساس ہوتا ہے۔ واہ وا! کیسا روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس لطف کو چھوڑ کر میں جمع خرچ اور وصول باقی کا درد سر خریدونگا۔ رام رام! تم کیا کہتے ہو!

نوکشور نے ہنسکر کہا: گھبراؤ نہیں۔ معشوق کے لب جاں بخش کے جس بوسہ کے متعلق تم نے تذکرہ کیا ہے۔ وہ جلد ہی تمہیں نصیب ہوگا۔ اس وقت تمہیں اسکا پورا پورا لطف حاصل ہوگا۔ اور تم اس طرف سے لاپرواہ ہو جاؤ گے۔ کہیں اسے پاکر یہ سب نہ بھول جانا۔

پین نے ہنستے ہنستے کہا:۔ نہیں بھائی! یہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس وقت تو علم کی طرف میری توجہ کا رخ اور بھی بڑھ جائیگا۔ جذبات و تخیلات کے اظہار کے لئے اس کی سخت ضرورت پڑیگی۔ جبا دار اور شرمسار دل جن خیالات کے اظہار سے قاصر رہیگا۔ شاعر اسے کسی نہ کسی طرح اظہار کر دیتا ہے۔

اتنے میں وہاں تارک آگیا۔ پین نے کہا:۔ سنتے ہو تارک! نوکشور بابو میری شادی کے لئے بے چین ہو اٹھے ہیں۔ مگر میں اس قدر خود غرضی کو کب گوارا کرسکوں گا کیونکہ دونوں ایک ہی راستے کے مسافر ہیں۔ کوئی محروم نہ رہنے پائے۔ بھائی نوکشور! حقیقت تو یہ ہے۔ کہ تمہاری دیکھ بھال کے لئے ایک عورت کی بڑی ضرورت ہے۔

تم تو رات دن دوسروں کی بھلائی کے خیال میں اس قدر غرق رہتے ہو۔ کہ تمہیں اپنی نسبت کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ تم فلاسفر شخص ہو۔ فلسفہ کی کتابیں لیے ہوئے اسی میں محو رہتے ہو۔ اپنی طرف دیکھنے اور غور کرنے کا تو تمہیں موقع ہی نہیں ملتا۔ جب تم اس غور و خوض اور تحقیق میں مصروف رہوگے۔ کہ تیل کے رکھنے کے لیے کٹورا بنایا گیا ہے۔ یا کٹورے کے لیے تیل تیار کیا گیا ہے۔ اسی اُدھیڑبن میں تیل کٹورے سے گر پڑیگا۔ کہیں تیل نہ گر پڑے۔ اس دیکھ بھال کے لیے تمہیں ایک نگراں شخص کی ضرورت ہے۔ بتاؤ اُسے کب گھر میں لاؤگے +

نوکشور نے ہنستے ہنستے کہا:۔ بھائی! تم بڑے آدمی ہو۔ اگر تم وقت کی پروا بھی نہ کرو۔ تو اتنا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ہم لوگ غریب شخص ہیں۔ جب تک کچھ کام نہ کرینگے گذر بسر کیونکر ہوگی؟ شاعری اور علم ادب پر غور و خوض کرنا صرف تمہارے ہی لیے موزوں و مناسب ہے۔ ہم لوگ تو جب تک کام نہ کرینگے۔ ہمارا کام کیونکر چلیگا۔ مگر اطمینان رکھنا۔ تمہیں یوں ہی نہیں چھوڑ دونگا۔ پربتا کا آنچل چھڑا کر تمہیں گھسیٹ کر باہر لاؤنگا یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ تمہارے جیسی چلتی رقم سے میں موہ لیے بغیر ہی تمہارا دامن چھوڑ دونگا۔ بھول کر بھی ایسا خیال نہ کرنا +

تارک نے سنجیدگی سے پوچھا:۔ تم ہمیشہ کنوارے رہکر کیا گھر بار چھوڑ دوگے؟

نوکشور نے کہا:۔ کیوں؟ کس دُکھ سے گھر بار چھوڑ دوں گا؟

دُنیا میں رہوگے۔ اور شادی نہ کروگے۔ یہ کیا؟ نہ تو تم سنیاسی ہی رہوگے اور نہ گرہستی!

کیوں؟ سنیاسی ہوکر گھر بار چھوڑ دینا ہوگا۔ یہ تو کوئی بات نہیں۔ سچا سادھو تو وہی ہے۔ جو گھر گرہستی میں رہکر حقیقت پسند شخصیتوں کو راہ نیک دکھائے۔ ملک کی خدمت کرے۔ اُس میں جو کچھ قابلیت اور فیض ہو۔ اُس سے دوسروں کو فیضیاب کرنا۔ اُس کا حقیقی دھرم ہو۔ تعلیم و تربیت حاصل کرے۔ اُس سے خود ہی فائدہ اُٹھانا کم ظرف لوگوں کا کام ہے۔ جو عالی ظرف ہیں۔ وہ خود فیضیاب ہوکر دوسروں کو بھی فیض پہنچاتے

ہیں۔ جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے۔ وہ اس لئے نہیں۔ کہ خود ہی اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ بلکہ اس لئے کہ مُلک کو بھی اُس سے نفع پہنچاؤ۔ علم و ہنر کسی ایک شخص کی میراث نہیں۔ براہمنوں کو ہمارے دیس میں اسی وجہ سے قابل تعظیم سمجھتے ہیں۔ جو تعلیم سے بہرہ ور ہونے ہوئے بھی اس کی اشاعت میں سرگرمی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنے عظیم الشان فرض سے منہ چراتے ہیں۔ اور اپنی اس حرکت سے تمام براہمن قوم کے دامن پر دھبہ لگا رہے ہیں۔ اس لئے سماج میں تعلیم یافتہ اشخاص کی ایک زبردست ذمہ واری ہے۔ دولتمند علما کی ذمہ واریاں اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں +

بپن نے نوکشور کی بات کا مطلب سمجھ کر کہا۔ میں حتی المقدور اُسی اصول کی پیروی کروں گا۔ مگر تم تو یہ بخوبی جانتے ہو۔ کہ میں کیسا لاپرواہ اور سست الوجود شخص ہوں۔ تم کسی نہ کسی طرح اس کام کی ابتدا کر دو۔ اور مجھے کام میں لگا دو۔ پھر میں سب کچھ سنبھال لونگا۔ مگر تمہیں بہر طور میری نگرانی کرنی پڑیگی +

نوکشور نے کہا۔ میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ اور وہ یہ کہ پہلے قرب وجوار میں کتنے ہی گاؤں تجویز کئے جائیں۔ بعد ازاں ہر ایک گاؤں میں ایک ایک پاٹھشالہ قایم کی جائے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ پڑھیں گی۔ اُن کیلئے پہلے کتابوں کی ضرورت نہیں۔ وہ اُن بچوں کو زبانی تصاویر اور نقشے وغیرہ دکھا کر پڑھنا شروع کریں۔ فیس بھی برائے نام ہی ہو۔ تاکہ غریبوں کو اپنے لڑکے پڑھانے میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہ محسوس ہو۔ میز کرسی کی ضرورت نہیں۔ کسی سرسبز درخت کے سایہ میں لڑکے بیٹھیں گے۔ جیسے زمانہ قدیم میں لڑکے پڑھتے تھے۔ عین اُسی طرح! جس مکان میں ماسٹر رہیں گے۔ اُسی مکان میں سکول کا ضروری مگر مختصر سامان رکھدیا جائیگا۔ ماسٹر بھی خود تجویز کروں گا۔ اور اُن کو اس قابل بناؤں گا۔ کہ میرے خیال کے مطابق تعلیم دے سکیں۔ تم مظفرپور میں بیٹھکر دیگر ضروری انتظام کرنا۔ میں گاؤں گاؤں گھوم پھر کر یہ تمام کام کرونگا۔ جب ہمیں کسیقدر اپنے مقصد میں کامیابی ہو جائیگی۔ اُس وقت گاؤں گاؤں میں ایک چھوٹا سا کتبخانہ بنا دیا جائیگا۔ اور

منظور ہو تو ہیں اس کام ضرور ہو گا۔ بہت بڑی لائبریری رہے گی۔ اس سے سب لوگ فائدہ اٹھا ئیں گے۔ جہاں جہاں مڈل کلاس تک سکول ہیں۔ ان پر خاص توجہ کرنی پڑیگی بلکہ ہماری پاٹ شالاؤں سے ان کو بڑی تقویت پہنچیگی۔ لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونگی۔ ان کے لئے بھی بڑے بڑے سکولوں کی ضرورت پڑے گی اور وہ بھی قائم کرنے ہونگے۔ جب لوگوں کو تعلیم کے فوائد ذہن نشین ہو جائیں گے۔ اُس وقت وہ سب خود ہمارے کام میں مددگار ثابت ہونگے۔ اگر اس کام میں تم نے توجہ دی تو تمہاری قابلیت اور دولت دونوں مبارک سمجھی جائیں گی ۔

نارک نے دانت نکال کر کہا۔ کرنے سے اور کہنے سے بہت بڑا فرق ہے۔ شاعروں کی طرح خیالی پلاؤ پکاتے ہو۔ کسی کام کا بار لینا بہت اہم اور مشکل ہے ۔

نوکشور نے کہا:- ٹھیک ہے۔ اسی لئے تو کام کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے!

پپن نے نارک کی بات پر توجہ دیکر کہا۔ اس وقت ہم لوگوں کو کام شروع کرنے کے لئے روپیہ کہاں ملیگا؟ بابا تو ان سب فوائد کو سمجھ نہ سکیں گے؟

نوکشور نے کہا:- تم نے تین بار یونیورسٹی کا امتحان پاس کیا ہے۔ اس خوشی میں تمہارے والد صاحب نے تین ٹکڑے زمین کے دیئے ہیں۔ اور اس مرتبہ بھی ایک اور ملیگا۔ ان کے اختیارات اور آمدنی سے تمہیں دستبردار ہونا پڑیگا ۔

پپن نے کہا:- مگر جب تم گورنمنٹ سے اس معاملہ میں کوئی مدد نہ لوگے۔ اُس وقت تک تمہاری یہ تعلیمی کوششیں اور عملی کاروائیاں کیا وہ نیک نظر سے دیکھیگی بالفرض تم گورنمنٹ کے ساتھ تعلق بھی پیدا کر لو۔ تو اُس کا بار سنبھالنے کی طاقت ہم لوگوں میں کہاں ہے ۔

نوکشور نے کہا:- نہیں بڑوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں بڑے جھنجھٹ ہوتے ہیں۔ اُن کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں۔ کیونکہ ہم اُن کی پیروی نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہمیں تمام جھگڑوں سے الگ رہکر آزادی سے صرف اپنی عورتوں کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ ہمارا سماج فرقہ اناث کی تعلیم کو ہمیشہ خطرناک

سمجھتی ہے۔ محض اس خیال سے کہ چولھا چکی چھوڑ کر کہیں عورتیں ہات دھو کر مردوں کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ وہ اسے کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرتے۔ کہ جہالت کی تاریکی سے ہی دن بدن قوم پر تباہی آتی جا رہی ہے۔ علم سے انسان کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایک حقیر انسان کو دوسروں کے ہمسر بنا دیتا ہے۔ نہ کہ دشمن۔ مثال کے طور پر تم اپنے ہی گھر میں دیکھو۔ مالتی سے سب لوگ اس وجہ سے نفرت کرتے ہیں۔ کہ وہ تعلیم و تربیت کی نہایت دلدادہ ہے۔ جب سے اس نے تمہارے مکان میں قدم رکھا ہے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہے +

چمن نے بیتابانہ انداز سے کہا:- کیوں کیا ہوا؟

نوکشور کہنے لگا:- پہلا سبب یہ ہے۔ کہ مالتی بیوہ ہونے پر بھی ایک جوڑی چوڑی اور کنارے دار ساڑھی پہنکر گئی تھی۔ مگر اُس نے جاتے ہی سب کچھ چھوڑ دیا۔ اُس نے یہ سب اپنے نادیدہ شوہر کی یادگار کی تعظیم میں نہیں چھوڑا۔ اور نہ خوشی سے ترک کیا ہے۔ بلکہ سماج کے جور و ظلم سے اُسے مجبوراً یہ سب چھوڑنا پڑا ہے +

تارک زعم میں آ کر بول اٹھا۔ جو سماج کے اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا اُس پر سماج کو سو بار جبر و ظلم کرنے کا اختیار ہے ...... +

نوکشور نے تارک کی اس پر زعم گفتگو پر توجہ نہیں دی۔ وہ کہنے لگا۔ دوسرا سبب یہ ہے۔ کہ مالتی بہاپا پہنتی ہے۔ وہ اُسے کسی طرح چھوڑنا نہیں پسند کرتی۔ تیسرا سبب یہ ہے۔ کہ اُس نے یہ قبول کر لیا ہے۔ کہ لکھنا پڑھنا جانتی ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے۔ کہ وہ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتی۔ پانچواں سبب یہ ہے۔ وہ مردوں کو دیکھتے ہی جلدی سے بھاگ جانا شرم کی بات سمجھتی ہے۔ انہیں تمام لغویات اور فضولیات کی وجہ سے وہ اُن تمام لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہو گئی ہے کوئی اُسے بات بھی نہیں پوچھتا۔ کسی کام کو ہات نہیں لگانے دیتے۔ وہ اُسنے آرام میں پڑی ہوئی تن تنہا غیر یگانہ کی مصیبتیں جھیل رہی ہے۔ گھر جا کر تمہارا مقدم ترین فرض یہ ہو گا۔ کہ تم مالتی کی ہر طور حفاظت کرو۔ اور اُس کی خاطر خواہ دلدہی کرو۔ اسکے بعد سب لوگوں

کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر کے تعلیم پر زور دو۔ مالتی کو اگر تم اپنا مددگار بنا لوگے۔ تو وہ تمہارے کام میں بہت کچھ ہاتھ بٹا سکے گی۔ اور تمام کام اس حسن و لیاقت سے انجام پائیں گے۔ کہ لوگ دیکھکر عش عش کریں گے +

نارک بات کاٹ کر بیچ میں ہی بول اُٹھا۔ خبردار! اس قسم کا کام ہرگز نہ کرنا۔ تمہاری یہ کرسٹانی چالیں اور مقاصد ہمارے پُرسکون مکان میں آگ مشتعل کر دینگے جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو۔ میں اس سے تمہیں باز رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ عورتوں کو اس لپیٹ میں کیوں لاتے ہو۔ ہماری خاندانی لکشمی عورتوں کو اس میں شامل کر کے اُن کا ستیاناس کرنے سے تمہیں اطمینان نہ حاصل ہوگا۔ اور نہ کسی طرح کامیابی ہوگی +

بپن نے بیکس و بے بس مالتی پر اپنے گھر والوں کے مظالم کی داستان سنکر جوش میں آ کر کہا:۔ اگر ان آفات و مصائب کے دور کرنے میں آگ مشتعل کرنیکی ضرورت بھی پڑی۔ تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اور اگر میں اس معاملہ میں اُس کی مدد نہ کر سکا۔ تو خود بھی اسی آگ میں جل مروں گا۔ خاندان کے ساتھ تمام تعلقات منقطع کر لوں گا۔ مگر بے کس و بے بس عورت پر ظلم کیا جائے۔ یہ میں پھوٹی آنکھوں بھی نہیں دیکھ سکوں گا +

بپن کو جوش میں دیکھکر نوکشور کو اطمینان حاصل ہوا۔ طمانیت آمیز لہجہ میں بولا۔ تعلقات منقطع کرنے سے کام نہیں چلیگا۔ ماں بہن کو چھوڑنا دانشمندی کا کام نہیں۔ اُن کے ساتھ تمام تعلقات رکھتے ہوئے بپن کچھ دیر تک خاموش رہکر بولا:۔ اچھا نوکشور! اگر مالتی کی شادی کر دی جائے" تو؟

نوکشور نے ہنسکر کہا:۔ لڑکا کہاں ہے؟

بپن نے ہنسکر کہا:۔ تم +

نوکشور نے ہنستے ہنستے کہا:۔ پہلے تم مالتی کو ایک بار دیکھلو۔ اس کے بعد دوسروں کا نام لینا +

بہن ہلنے لگا۔ تارک نے اپنا تمام چہرہ سرخ کر کے کہا:۔ تم لوگ اس قدر گئے گذرے ہو۔ کہ برہمچارنی بدھوا کو لیکر اس طرح اُس کا مضحکہ اُڑا رہے ہو۔ یہ بخوبی سمجھ لو۔ کہ ابھی تک قدیم ہندو سماج موجود ہے۔ اب بھی اُس میں بہت کچھ جان باقی ہے۔ اُس بروت طاقت سے مقابلہ کرنا تمہارے جیسے لوگوں کا کام نہیں۔ اس سے تمہارا بھلا نہیں ہوگا۔ اور نہ شانتی ملے گی۔ ہرگز نہیں۔ یہ میں پہلے سے ہی تمہیں بتائے دیتا ہوں ۔

تارک یہ کہکر مباحثہ کے خوف سے فوراً کمرے سے باہر نکلگیا۔ تو کشور و بہن دونوں قہقہہ لگاتی ہوئی اسکے پیچھے دوڑے ۔

(۱۵)

بہت دنوں بعد امتحان سے فارغ ہو کر بہن گھر جا رہا تھا۔ گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ فرطِ مسرت سے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ مالکہ کا دل آج ماں کے غرور سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچتی تھیں۔ اسی پھاگن کے مہینے میں وہ لڑکے کی شادی نہایت ہی دھوم دھام سے کریں گی۔ بہو گھر میں آئیگی۔ آج کی یہ خوشی اور راگ و رنگ اُسی خوشی اور جلسہ کا پیش خیمہ ہے۔ مالکہ کو خوش دیکھکر مکان کا بچہ بچہ آج خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ روہنی نے تو جیسے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ اِدھر اُدھر آتی جاتی دکھائی دیتی تھی۔ گھر کی اور بہوئیں بھی اپنی اپنی بے چینی کو روکنے میں ناکامیاب ہوتی تھیں ۔

اس جوش و خروش اور ہنسی خوشی میں دو عورتوں کا دل دریائے شک میں غوطے کھا رہا تھا۔ یہ چاچی جی اور مالتی تھیں۔ بہن کی آمد آمد میں وہ سب کے ساتھ مل کر اُس خوشی میں شریک ہونگی۔ یا تنہائی میں بیٹھی رہیں گی۔ وہ یہی نہ طے کر سکی تھیں۔ اگر وہ سب کیساتھ ملتی ہیں۔ تو ہر شخص کی اُنہیں پر نظر پڑے گی۔ اور وہ کٹا رنہ معلوم دل کے کس حصہ میں چبھ جائے۔ تنہا رہنے سے بھی لوگ بُرا بھلا کہیں گے۔ وہ اسی اُلجھن اور پریشانی میں گرفتار تھیں۔ چاچی جی بہن کو اپنے پیٹ کے لڑکے

کی طرح پیار کرتی تھیں۔ اُن کے دل میں قدرتاً یہ خواہش ہو رہی تھی۔ کہ بہن کے آتے ہی وہ سب سے پہلے اُسے آشیرباد دیں۔ بہن نے بڑے دنوں میں اُن کی جو مدد کی ہے۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ بھولی جا سکے۔ مگر اُس میں صرف مالتی کی موجودگی نے ہی رُکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ بعد میں خبر نہیں۔ کیسے کیسے جھگڑے بکھیڑے پیدا ہوں۔ چاچی جی اسی وجہ سے پس وپیش میں پڑی ہوئی تھیں۔ مالتی کی وجہ سے وہ اپنی قدرتی خواہش پوری نہیں کر سکتیں۔ اور نہ کسی کے ساتھ رل جل سکتی ہیں۔ اور اگر وہ مالتی کے ساتھ نہ لیکر اکیلی جائیں۔ تو یہ بھی مناسب نہیں ——— چاچی جی کے لیئے بھی ایک زبردست مسئلہ پیش ہو گیا۔ اور وہ اسی غور و خوض میں پڑ گئیں +

مالتی کے دل ہی دل میں سُکھ اور جھجک دونوں کی چوٹیں چل رہی تھیں۔ نوکشور نے کہا تھا۔ بہن کے آتے ہی اُس کی تمام مصیبتوں اور دُکھ درد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آج اُس کے دُکھ درد کا دور کرنے والا بہن آج آرہا ہے۔ اُس کے دیکھنے کیلئے مالتی دل ہی دل میں بے چین ہو اُٹھی۔ اُس نے جو اپنے صفحہ دل پر ایک خیالی تصویر منقش کی تھی۔ اُس سے ملنے کی آج زبردست خواہش ہو رہی تھی۔ مگر اُسے خوف معلوم ہو رہا تھا۔ شاید لوگ بعد میں کچھ اور کہیں +

بہت غور و خوض کرنے کے بعد چاچی جی نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ مالتی کو ساتھ لیکر وہ بہن کو آشیرباد دیں گی۔ اور مزاج پرسی کرینگی۔ مگر مجمع کے رہیں۔ اور جب بہن کے آنے پر گھر میں گول مال و شور و غل مچنا شروع ہو گا۔ تو وہ مالتی کو لیکر واپس آجائیں گی +

چاچی جی نے مالتی سے کہا۔ اری مالتی سُنتی ہے یا نہیں۔ چل نیچے۔ چل اُٹھتا ہے۔ آج بہن آرہا ہے۔ جہاں سب کی سب عورتیں کھڑی ہوئیں بہن کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہاں اگر ہم دونوں نہ گئیں۔ تو اچھا نہ ہوگا۔ مگر ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ تو سب سے پیچھے رہنا۔ سمجھی! اس طرح بڑی بڑی آنکھیں نکلے

ہوئے کیا دیکھ رہی ہے؟ اُس وقت اس طرح نہ دیکھنا۔ ورنہ انرتھ ہو جائے گا۔ اور جب میں آواز دوں۔ اُسی وقت چلی آنا۔ سمجھی۔ ...... مر بخت! کیا سیندور کھا لیا۔ بولتی کیوں نہیں؟ ہاں نہیں کا جواب کیوں نہیں دیتی ہے! گھونگھٹ نکال رے ...... نہ بابا! میں تجھے لیکر نہ جاؤنگی۔ تو تو میری ایک بات بھی نہیں سُنتی ÷

مالتی نے کہا۔ میں اتنا بڑا گھونگھٹ نہ نکال سکوں گی۔ مجھے اُس سے بڑی شرم معلوم ہوتی ہے ÷

مر بخت! گھونگھٹ نکالنے میں شرم! اور منہ دکھانے میں شرم نہیں آتی ...... تیری باتیں بھی دنیا سے نرالی ہیں۔ جو جی میں آئے۔ وہ کر۔ تجھے موت کیوں نہیں آتی؟ یہ کہکر چاچی جی جلدی سے چلی گئیں۔ مالتی بھی کسی طرح اُن کے پیچھے پیچھے چلی۔ مگر پھونک پھونک کر قدم دھرتی تھی ÷

مالکہ اُس وقت جیا سے چاچی جی اور مالتی کا ہی تذکرہ کر رہی تھیں۔ نندجی! چھوٹی بہو کی عقل دیکھتی ہو۔ آج اتنے دنوں بعد جب میرا بین گھر آ رہا تھا۔ تو آج بھی اپنی بہن کی لڑکی کو لیئے ہوئے کمرے میں بیٹھی ہیں!!

جیا بڑی چالاک لڑکی تھی۔ وہ مالکہ سے خوشامدانہ باتیں کر کے اُنہیں اپنی مٹھی میں رکھتی تھی۔ مگر اُس وقت اُن کی بات سنکر وہ یہ اندازہ نہ لگا سکی۔ کہ مالکہ کے دل کی ہوا کا رُخ کس طرف ہے؟ اور کس طرف کھڑی ہو کر وہ تمام گرد و غبار پھینکے۔ تاکہ ہوا اُسے اپنی روانی میں اُڑا لے جائے۔ اگر اندازہ غلط لگایا گیا۔ تو اپنے ہاتھ کے گرد و غبار سے ہی اپنی آنکھیں بھر جائیں گی۔ اس میں تعجب کی کون سی بات تھی؟ اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جیا کی آنکھوں کو دل کھول کر اپنی روانی دکھاتی ہوگی۔ جیا یہ بخوبی سمجھتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ٹٹول ٹٹول کر کہنے لگی۔ ہاں! سچ تو ہے۔ چھوٹی بہو کہیں نظر نہیں آتیں!

عین اسی وقت چاچی جی آکر دور پر کھڑی ہوئیں۔ مالکہ نے انہیں دیکھ کر

چُپ چاپ جیا سے کہا:- جیا نند! دیکھتی ہو- پہن کی آمد سنکر کوٹھڑی سے باہر آئی ہیں- مگر پہن کو اُنہوں نے کہاں سے پایا- مجھ سے تو ہی پایا ہے!

جیا نے متانت آمیز لہجہ میں گردن جھکا کر کہا- ہاں! یہ تو بالکل ٹھیک ہے- پہلے تم! پھر پہن! سب کی ابتدا تو تمہیں سے ہے- ایشور کرے- پہن میرے بالوں کی طرح سفید بال کرے- دیدی! دیکھتی ہو- مالتی میم بھی تشریف لائی ہیں- منہ پر ذرا بھی گھونگھٹ کا نام نہیں- پہن کو اپنا حُسن دکھا کر اُسے بس میں کرنا چاہتی ہے۔

مالکہ نے منہ پھیر کر مالتی کی طرف دیکھا- اُس مغموم و متفکر مگر حسین چہرے میں کہیں بھی شوخی یا اچپلاہٹ کا نام و نشان نہیں- کشمکش اور متصادم جذبات سے دونوں آنکھیں جیسے شرم کے مارے نیچے جھکی پڑتی تھیں- اُس وقت مالکہ کے دل میں بار بار زور و شور سے یہی خیال آنے لگا- اس سے زیادہ بڑا اور ضروری گھونگھٹ جیسے کسی کا بھی نہیں- اُس وقت اُنہوں نے جیا کو طعنہ دیکر کہا:- میرا پہن ایسا لڑکا نہیں- اُس نے باپ کا ایک عیب بھی نہیں قبول کیا۔

جیا اس پوشیدہ طعنہ سے شرمندہ ہو کر اس کدورت کو دبانے کے لئے جس وقت بے چین ہو رہی تھی- عین اُسی وقت باہر سے اُس کے کانوں میں بندوق کی آواز سنائی دی- اور رو رہی تالیاں بجاتی- شور مچاتی- لپکتی جھپکتی آکر بولی:- دادا آتے ہیں! دادا آتے ہیں!!

مالکہ اس طرح بکنے جھکنے لگیں- کس کمبخت نے یہاں خالی گھڑا رکھا...... ہٹاؤ- ہٹاؤ...... بھر دو- بھر دو! مر کمبخت! سب کی سب بیوقوف اور جاہل ہیں- جسے دیکھو سب کی سب ملکر گھوم رہی ہو- جلدی کرو- پہن آیا ہی چاہتا ہے۔

پانچ سات نوکرانیاں خالی گھڑوں میں پانی بھرنے لگیں- دیگر عورتیں جا بجا چکر لگا کر پہن کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

تھوڑی ہی دیر میں بھی دیکھتے دیکھتے پہن کمرے میں داخل ہوا- بنی اُسے دیکھتے ہی فوراً دوڑ گئی- اور دونوں پاؤں پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

بپن نے لڑکوں کو پیار کرکے ماں کی طرف قدم بڑھایا۔ مالکہ نے کہا:۔ تو انا پڑھ لکھ کر اور بھی بے وقوف بن گیا۔ پہلے ٹھاکر جی کو پرنام کر پھر مجھے...... +

بپن نے ہنسکر کہا:۔ ماں! میرے لیئے جو کچھ ہو۔ وہ تمہیں ہو۔ ٹھاکر جی تم سے بڑے نہیں ۔ ٹھاکر جی تو میرے دل میں ہیں۔ پہلے میں تمہیں پرنام کرونگا +

مالکہ نے خوش ہو کر ہنستے ہنستے کہا:۔ تم سب انگریزی پڑھ کر کرشٹان ہو گئے ہو پھر بھی جب تک میں جیتی ہوں۔ میری مرضی پر چلو +

بپن نے ہنسکر کہا:۔ اچھا! کیا کرنا ہوگا؟ فوراً کہو +

مالکہ نے پھر اکھڑا دکھا کر کہا:۔ پہلے اسے پرنام کر۔ تمام خواہشیں پوری ہونگی +

بپن نے کہا:۔ نہیں ماں! مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ کہ میں ایسی ویسی چیزوں کو پرنام کروں۔ میں تمہیں کو پرنام کروں گا۔ یہ کہکر اُس نے ماں کے قدموں میں سر جھکا دیا۔ اور قدموں کی خاک پیشانی پر لگائی۔ مالکہ نے محبت آمیز لہجہ میں کہا:۔ کیا تو ماں کے سوا اور کسی کو نہ مانیگا۔ اس کے بعد انہوں نے بپن کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر اپنا ہاتھ چوم کر کہا:۔ ابھی تو ماں کی اتنی محبت کرتا ہے۔ جب بہو آئیگی اُسوقت دیکھے

بپن نے ہنسکر کہا:۔ تمہیں اس بات کا خوف ہے۔ اسی وجہ سے تو میں بہو کا جھگڑا نہیں پالنا چاہتا +

شادی کا تذکرہ ہوتے ہی بپن کو مالتی کی یاد آئی۔ اُس نے چاروں طرف نظر ڈالکر پوچھا۔ ماں چاچی جی کہاں ہیں؟

مالکہ نے چاروں طرف نظر کرکے چاچی جی کو نہ دیکھکر کہا:۔ ابھی تو یہیں تھیں خبر نہیں۔ کہاں چلی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ بہن کی لڑکی کو لیکر چلی گئیں۔ جا تو روہنی! بلالا +

بپن نے بات کاٹ کر کہا:۔ نہیں روہنی! بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی جاتا ہوں +

مالکہ منع نہ کرسکیں۔ مگر چاچی جی کی طرف بپن کی کشش دیکھکر اُن کا دل کسی قدر

ناخوش ہُوا ۔

جباؔ نے سوچا تھا۔ بپن اُسے پرنام کرے گا۔ مگر اُس کوئی آثار نہ دیکھکر چاچی جی کی خوش قسمتی پر وہ بھی دل ہی دل میں بہت کڑھی ۔

بپن چاچی جی کے کمرے کی طرف چلا۔ لڑکے بچے بھی پیچھے پیچھے شور مچاتے چلے۔ بہوئیں بھی دبے پاؤں روانہ ہوئیں۔ آج بپن کو دیکھ کر سب خوشی سے پھُولی نہ سماتی تھیں۔ گویا وہ نیا بن کر سب کے پاس آیا ہے ۔

بپن نے چاچی جی کے کمرے کے پاس جاکر اُنہیں آواز دی۔ وہ جلدی سے نکل آئیں۔ بپن نے جھک کر پرنام کیا۔ چاچی جی نے کسی طرح اپنے آنسو روک کر بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ ایشور کرے بیٹا! تم سکھی ہو۔

مالتی کو دیکھنے کے لئے بپن کا دل اندر ہی اندر بیچین ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے اُس نے کہا۔ چاچی جی! کمرے میں چلوگی۔ یا دروازہ سے ہی رخصت کردوگی؟

چاچی جی نے لاپروائی اور بددلی سے کہا۔ آؤ بیٹا آؤ! اگر تم یہاں دیر کروگے۔ تو دیدی جی ناراض ہونگی!

ماں کا غصہ کتنی دیر رہتا ہے۔ یہ کہکر بپن کمرے میں داخل ہُوا ۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی بپن نے دیکھا۔ ایک نوخیز لڑکی جس نے اپنی ضیائے حسن سے کمرے کا کونا کونا منور کر دیا ہے۔ چپ چاپ سمٹی سمٹائی کھڑی ہے۔ بپن کو دیکھتے ہی اُس کی نگاہوں میں شرم۔ کشمکش اور شوخی پذیر انداز نے سفید ہو کر جیسے اُس کے شمع حسن کا گُل جھاڑ کر اُسے اور بھی منور کر دیا ۔

بپن از خود رفتہ نگاہوں سے دیکھتے دیکھتے سوچنے لگا۔ یہی مالتی ہے! اس قدر حسین۔ حسن دلپذیر کی یہ تصویر تو شاعر کے پیکر خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ آنکھیں ہیں یا بادہ الفت کے پیمانے! وہ شوخ اور منتر کس چتونیں! ہائے! یہ نگاہیں۔ جن کے بسط میں فضا کی وسعت کم ہوسکتی ہے۔ دونوں رخسار گل گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند سرخ و دلفریب۔ دہن انار کے پھول کی طرح لطافت و ملاحت میں عمدہ! عضو عضو میں

بلا کا نکھار اور غضب کی بانکپن ہے۔ یہ تو جیسے سورتی سمی اُوشا دیوی کی طرح معلوم ہوتی ہے مجسم موسم بسنت کی دلاویز رنگیوں سے مزین!!

پپن و مالتی کی نگاہیں چار ہوئیں۔ پپن کی یہ جذبات آلود اور پرکیف نگاہیں دیکھکر مالتی کی شرم آگین نظریں جھک گئیں۔ دونوں نگاہوں کے ملاپ میں حقیقت نے مجاز کا راستہ دکھایا۔ بہت دیر تک یہی کیفیت رہی۔ مالتی کے چہرے پر زیر لب تبسم کی شعاعیں نمودار ہوئیں۔ اُس کے چہرے کا گندمی رنگ پھولوں کی طرح اپنی شفق پذیر آب و تاب دکھا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے مالتی کے اُس صبیح چہرے میں آفتاب کی زرین شعاعوں سے گلکاریاں کی گئی تھیں۔ پپن نے دیکھا۔ اُس بے عیب چہرہ میں اُن جاں نواز ہونٹوں میں۔ یہ تبسم دنیا کے بہترین مصوروں کی قابلیت کے خط و خال ہیں +

پپن کو دیکھکر مالتی کے دل میں بھی ایک مد و جزر کا عالم پیدا ہو گیا۔ اُس نے دیکھا۔ پپن کا رنگ سانولا ہے۔ اور قد موزوں۔ چہرے پر بیحد ملاحت و لطافت۔ خنداں پیشانی ہنستا ہوا چہرہ۔ آنکھوں میں ہمدردی و دلسوزی کا رس بھرا ہوا ہے۔ اُس کی صاف شفاف نگاہوں میں اُس کی فطرت جھانک کر دیکھ رہی ہے۔ پپن کا ایک ایک عضو جیسے اُسکے جذبات و خیالات کی تصویر ہے۔ اُسے اپنا ہمدرد اور دردرس شخص سمجھکر مالتی نے دل ہی دل میں نگاہوں کے ذریعہ سے پرنام کیا۔ دو دل پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے سے مل کر ایک ہو گئے۔ دوئی جاتی رہی +

پپن اور مالتی کی ان نگاہوں کے تبادلہ میں چاچی جی کی نگاہ اپنا کام نہ کر سکی۔ اس سے وہ دل ہی دل میں ایک بے چینی محسوس کرنے لگیں۔ مالتی نے پپن کو دیکھنے کے لیئے جونہی دوسری بار سر اُٹھایا تھا۔ اُسی وقت چاچی جی نے آنکھوں کے اشارہ سے اُسے خبردار کر دیا تھا۔ یہ ڈانٹ بھی پپن سے پوشیدہ نہ رہی +

جب مالتی کمرے سے باہر جانے کیلیئے دروازے کی طرف چلی۔ پپن نے عین اُسی وقت کہا اس وقت ماں کے پاس جاتا ہوں۔ یہ کہکر وہ یکایک دوسرے دروازے کی طرف چلدیا +

اُس عالی شان مکان میں دو دروازوں سے ہوتے ہوئے ایک جگہ ہین اور مالتی دونوں کا ملاپ ہوا۔ ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر نگاہوں ہی نگاہوں میں ہی پیام رسانی ہوئی۔ مالتی کی بڑی بڑی آنکھوں میں پلکوں کے نیچے سے ترچھی چتونوں نے ہین کی طرف اضطراب حجاب آگیں نظر ڈالی۔ گویا اُس نے آج ہین میں اپنا آسرا۔ تسکین و تسلی۔ اور محبت کی تصویر دیکھی۔ اس کے بعد مالتی دروازے کے باہر کھڑی ہوئی عورتوں کی بھیڑ میں مل گئی ۔

اسی ایک مختصر نگاہ میں ہین نے دیکھ لیا۔ کہ مالتی کی نگاہ نے خائف ہوکر قرابت کے تعارف کا اظہار کیا ہے۔ اُس کے عضو عضو میں شباب کی تلاطم خیز موجیں پانی میں تھرکتی ہوئی چاندنی کی طرح ایک پُرسکون زندگی کی جلوہ نمایاں دکھا رہی تھیں ۔
ہین مفتوں و بیخود ہوگیا۔ پھر جہاں تاب کی موجودگی میں نگاہوں کے روبرو جیسے سینکڑوں آفتاب کی تصویریں رقص کر رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگا۔ فضائے نور میں اتنی تھرتھراہٹ کہاں سے آگئی۔ تمام کائنات جیسے تھرتھر کانپ رہی تھی۔ ہین کے اندر باہر مالتی کے حسن کا نور جلوہ نما ہوگیا۔ اُس نے جا بجا سے پھر مڑکر دیکھا مگر مالتی نظر نہ آئی۔ اُس کا اتنی دیر سے شگفتہ چہرہ یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ اُس کے دل میں آیا۔ یہ نوخیز اور سراپا کمال ہستی سے گھر والوں کی ملامت خیز نگاہوں کا شکار ہو رہا ہے۔ اتنے بڑے خاندان میں اس ستم رسیدہ کا کوئی پرسان حال نہیں۔ تن تنہا بیکسی اور بے بسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ رحم اور ہمدردی سے اُس کا دل بھر آیا۔ اُس کے دل میں بار بار یہی خیالات آنے لگے۔ اِن دقیانوسی خیالات کے پابند لوگوں سے اُس کی نہ بنے گی۔ اپنے خاندان میں خود بھی تو وہ اکیلا ہے۔ اگر وہ کسی طرح مالتی کے ساتھ ربط ضبط بڑھا سکے۔ تو دونوں کی زندگی بن جائے۔ اور دونوں دامِ مصیبت سے رہائی پا جائیں۔ اِس ملاقات اور تعارف میں دونوں کی بھلائی ہے۔ اس گھر میں رہکر دونوں کا ربط ضبط ہونا بہت ضروری ہے ۔

ہین نے مالتی سے بات چیت کرنے کی سینکڑوں تدبیریں سوچیں۔ مگر کسی تدبیر

سے دلی تسکین نہ ہوئی۔ صرف یہی خیال بار بار دل میں آنے لگا۔ سب کی نسبت جو آسان ترکیب تھی۔ وہ نوکشور نے دھوکا دیکر پہلے ہی مجھ سے چھین کر استعمال کر لی ہے۔ ہائے ہائے! اُس دن اگر بہن نوکشور کے ساتھ مالتی کے گھر جاتا۔ تو مالتی سے اُس کا تعارف اور جان پہچان تو ہو جاتی۔ اور آج گفتگو کا موقع تلاش کرنے کے لیئے اس طرح سرگردانی نہ کرنی پڑتی۔ ہائے! اُس کی عقل پر ایسا پردہ کیوں پڑ گیا؟ سوچتے سوچتے اُس کے دل میں خیال آنے لگا۔ گویا نوکشور نے اُسے داؤں بیچ میں لا کر مالتی سے تعارف پیدا کر لیا ہے۔ اگرچہ بہن کو اس پر یقین نہ آیا۔ تاہم اُس کے بحرِ دل میں رشک و حسد کی ترنگیں موج زن ہونے لگیں +

منہ زور جذبات کے زیر اثر آیا ہوا بہن انہیں خیالات کی اُلجھنوں میں اپنے آپکو دیر تک پھنسائے رہا۔ خیالات اور جذبات کے جال کو پھیلا کر وہ جس قدر مالتی کو گرفتار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُسی قدر وہ خود بھی اُس میں پھنسا جا رہا تھا۔ اور آزادی کا راستہ نہ پاتا تھا۔ مالتی کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے وہ جتنا زیادہ بے چین ہو رہا تھا۔ اتنا ہی اُس کے روبرو تمام تدابیر و تجاویز مشکلات کی مجسم شکل اختیار کیئے ہوئے دکھائی دیتی تھیں۔ اُس کے دل میں رہ رہ کر خیال آنے لگا۔ کہ اگر میں اپنے وزیر نوکشور کی پناہ میں آجاؤں۔ تو میری تمام اُلجھنوں اور مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ نوکشور کی آسان تر کامیابی اُس کی اس مشکل تر کوشش کا مضحکہ و تمسخر اڑائیگی۔ اس شرم سے بہن کسی طرح بھی نوکشور سے مشورہ لینے کے لئے تیار نہیں ہوا +

جب بہن چاچی جی کے کمرے سے واپس آیا۔ اُس وقت وہ بہن جیسے پہلے کا سا بہن نہیں رہا تھا۔ وہ جس طرح خندہ پیشانی اور شگفتہ چہرہ لیکر گیا تھا۔ اب اُسے بحرِ تفکر میں غرق اور اُترا ہوا دیکھ کر لوگ طرح طرح کے خیالات میں غوطہ زن ہو گئے۔ مالک نے سوچا۔ یقیناً چھوٹی بہو نے ایک بات کو دس کر کے نمک مرچ لگا کر لڑکے کو متفکر و پریشان کر دیا ہے۔ دیگر عورتوں نے سوچا۔ یہ سب مالتی کی کرامات ہے اور اُس نے اچھی طرح بہن کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے +

اسی جھونک میں مالکہ نے جو منہ میں آیا۔ چاچی جی کو بک جھک ڈالا۔ دیگر عورتوں نے مالتی کو طعنے دینے شروع کیے۔ مگر ستم رسیدہ مالتی خاموشی سے ہر قسم کے تیروں کی بوچھاڑ برداشت کرتی رہی +

پپن کو گھر آئے تین چار دن ہو گئے تھے۔ مگر اُس نے مالتی کو اُس دن کے سوا بھول کر بھی نہ دیکھا۔ اُس کی طبیعت پریشان ہو اُٹھی۔ اُس نے پہلی ملاقات میں ہی سوچ لیا تھا۔ کہ کشت دل میں محبت کا بیج پڑ چکا ہے۔ اور اُس میں آنکھو بھی نکل آیا ہے۔ اب وہ بہت جلد بار آور ہو گا۔ پھل پھول نکلیں گے۔ اور اُنہیں پھولوں کو لیکر مدن کی طرح ہمیشہ نوجوان رہنے والا دیوتا۔ جو تیر اپنی کمان سے چلائے گا۔ اُس کی چوٹ وہ تن تنہا نہیں برداشت کریگا۔ اُس چوٹ سے بے چین ہو کر مالتی بھی کسی نہ کسی طرح کوئی بہانہ بنا کر آنے جانے اُسے نظر آئے گی۔ پپن نے دیکھا۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا۔ وہ غلط ہے ـــــ مالتی پپن کے احاطہ میں بھول کر بھی قدم نہیں رکھتی۔ پپن کے غیر ضروری آنے جانے کے راستہ میں بھی اتفاقیہ نظر نہیں آتی۔ جب وہ حظ شوق سے چاچی جی کے کمرے کی طرف بیتابانہ اور از خور رفتہ چال سے جاتا تھا۔ تو شرم اور ایک ناقابل بیان جذبہ سے دل ہی دل میں خود ہی پانی پانی ہو جاتا تھا۔ وہ رہ رہکر یہی سوچتا تھا۔ جیسے اُسکا یہ تمام جعل و فریب گھر کی ایک ایک شئے محسوس کر کے اُس پر اف زن ہے۔ کچھ دنوں تک تو وہ کسی نہ کسی طرح آتا جاتا رہا۔ مگر بعد میں جیسے کسی نے اُسکے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدیں۔ تاہم وہ کو چھیڑ سے بچھا بجھا کر جب وہ چاچی جی کے کمرے میں جاتا تھا۔ تو مالتی وہاں نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ وہ اُس کی آہٹ پا کر دور ہٹ جاتی تھی۔ جس چاچی جی کے کمرے میں اُس کا ہر وقت ٹھکانہ تھا۔ اُسی چاچی جی کے گھر میں وہ اب دم بھر کے لئے بھی ٹھہرنا پسند نہ کرتا تھا۔ جب وہ وہاں جاتا تھا۔ تو چاچی جی منہ بنا کر بھویں چڑھا کر کہتی تھیں ـــ بابا تم میرے کمرے میں اِس چال سے نہ آؤ۔ دیدی جی ناراض ہونگی۔ اپنی چال سے کیوں مجھپر آفت لاؤ گے ـ ایسی حالت میں پپن وہاں کب ٹھہر سکتا تھا؟ اُس کے لئے

غیر ممکن ہوگیا۔ چاچی جی کی یہ سنگ دلی اور مزاج کی تبدیلی دیکھکر ہین جھنجلا کر وہاں سے چلا آیا تھا۔

(١٦)

میل وملاپ کے راستہ میں رکاوٹ دیکھکر جذبات غم سے گرانبار ہین جھنجلا اُٹھا۔ مگر اُسے مالتی کی نہایت احتیاط و کوشش آمیز سلیقہ شعاریوں نے اُسے محتاط بنا دیا۔ مالتی کے یہ طور اطوار دیکھ کر ہین کی گرمجوشیوں میں بہت کچھ سرد مہری آگئی۔ رفتہ رفتہ اُس کے دل میں یہ خیال آیا۔ مالتی بدھوا ہے۔ بدھوا بیواہ کے متعلق ہین کی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو؟ مگر اُس کا یہ سلوک محبت کی بجائے ایک بیعزتی کا باعث ہے۔ اس کے علاوہ مالتی اُس کے سایہ میں پناہ گزین ہے۔ ایسی حالت میں ہین کی جانب سے کوئی خاص سلوک یا تقریر موقع مناسب پا کر مالتی کو بہت کچھ سوچنے کے لئے مجبور کر سکتی ہے۔ وہ آزاد ہونے پر ہین کا تمام شرم و حجاب۔ تکلف دور کر دیگی۔ اس پر بہت کچھ غور و خوض کرنے کی ضرورت تھی۔ ہین نے سوچا اگر میں اپنی خاطر و مدارات سے مالتی کا تالیف قلوب کروں۔ تو اُس کے مظالم میں اس سے اور بھی تقویت حاصل ہوگی۔ وہ اپنی بھرپور طاقت سے اپنے آپ پر ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بالآخر اس کشمکش سے وہ پریشان ہو اُٹھا۔ اُس نے محسوس کیا۔ کہ اتنی وسیع دنیا میں وہ ہر طرح تن تنہا ہے۔ امتحان کے بعد ہی سے وہ بیکاری میں ایک قسم کی وحشت اور اُلجھن محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو اور اپنی تمام طاقتوں کو کسی عظیم الشان کام میں لگا دینے کے لئے بیچین ہو اُٹھا۔

اُس وقت ہین نے سوچا کہ کلکتہ سے واپس آتے ہوئے اُس نے نوکشور سے مشورہ کیا تھا۔ کہ وہ اپنے خاندان کی تمام عورتوں کو تعلیم دینے کے لئے ایک پاٹھشالہ قایم کریگا۔ ایک دن ہین اپنی ماں کے روبرو تمام عورتوں کی موجودگی میں یہ کہا۔ دیکھو ماں! میں نے سوچا ہے۔ کہ ہر روز دوپہر کے وقت تم لوگوں کو کوئی اچھی سی کتاب سنایا کرونگا۔ دوپہر کے وقت تم لوگوں کو تو کوئی کام نہیں رہتا۔

بے فائدہ تاش اور چوپڑ میں وقت ضایع ہوتا رہتا ہے۔ اس سے تو یہ بہت بہتر ہے۔ کہ دو چار اچھی اچھی باتیں سنا کرو۔ کہو! تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟

اس تجویز پر کسی نے بھی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ مالکہ نے لڑکے کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ بہت اچھا! کل اسی دالان میں سب کی سب بیٹھ کر سنیں گی۔ تو پڑھنا +

جیا نے بہن کو خوش کرنے کی غرض سے کہا:۔ میں بھی سنوں گی۔ مگر بھائی! دیکھو۔ انگریزی نہ پڑھنا۔ انگریزی پڑھنے اور سننے کے قابل کچھ نہیں۔ پانچو پڑھتا ہے۔ میں سنتی ہوں۔ صرف گھوڑے گدھے۔ اور گھاس کاٹنے والے قصے کے اور کچھ نہیں۔ یہ کہکر جیا نے پانچو کی ماں کے چہرے پر نظر ڈالی۔ جیسے اگر کوئی اس کی بات سمجھ سکتا ہے۔ تو وہ صرف پانچو کی ماں!

پانچو کی ماں نے دو انگلیوں سے اپنا گھونگھٹ اٹھا کر آنکھیں نچا کر ہنستے ہنستے کہا:۔ جیا بوا! تم بہت جھوٹ نہ بولا کرو!

جینتی نے کہا:۔ نہیں۔ انگریزی ونگریزی کے قصے ہم لوگوں کو اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ کمل کامنی۔ گل بکاولی —— یہی تمام قصے خوب ہیں +

دامنی نے تفاخرانہ انداز سے کہا:۔ یہ سب تو مہابھارت کے قصے ہیں +

مالکہ نے پُرجوش لہجہ میں کہا:۔ ہاں! ہاں! بہن۔ تو مہابھارت پڑھنا۔ وقت بھی کٹ جائیگا۔ اور پنیہ بھی ہوگا +

بپن نے ہنسکر کہا:۔ اچھا یہی ہوگا۔ کل سے میں مہابھارت پڑھونگا۔ مگر تم سب کو بیٹھ کر سننا ہوگا +

جیا نے کہا:۔ تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟

بپن کے جانے کے بعد تمام لڑکیاں ایک ایک کرکے دوسرے کمرے میں جا کر اکٹھی ہوگئیں۔ پانچو کی ماں بول اٹھی۔ یہ بھی ایک نیا جھگڑا اٹھا ہے +

جینتی نے کہا:۔ ہاں! ٹھیک تو ہے۔ دوپہر کے وقت ذرا دیر کے لئے آرام

کرنے کا وقت بھی نہ ملیگا۔ نہ آپس میں بات چیت ہو سکیگی۔ منہ باندھکر چپ چاپ بیٹھنا ہوگا۔ کھیلنا کودنا بھی بند ہوگا۔ بھائی! مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکیگا۔ غنودگی آجائیگی۔ پن داوانے یہ بھی ایک مصیبت پیدا کردی!

جیانے کہا ۔ اری اتنی فکر کیوں کرتی ہے؟ پن متحمل مزاج شخص نہیں۔ دو دن بعد اُس کا تمام جوش و خروش جاتا رہیگا۔

دوسرے دن دوپہر کو بڑے دالان میں فرش بچھا۔ مجلس جمی۔ پن کیلئے علیحدہ ایک آسن بچھایا گیا۔ پن کاشی پرسنو کی لکھی ہوئی مہابھارت لایا۔ اور ایک بار چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سب کی سب دالان میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صرف چاچی جی کرہ کے پاس والے دالان میں دروازہ کے پاس زمین پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور اُنہیں کے پیچھے دروازے کی آڑ میں چھپی ہوئی اور ایک ہستی تھی۔

پن نے ایک لمبی سانس لیکر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے اُس کا دل جوش میں آگیا۔ وہ مہابھارت کے کارناموں۔ تواریخی مقامات۔ قدیم نوشتہ جات سوسائٹی کی حالت۔ اور طرز معاشرت پر دقیق و نکتہ رس نگاہیں ڈالتے ہوئے اُس نے مہابھارت سے تمثیل پیش کرکے بخوبی ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ زمانہ قدیم میں ہندوستان میں ذات پات کی تفریق نہیں تھی۔ چھوت چھات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ بدھواؤں کی از سرنو شادی ہو سکتی تھی۔ صغیر سنی کی شادی پر لوگ خواب میں بھی خیال نہ کرتے تھے۔ یہ کیا ہوگیا۔ اور اس قدر تبدیلی کیونکر آگئی۔ اسے مدلل سمجھانے میں بھی گو پن نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُس کی جادو بیانی دیکھکر تمام کی تمام عورتیں دنگ رہگئیں۔ پن پڑھتے پڑھتے جب یکایک نگاہیں اُٹھا کر دیکھتا تھا۔ اس وقت اُسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ بڑی بڑی آنکھوں کے پیمانے مبتیابانہ انداز سے دروازے کی آڑ سے اُس کی تمام باتوں کا آب حیات خود ہی نوش کر رہے ہیں۔ اُس کی نگاہیں چار ہوتے ہی جیسے وہ بڑی بڑی خمار آلود نگاہیں فرط سرور سے اور بھی نیچے جھک گئیں۔ تمام کی تمام خموشی سے سن رہی تھیں

اور ایک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ مگر دروازے کی آڑ میں دبی دبائی بیٹھی ہوئی نازنین کے بحر دل میں کیسی تموج خیز لہریں اُٹھ رہی تھیں میں اسے بخوبی سمجھ گیا۔

میں نے یہ کہکر کہ "بس آج یہیں تک" پڑھنا بند کر دیا۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کسی کا انتظار کئے بغیر بغل میں کتاب و یاکروالان سے ہوتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ جاتے ہوئے ایکبار پھر دروازہ میں بیٹھی ہوئی نازنین کی حجاب آلود نگاہوں سے اپنی نظریں دو چار کرتا گیا۔

جیانے چٹکی بجانے بجانے زور سے جمائی لی۔ جینتی نے دامنی کو دھکا دیکر ہنستے ہوئے کہا۔ اری دامنی! گر پڑیگی۔ پانچو کی ماں نے گھونگھٹ ہٹا کر سانس لیا۔ مالکہ نے کہا:۔ آؤ! جیا نندا، ذرا تاش کھیلیں۔ رُوہنی! جا تاش لے آ!

چاچی جی آہستہ آہستہ اُٹھکر چلی گئیں۔ مالتی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ وہ پہلے ہی نہ معلوم کب اُٹھ کر چلی گئی!

(۱۷)

جب میں نے عورتوں کی یہ سبھا قایم کی۔ تو نوکشور بھی بیٹھکر نہ رہ سکا۔ وہ منھر اُور کے قرب و جوار میں جا بجا پاٹ شالائیں کھول رہا تھا۔

نوکشور کی قابلیت اور اُس کا شہرہ سُنکر کتنے ہی نئے طالب علم داخل ہونیلگے ان میں سے کوئی ویاکرن۔ کچھ سمرتی۔ بعض ویدانت۔ غرض اسی قسم کے مضامین پڑھنے کی غرض سے آئے تھے۔ نوکشور نے اُن لوگوں سے کہا:۔ دیکھو! ہمارے یہاں یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ کہ پہلے اپنی مادری زبان سنسکرت پر اچھی طرح عبور حاصل کیا جائے اس سے بہت کچھ فیض پہنچیگا۔ سنسکرت علم ادب کے ساتھ ساتھ انگریزی علم ادب کا بھی بہر طور مطالعہ ضروری ہے۔ جو ان قوانین کی پابندی نہ کریگا۔ وہ اس پاٹ شالا سے فائدہ نہ اُٹھا سکیگا۔

ابھرام نامی ایک طالب علم نے تحیر آمیز نگاہوں سے دیکھکر کہا:۔ پھر تو یہ پورا پورا اسکول ہو گیا۔ اگر غیر زبان کا سیکھنا ہی ضروری ہے۔ تو یہاں آنیکی کیا ضرورت

نوکشور نے متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ یہ پاٹ شالائیں اُن لوگوں کے سئے کھولی گئی ہیں۔ جو باقاعدہ تعلیم پاکر زمانہ حال کی روشنی کے مطابق اپنا طرز عمل بنانا چاہتے ہیں۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ یہاں سے رخصت ہو کر نوارن مکرجی کی پاٹ شالا میں جا سکتے ہیں ٭

یہ سنکر تمام طالب علم خاموش رہ گئے۔ نوکشور کہنے لگا۔ تعلیم ختم ہونے کے بعد ہر طالب علم کو گورو دکشنا دینی ہوگی۔ اور داخل ہوتے ہوئے اس کے لئے چند الفاظ لکھ دینے ہونگے ٭

ابھرام مخوف نگاہوں سے نوکشور کی طرف دیکھکر بولا۔ یہہ تو بڑی مشکل بات ہے ٭

نوکشور نے کہا۔ ابھرام! ڈرنے کی بات نہیں۔ ہر طالب علم کا ضروری فرض ہوگا۔ کہ وہ یہاں سے اکتساب علم کر کے تین برس تک ہماری کسی پاٹ شالا میں بطور معلم کام کرے ٭

اسقدر میں وہاں نواب علی اور اُن کے لڑکے عصمت علی نے آکر نوکشور کو سلام کیا۔ نواب علی ہری بہاری بابو کے گانوں میں رہتا تھا۔ نوکشور نے نہایت خوش خلقی سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنے پاس بُلالیا ٭

ابھرام نے رُکاوٹ آمیز لہجہ میں کہا۔ اُوپر بالکل ہی پاس آجاوُگے کیا؟

نوکشور نے غضب آلود نگاہوں سے ابھرام کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیوں؟ اُس میں ہرج ہی کیا ہے؟

ابھرام نے کہا۔ تم لوگوں کی لیلا نیاری ہے۔ جو نہ کرڈالو سو تھوڑا ہے۔ ہندوؤں کی پاٹ شالا میں مسلمانوں کا کیا کام؟ چھوت لگ جائیگی ٭

نوکشور نے قہقہہ لگا کر کہا:۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ نواب علی کا چچا بھی اعتراض کر سکتے ہیں۔ کہ وہ تم جیسے کافر کے ساتھ ایک جگہ بیٹھیں۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ جس شاستر پر تم زور دیتے ہو۔ اور جس کی آڑ میں پناہ لیتے ہو۔ اُس نے احکامات

کی پابندی بھی تو تم پورے طور پر نہیں کرتے۔ اپنے مطلب کی بات لے لیتے ہو۔ اپنی مرضی پر اور اپنی عادات کے مطابق چلتے ہو۔ صرف شاستروں کا نام ہی نام ہے۔ آیئے نواب علی چچا! آیئے۔ نیچے کیوں کھڑے ہیں +

نواب علی نے شرما کر کہا:۔ کوئی بات نہیں۔ بیٹا! میں یہاں ہی بیٹھا ہوں +

نو کشور نیچے اُتر آیا۔ اور دونوں کا ہات پکڑ کر اوپر لایا۔ اور زور کر کے دونوں کو فرش پر بٹھایا +

ابھرام وغیرہ کو نو کشور کی یہ حرکات پسند نہیں آئیں۔ وہ الگ ہٹ کر بیٹھے۔ کسی کو اُٹھنے کی ہمت نہ ہوئی +

نو کشور نے کہا:۔ چچا نواب علی! آپ کے گھر میں سب اچھے ہیں؟ کہئے کیسے تشریف لائے +

نو کشور نے پوچھا:۔ چاچی جی سے ملاقات ہوئی؟

ملاقات ہوئی۔ اور حکمنامہ بھی مل گیا۔ چھوٹے بابو جی بھی کلکتہ سے آ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ایک روز وہ میرے غریب خانہ پر اپنے قدم رنجہ فرمائیں۔ اگر تم بھی مجھے اس کا اعزاز بخشو تو زہے نصیب! رات کو رقص و سرود ہوگا مرشد آباد سے بائی جی آئیں گی +

نو کشور نے کہا:۔ چچا صاحب! معاف فرمائیگا۔ میں ضرور حاضر ہوتا۔ مگر چونکہ بائی جی کو بھی آپ نے مدعو کیا ہے۔ اس لئے مجبور ہوں۔ بہن کو بھی نہیں جانے دونگا +

نواب علی نے متحیر ہو کر کہا۔ کیوں؟ اس میں ہرج ہی کیا ہے؟

نو کشور نے کہا:۔ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ وہ آوارہ مزاج اور بدچلن عورت ہے۔ اُس کے ساتھ کسی شریف شخص کا تعلق مناسب نہیں +

عصمت نے لجاجت آمیز نگاہوں سے نو کشور کی طرف دیکھ کر کہا:۔ اگر جناب اجازت دیں۔ تو میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں +

نو کشور نے کہا:۔ بڑی خوشی سے!

عصمت نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا:- جب آپ کو اپنے مکان میں میز کرسی اور الماری کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو آپ ایک ایسے مستری کو بلاتے ہیں۔ جو اچھا کام کر سکے۔ اُس کے طور اطوار کیسے ہیں۔ یہ آپ نہیں دریافت فرماتے۔ جو جُلاہا ہمارے کپڑے بنتا ہے۔ جو چمار ہمارے جوتے بناتا ہے۔ اُن کے چال چلن کیسے ہیں کیا ہم یہ دیکھتے ہیں یا اس پر نظر رکھتے ہیں۔ کیا وہ کیسے کام کرتے ہیں؟ بائی جی کیسا ناچتی گاتی ہیں۔ صرف یہ دیکھنا مناسب ہے۔ عصمت پرست عورتیں اگر گانا نہ جانیں۔ تو اس حساب سے اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سر رابندر ناتھ ٹیگور کے ایک مضمون میں پڑھا تھا۔ اُنہوں نے مذاق مذاق میں پوچھا تھا۔ ایک شرابی انجینیر نے ہاوڑہ کا پل تعمیر کیا تھا۔ کیا اسلئے ہم اُس پل سے نہ گذریں +

نوکشور کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دکھائی دی۔ اُس نے عصمت کے چہرے پر عمیق نظریں ڈالکر کہا:- تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس بات پر میں نے اس طرح غور کر کے نہیں دیکھا تھا۔ مگر دوسری طرف بھی تو تم نظر کرو۔ یہ تمام لوگ دنیا سے باہر تو نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارا سر نیچا کرنے کیلئے یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ اُنکے ناچ گانے میں کتنے خاندان کی شرم اور آنکھوں کے آنسوؤں کی تاریخ موجود ہے۔ اُن کے ساتھ عیش و عشرت کو میں بیرحموں کا کام سمجھتا ہوں +

عصمت نے پھر ایکبار سر جھکا کر نوکشور کی طرف دیکھکر لجاجت آمیز لہجہ میں کہا:- ناچنا گانا عورت کا ہی کام ہے۔ مگر ہماری سوسائٹی کے اصولوں کی خرابی سے گھریلو عورتیں اس لطف سے محروم ہیں۔ جنہوں نے سوسائٹی کی تفریح و دلبستگی کے لئے یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ ہماری سوسائٹی اُنہیں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور خود بھی دُکھی ہوتے ہیں +

نوکشور نے فرطِ مسرت سے جوش میں آ کر کہا:- تم ٹھیک کہتے ہو۔ سوسائٹی کے غلط اصولوں کی اصلاح کرنے کے لئے ہمیں اس عیش و عشرت سے محروم رہنا پڑیگا۔ مان لو۔ کہ ہماری سوسائٹی کے اصولوں کو توڑنے کے لئے

یہ تمام رواج پا گئے ہیں۔ اس لئے عین ان میں دلچسپی نہ لینی چاہئے۔ بلکہ ان سے ہمیشہ علیحدہ رہنا چاہئے +

عصمت خاموش ہوا۔ نواب علی نے کہا:۔ اچھا بیٹا! تم شام کو واپس آجانا۔ اگر تم دس منٹ کے لئے بھی آجاؤ گے۔ تو میں بہت خوش ہونگا +

نوکشور نے کہا:۔ بہت اچھا میں آجاؤنگا +

نواب علی نے کہا:۔ بیٹا! میں نے سُنا ہے۔ تم نے مکتب کھولے ہیں۔ اگر عصمت کو بھی اسی کسی کام پر مامور کرلو۔ تو ...... +

نوکشور نے کہا:۔ بہت بہتر۔ تمہارے سیتل پور میں بھی ایک پاٹھشالہ کھولی جائیگی۔ وہیں گھر کے گھر پر رہ کر عصمت کام کرے۔ تو بہتر ہے۔ عصمت! تم نے کہاں تک تعلیم پائی ہے۔ ...... فرسٹ ایئر تک پڑھا ہے نہ!

جی! امتحان سے پیشتر طبیعت ناساز ہوگئی تھی۔ اسی باعث سے امتحان نہ دے سکا +

تم نے سنسکرت اور فارسی بھی تو پڑھی ہے!

گھر پر تھوڑی سی فارسی بھی پڑھی ہے +

تو اور بھی اچھا ہے۔ اگر تم یہ کام پسند کرو۔ تو میں تمہیں سکھا پڑھا دوں گا +

نواب علی نے کہا:۔ بیٹا! شادی ہو جانے کے بعد میں اسے بھیجدونگا۔ تم بھی اس کا انتظام کردینا۔ وہ خود کھانا پکا کر کھا سکتا ہے +

نوکشور نے کہا:۔ کیوں؟ ہمارے مکان پر رہیگا۔ کیا ہمارا پکایا ہوا کھانا تم سب نہیں کھاتے؟

کھانے میں ہرج کیا ہے۔ مگر رواج نہیں ..... +

نوکشور نے قہقہہ لگا کر اپنے شاگردوں کی جانب دیکھکر کہا۔ اچھا رام! سلتے ہو جیسے تم ان لوگوں کو چھوت سمجھ کر اُن کے ہات کا نہیں کھاتے اسی طرح ان لوگوں کا بھی حال

ہے۔ صرف تم نے ہی نفرت میں بازی نہیں ماری ہے۔ یہ بھی کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ خیر! عصمت کو میں کوئی نہ کوئی کام ضرور دوں گا۔ مگر ایک بہت ضروری بات ہے۔ کہ کھانے پینے میں خاص احتیاط رکھنی پڑے گی۔ گوشت وغیرہ کی سخت ممانعت رہے گی +

عصمت نے کہا:۔ میں نے کبھی گوشت نہیں کھایا +

نوکشور نے کہا:۔ یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ میں تمہارا تمام انتظام کر دونگا +

نواب علی نے کہا:۔ بیٹا! میں تمہاری عنایات کا شکریہ کیونکر ادا کروں۔ اب اجازت چاہتا ہوں +

نہیں۔ ذرا اور بیٹھئے کچھ ناشتہ کرتے جائیے — یہ کہکر نوکشور مکان میں داخل ہوا۔ اور ماں سے کہا:۔ ماں! چچا نواب علی معہ اپنے لڑکے عصمت علی کے آئے ہیں۔ اُن کے لئے کچھ ناشتہ دو +

نوکشور کی ماں دو پتوں پر مٹھائیاں رکھ لائیں +

نوکشور نے ہنسکر کہا:۔ ماں! جب گوبردھن مگر جی آتے ہیں۔ تو اُنہیں کس برتن میں کھانا دیتی ہو؟

گوبردھن نوارن کا لڑکا تھا۔ مشہور بدمعاش اور بد چلن!

نوکشور کی ماں بیٹے کا اشارہ سمجھ کر ہنستی ہوئی بولیں — خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر پھر بھی وہ براہمن کا لڑکا ہے۔ اور یہ مسلمان!!

ماں! اگر نوارن بھی براہمن ہے۔ تو ان لوگوں کے براہمن ہونے میں کیا شک؟

یہ لوگ سب کچھ کھا لیتے ہیں.... +

لوگوں کو تو یہ کہتے سنا ہے۔ کہ نوارن انگریزوں کا جھوٹا کھانا کھاتا ہے۔ اور یہ لوگ گوشت بھی نہیں کھاتے۔ بتاؤ تو ماں! ان میں کون براہمن ہے؟ دو شریف شخص تمہارے گھر آئے ہیں۔ جہان! تم انہیں ذات پات کی کمزوری کرکے

ان کی بے عزتی کر رہی ہو۔ پتے پر کھانا دیتی ہو؛

نوکشور کے باپ وہاں آ کر بولے۔ نہیں بیٹا! ہمارے دیس میں تو راجاؤں تک کو پتر پر کھلاتے ہیں۔ کمبل کے آسن پر راجہ اور فقیر دونوں ساتھ ہی بیٹھ سکتے ہیں۔ ان میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔

نوکشور نے کہا ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ ہوں۔ اگر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔ انہیں ناگوار معلوم ہوگا۔

نوکشور کی ماں نے ہنسکر کہا۔ بس! اب یہ باتیں رہنے دے۔ تم لوگ تو ہمارے قدیم رسم و رواج کی پابندی نہیں کرتے۔ میں طشتری میں مٹھائیاں چن دیتی ہوں۔ وہ طشتری علیحدہ رکھ دینا۔ مسلمان مہمانوں کے لئے۔

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ بہت اچھا! اس وقت یہی سہی۔ مگر کچھ عرصہ بعد رفتہ رفتہ یہ تمام برتنوں میں مل جائیں گے۔ یہی ہوگا۔ کھانا لیکر نوکشور مہمانوں کے پاس آیا۔

جب نوکشور نے ان مسلمان مہمانوں کو آسن پر بٹھا کر طشتری میں ناشتہ پیش کیا۔ اور گلاس میں پانی رکھا۔ تو پاٹ شالہ کے دیگر تمام طلبا دنگ رہگئے۔ ان کی آنکھیں جیسے پتھرا گئیں۔

نوکشور نے کہا۔ عصمت! تم تو بنگالی ہو۔

جی ہاں! اس میں کیا شک؛

پھر تم نے غیر بنگالیوں کا سا لباس کیوں پہنا۔ چپکن اور ٹوپی کی کیا ضرورت تھی؛ یہ لباس تو عام مسلمانوں کا ہے۔ کچھ بنگالی مسلمانوں میں خصوصیت ہونی چاہیئے۔ مذہبی نوشتہ جات کے نشانات قوم پر کیوں اثر انداز ہوتے ہیں۔

آپ کے ہندوؤں میں بھی تو وہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ جو شکتی کے معتقد ہیں۔ وہ ناماولی کے دلدادہ ہیں۔ مگر ویشنو اس سے گریز کرتے ہیں۔ وہ تلک لگاتے ہیں۔ شکتی کے معتقد رُدراکش کی مالا پہنتے ہیں۔ مگر ویشنو تلسی کی مالا زیب گلو کرتے ہیں۔ پھر ان سے تو قوم پر اثر نہ پڑیگا۔ اور ہماری پوشاک اثر انداز ہوگی؛

صرف تمہاری پوشاک ہی نہیں - بلکہ تمہارے طور و اطوار - طرز معاشرت سب میں ہے - صرف یہی کیوں تمہارے نام بھی بنگالی نہیں ہیں -

ہاں! یہ صحیح ہے - مگر آپ لوگ جیسے ٹھاکر اور دیوتا کے نام پر نام رکھتے ہیں - اسی طرح ہم لوگ بھی اُنہیں ناموں کو پیار کرتے ہیں - جو ہمارے مقدس کتاب پیغمبروں کے ہیں - آپ لوگ عموماً یہ نام رکھتے ہیں - ہری چرن - کالی موہن - رام لوچن ہم رکھتے ہیں - غلام محمد - عبدالرسول - عبدالرحمن - یہ ہمارے عربی نوشتہ جات میں ہے - پھر عربی آمیز نام کیوں نہ رکھیں ؟

نوکشور نے طمانیت آمیز لہجہ میں کہا :- خوب! خوب! تم میری مرضی کے مطابق کام کر سکوگے - تمہارے ساتھ میری خوب بنے گی -

عصمت نے آداب بجالا کر کہا :- آپ کی ذرہ نوازی ہے - ورنہ میں کس قابل ہوں ؟

ان لوگوں کے جانیکے بعد نوکشور نے نوکر کو بلا کر کہا مُرلی! یہ طشتری اور گلاس وغیرہ لیجاؤ -

مرلی نے کہا :- حضور! میں یہ مسلمانوں کے برتن نہیں چھوؤں گا - میری ذات جاتی رہے گی -

نوکشور نے ہنسکر خود ہی وہ برتن صاف کرنے کیلئے اُٹھا لیئے - تمام شاگرد آپس میں گلچھپ کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے -

(۱۸)

ابھرام وغیرہ تمام لڑکوں نے نوارن کی پناہ لی - نوارن نے نوکشور کی زیادتی اور بیجا آزادی کے حالات سنکر زور سے حقہ کا دم لگا کر گردن جھکا لی - کچھ دیر بعد کی طرح ملامت خیز ہنسی ہنسکر بولا - میں تو پہلے سے ہی جانتا تھا - کہ یہ لڑکا ایک نہ ایک دن جو نہ کر گزرے وہ تھوڑا ہے - تم لوگوں نے یہ خبر ہری بہاری بابو کے کانوں تک پہنچائی یا نہیں ؟

جب تک آپ کی اجازت نہ مل جائے - ہم سب اُن سے کیونکر کچھ کہہ سکتے -

ہیں۔ اسی وجہ سے تو آپ کے پاس دوڑ کر آئے ہیں ؟

نوارن نے نہایت ہی طمانیت بخش لہجہ میں کہا۔ بہت اچھا کیا۔ دیکھو! میرے بال سفید ہو گئے۔ مگر میں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ میں جس طرح شاستر کے احکامات کی پابندی کرتا ہوں۔ اسی طرح اوروں سے بھی امید رکھتا ہوں۔ مگر اس زمانہ کے کلجگی لڑکے جو نہ کر ڈالیں۔ سو تھوڑا ہے۔ چلو! اب ہری بہاری بابو کے پاس چلیں ——— میں جو کروں گا۔ وہی ہوگا۔ تاہم زمیندار مہاشے کے کانوں تک ہر بات پہنچا دینی بہت ضروری ہے ؛

ابھرام نے پوچھا۔ وادا مہاشے! آپ نے کیا سوچا؟

اس لونڈے کا سر منڈا کر پرائشچت کرلوں گا۔ ورنہ اُسے ذات باہر کرونگا۔ بھائی! شاستروں کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ میں اسکی جڑ اُکھاڑ کر پھینک دونگا۔ یہ اپنی حقیقت کیا سمجھتا ہے۔ شاستر کے برخلاف کون چل سکتا ہے۔

نوارن نے ایک میلا سا چادرہ گلے میں ڈال کر کھڑاؤں اُتارے۔ سلیپر پہنے۔ سلیپر سوکھ کر پھٹ گئے تھے۔ آگے آگے نوارن اور پیچھے پیچھے طلبا ہری بہاری کی نشستگاہ میں جا کر موجود ہوئے ؛

ہری بہاری بابو فرش پر تکیہ کے سہارے نیم باز آنکھوں سے دروازے کی جانب نظر کیے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ ضعیف دیوان جی پاس بیٹھے۔ زمینداری کا کھاتا وغیرہ لیئے ہوئے کسی دستاویز کا مضمون سنا رہے تھے۔ نوارن کے پاؤں کی آہٹ سنکر ذرا آنکھیں کھولکر ہری بہاری بابو نے کہا۔ آؤ جی چاچا جی! چلیے چاہئے لیکر کہاں چلے ؟

نوارن نے نہایت ہی مایوسانہ انداز سے فرش پر بیٹھ کر کہا — بھائی! تم توجہ نہیں دیتے۔ مگر اب ہمارے دھرم پر آبنی ہے ؛

ہری بہاری نے جلدی سے کہا :- کہو! کہو! بات کیا ہے ؟

یہ گنگی لڑکے جو نہ کر ڈالیں۔ سو تھوڑا ہے۔ کشور ایسا تجھ کی قدرت ہے کہ اس کی شرارتوں سے اب قوم بھی ملیا میٹ ہی ہوا چاہتی ہے۔ اب اگر تجھ سے نہ کہوں۔ اور تمہارا سہارا نہ لوں۔ تو کس کا دامن پکڑوں؟

کشور! اُس نے کیا کیا؟

اُس نے پاٹھ شالا میں مسلمانوں کو اپنے برتن میں کھلایا۔ پلایا۔ اور ان لوگوں کے دیکھتے دیکھتے اُس نے خود بھی اُن کا جوٹھا کھایا۔

اکرام نے بات کاٹ کر کہا۔ نہیں جوٹھا......

نوارن نے آنکھیں سُرخ کر کے کہا۔ او چھوکرے! ٹھہر ٹھہر بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے۔ تجھے ابھی سمجھ ہی کیا ہے۔ مجھے سب کہنے دے۔

ہری بہاری بابو چاول کی شکل علیحدہ بھینک کر بیٹھ گئے۔ بولے تم کیا کہتے ہو؟ اکرام نے کہا۔ جھوٹا کھانا تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اُس نے مسلمانوں کو پاٹھ شالا میں اپنے پاس بٹھا کر کھلایا پلایا ہے۔ اور جوٹھے برتن اُٹھا کر مانجنے گیا۔ یہ دیکھ کر ہم سب چلے آئے......

نوارن جلدی جلدی بول اُٹھا۔ اور لو۔ جو نہ ہونا چاہیئے۔ وہ ہوا۔ یہ تھالی اور گلاس تو پھینکے نہ جائینگے۔ خود ہی اسے استعمال کریگا۔ ٹھاکر۔ دیوتا۔ برہمن غرض انہیں برتنوں میں سب کو کھلائیگا۔ رام! رام! مسلمانوں کا جوٹھا۔

ہری بہاری بابو نے کہا۔ کشور کی یہ سب بالکل فضول حرکات ہیں۔ بہت اچھا میں اسے بلا کر دھمکا دیتا ہوں۔ اور تھالی گلاس وغیرہ پھینکوا دیتا ہوں۔

نوارن نے گردن جھکا کر کہا۔ نہیں! یہ سزا کافی نہیں۔ ایسا گیا گذرا کام جس نے کیا ہے۔ اُسے بہت بڑی سزا ملنی چاہیئے۔

کیا؟ تم کیا کہتے ہو؟

اُسے برادری سے باہر نکال دینا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو پھر ہم لوگ ہی اپنا ڈیرا ڈنڈا اُٹھا کر کہیں چلا دیں گے۔ نرک میں مرنا اچھا نہیں۔ مرتے مرتے بھی

دھرم نہ چھوڑیں گے ٭

نوارن کی یہ گفتگو سن کر پریشان ہری بہاری نے مایوسانہ نگاہوں سے دیکھکر کہا - پھر جو مناسب خیال کرو - وہی کرو ٭

ہری بہاری کی یہ سہل انکاری دیکھکر نوارن خوشی سے پھولا نہ سمایا - مگر دیوان جی نے کہا - ایکبار سمرتی رتن بھاشئے کو بلاکر اُن سے یہ تمام باتیں کہہ دینی ضروری ہیں - اگر نوکشور پرائسچت پر تیار ہو - تو پھر ان تمام جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے ٭

نوارن نے خائف ہو کر جلدی سے سر جھکا کر کہا - الیں! آپ بھی پرائسچت الگ نہ کر رکھئے - جو جان بوجھ کر او عمداً پاپ کرتا ہے - اُس کے لیے پرائسچت کیسا ؟

ابھرام نے کہا - اس کے علاوہ وہ پرائسچت پر تیار بھی نہ ہوگا - وہ کہتے ہیں کہ پرائسچت دل [illegible] کی جاتی ہے - [illegible] - ان تمام باتوں کو وہ قابل عزت نہیں مانتا - اس مسئلہ پر میری اور اُس کی بابت گفتگو ہو چکی ہے ...... ٭

دیوان نے کہا - اگر نوکشور پرائسچت نہ کریگا - تو بتا بیارے بھاشئے لڑکے کو چھوڑینگے - قصور نوکشور نے کیا ہے - بھوگ بھی وہی کریگا ٭

ہری بہاری نے طمانیت آمیز لہجہ میں کہا - دیوان جی آپ جو کہتے ہیں درست ہے - کسی کو بھیجکر سمرتی رتن بھاشئے کو بلوا لو ٭

نوارن کا دل اندر ہی اندر جیسے بیٹھ گیا - سمرتی رتن اور نوکشور دونوں پر اسے غصہ آیا تھا - وہ دل ملا کر نوارن کے لڑکے گوبردھن کو برہمن نہیں تسلیم کرتے تھے - جب برہمن بھوجن ہوتا تھا - تو انہیں نوید تک نہیں دیا جاتا تھا - اور جس گھر میں گوبردھن رہتا تھا - خود بھی اُس گھر میں بھولکر بھی نہ جاتے تھے - اسوقت نوارن کو اپنے دل کا بخار نکالنے کا اچھا موقع مل گیا تھا - اگر ان دونوں کو الگ کر کے ذلیل و خوار کرے تو نوارن کو چین آئے - نہ معلوم کہاں سے بدھی نے آکر اُس کے پکے ہوئے چاولوں میں کچے چاولوں کی ایک پوٹلی ڈال دی - یہ دیکھکر نوارن نے

جھنجھلا کر ہری بہاری بابو سے کہا۔ بھٹاچاریہ کو آپ بلانا چاہتے ہیں۔ تو شوق سے بلا سکتے ہیں۔ مگر نو کشور کی حرکات ابھی نہیں بدلیں۔ جنہیں آپ نظر انداز کر جائیں۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرتا۔ تو بلا کسی رو رعایت کے اُسے گاؤں سے نکال باہر کرتا۔ مگر چونکہ وہ تمہارے پروہت ہیں۔ اس لئے میں خاموش ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے اُسے اس قدر حوصلہ ہوا۔ اسی بات کا اُسے غرور ہے۔ اور ہم لوگوں کو محض اسی وجہ سے خاطر میں نہیں لاتا۔ مسلمانوں کا جھوٹا تو وہ کھا لیتا ہے۔ مگر برہمن کے گھر میں کھاتے ہوئے ذات جاتی ہے۔ جب تک دونوں باپ بیٹوں کو معقول سزا نہ مل جائیگی۔ اور ہمارے گھر نہ کھائیں گے۔ تب تک میں نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میں تم سے پہلے ہی کہے دیتا ہوں +

ہری بہاری بابو نوارن کا غصہ فرو کرنے کے لئے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔ اتنے میں بھٹاچاریہ مہاشے کمرے میں داخل ہو کر بولے۔ ہری بابو! مجھے کیوں بلایا؟

آئیے۔ بیٹھئے! بتاتا ہوں +

بھٹاچاریہ کے بیٹھنے پر ہری بہاری نے سر جھکا کر کہا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کشور نے پاٹ شالا میں مسلمانوں کو بلا کر —— +

ہاں! یہ لوگ جو کہتے ہیں۔ وہ غلط نہیں +

پھر اب کیا کرنا چاہیئے؟

اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ جس کے متعلق آپ دریافت کرتے ہیں +

مسلمانوں کے ساتھ کھانے ...... +

مسلمانوں کے ساتھ نہیں کھایا۔ اور اگر کھا بھی لیا۔ تو ہرج ہی کیا؟ مسلمان کو چھونے سے دھرم کا نقصان نہیں ہوتا؟

چھوت ان میں ہے۔ جو صفائی پسند نہ ہوں۔ جس کا چال چلن خراب

اور کام کر سکتا ہوں۔ کوئی شریف شخص اتنا نیچ نہیں ہو سکتا......۔

نوارن جلدی سے سر جھکا کر کہا۔ تو پھر راکشش اور گوشت خوروں کا چھوا ہوا بھی کھاتا ہوگا!

بھٹاچاریہ نے ہنس کر کہا۔ مسلمانوں کا چھوا کون نہیں کھاتا۔ ہری بھاری سوڈا لیمونیڈ پیتے ہیں۔ شاید اس سے مکتی مہاشے بھی انکار نہ کر سکیں گے۔

نوارن نے کہا۔ سوڈا لیمونیڈ میں کوئی چھوت نہیں۔ وہ تو نلوں میں بنتا ہے۔ وہ بیرونی طور پر چھوا جا سکتا ہے۔ پانی کو کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اور پھر کبھی برف۔ وہ تو پانی نہیں ہے۔ مخصوص شے ہے۔ اگر مسلمان اپنے ہاتھ لگا لے۔ تو اس میں کیا عیب ہے گا۔

بھٹاچاریہ نے کہا۔ زمانہ قدیم میں ہمارے یہاں جانوروں کی قربانی ہوتی تھی۔ اس کے ثبوت موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل بکثرت لوگ چھپ چھپا کر ہوٹلوں میں کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کے تعلقات ہیں۔ آپ خود بھی بکرے۔ تیتر اور ہرن کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس میں کیا بات ہے؟ آپ شوق سے کھاتے ہیں۔ اور ہم اس کے نام سے بھاگتے ہیں۔ اپنی اپنی طبیعت۔ اب اس کے لئے ایک دوسرے سے نفرت کریں!

نوارن بول اٹھا۔ شاستروں کے احکامات کی پابندی ہر طور لازم ہے۔

بھٹاچاریہ مہاشے نے کہا۔ شاستر کے تمام احکامات کی پابندی کیا آپ کرتے ہیں۔ شاستروں میں تو یہ ہے۔ ماہی۔ جنگلی سور اور سانپ کھاؤ۔ آپ مچھلی کھاتے ہیں۔ اور باقی دو چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ بنگالی برہمنوں سے نفرت کرتے ہیں وہ نہایت پابند ہوتے ہیں۔ لہسن پیاز تک نہیں کھاتے۔ آپ حقہ پیتے ہیں۔ وہ اس کے نام سے بھاگتے ہیں۔ یہ سب زمانے کی بات ہے۔ ان کے لئے کچھ بھی نہیں پڑتا۔ محض تشریح اور تفاوت ہے۔

نوارن نے سر جھکا کر کہا۔ شاید آپ ٹھیک ہی کہتے ہوں نہ کہیں۔ مگر سوسائٹی کے

قانون کی خلاف ورزی کرکے نوکشور نے سخت بے انصافی کی ہے۔

یہ مانتا ہوں۔ تو اس کے لئے آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

کشور کو پرائسچت کرنا ہوگا!

مگر کشور کے پرائسچت کرنے سے پیشتر جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ انہیں پرائسچت کرکے پاک صاف ہونا پڑیگا۔ بعدازاں کشور بھی کریگا۔

نوارن نے جیسے یہ بات سنی ہی نہیں۔ بولا:- اگر کشور نے پرائسچت نہ کیا۔ تو آپ اُسے چھوڑنے کے لئے مجبور ہونگے۔

میرے روبرو تو اُس نے کوئی قصور نہیں کیا۔ پھر میں اُسے کیوں چھوڑدوں گا؟

اگر آپ اس میں غلط انداز ہونگے تو ہم لوگ آپ کو چھوڑ دینگے۔

بہت اچھا۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے۔ تو کیجئے۔ یہ کہکر بھٹاچاریہ جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دروازے کے پاس جاکر بولے۔ ہری بابو! تو پھر آج کی رات کے لئے کوئی اور انتظام کرلینا۔

ہری بہاری نے مایوسانہ انداز سے کہا۔ بھٹاچاریہ داوا! یہ بات کیا اچھی ہے۔ ذرا غور کرکے دیکھو!

بھائی! کیا کروں۔ آدھا آدھا تقسیم کرکے کھانا تو میری قسمت میں لکھا ہی نہیں۔

ابھرام وغیرہ طالب علم حضرات بھٹاچاریہ کی بات سنکر متحیر ہوگئے۔ اُن لوگوں نے نوکشور کے قصور کو اور بھی ثابت کرنے کے لئے کہا:- ادھیاپک مہاشے تو خود ذات پات کی اہمیت تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم مانتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ ہماری مخالفت اور تحقیر کرتے ہیں۔ جاہل اور نافہم کہکر گالیاں دیتے ہیں۔

بھٹاچاریہ مہاشے نے ٹھہر کر کہا:- جس کا جو عقیدہ ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میرے شاگردوں کا بھی یہی خیال ہو۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے۔ تو اُس

کے خیال کی پیروی نہ کرو۔ کھنڈن کرو۔ اور اگر طبیعت چاہے۔ تو پاٹھ شالا چھوڑ کر چلے جاؤ۔ .... شاستر کو پڑھ کر بھی جو شاستر کے مغز کو نہیں سمجھ سکتے جانتے ہو۔ ویدانت انہیں کیا بتاتا ہے۔ وید انگ کہتا ہے۔ کہ جو شاستر پڑھ کر بھی اُسے اچھی طرح نہیں سمجھتا۔ وہ بیجان لکڑی کے مانند ہے۔ یا وہ بوجھ لادنے والے گدھے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم شاستر پڑھ کر بھی اتنے نالایق رہ گئے۔ یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔

تولارام نے نہایت عقلمند اور سنجیدہ مزاج شخص کی طرح گردن ہلا کر کہا۔ آپ خواہ کچھ ہی کہیں۔ مگر آپ کی بات میرے ذہن میں نہیں آتی۔ آپ نے شاستر وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے سب کو لاجواب کر دیتے ہیں۔ یہ بھول کر بھی نہ خیال کیجئے گا۔

بھٹاچاریہ مہاشے نے ہنس کر کہا۔ نہیں۔ ایسا عقلمند اور ذی شعور میں تم کو نہیں سمجھتا۔ آپ ساکشات نولارام ہیں۔ جو یہی ہے۔ اور جس میں بہر طور امن وعافیت ہے۔ اُس کو مٹانے اور دور کرنے کے لئے آپ تیار ہیں۔ اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ حضرت گوبردھن کے معاملہ میں آپ اپنے اصلی خواص کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اُس وقت آپ کارو بہ نقصان کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اصولوں کی عہد شکنی میں آپ ذرا بھی نہیں جھجکتے۔

یہ باتیں سنکر پاٹھ شالا کے لڑکے اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

انہیں ہنستے دیکھکر نولارام غصہ سے گرج کر بول اُٹھا۔ تو ہم نے آپ کو آج ذات سے باہر کر دیا۔

بھٹاچاریہ نے ہنسکر کہا۔ جو خود ہی برادری سے خارج ہیں۔ اُسے از سر نو کون خارج کریگا۔ پھر کس کی مجال ہے۔ آپ اس پر غور نہ کیجئیگا۔ کہ ہم نے بھٹاچاریہ جی کو برادری سے خارج کر دیا۔ آج کل صاف نظر آ رہا ہے۔ کہ جو دھرم یا سوسائٹی کے قوانین کی اصلاح کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ انہیں کو ذلت بلہر

کرتے ہیں۔ جو سوسائٹی کے زبردست ڈگن ہیں۔ اور جن کی کوششوں سے مردہ قوم میں زندگی آجاتی ہے۔ آجکل لوگ انہیں کی بیخکنی کے درپے ہو رہے ہیں۔ اگر آپ بھی اسی اصول کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ تو شوق سے مجھے خارج کر دیجیے۔ یہہ کہکر ٹھاکر چار یہ مہاشے وہاں سے چلے گئے۔ کمرے کے تمام آدمی خاموش ہو گئے۔

بہت دیر بعد ہری بہاری نے متفکر لہجہ میں کہا۔ اب اس وقت لکشمی جی کی پوجا کون کریگا؟

نوارن نے جوش میں آکر کہا۔ آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ میں موجود ہوں۔ گوبردھن حاضر ہے۔ دونوں میں سے کوئی آکر دو پھول چڑھا دیگا۔

نوارن اور دیگر جلسہ والے جانے کا ارادہ کیا۔ ہری بہاری بابو کروٹ لیکر بیٹھکی سے حقہ پینے لگے۔

(۱۹)

شام کا وقت تھا۔ بپن زنانہ محل میں مہابھارت پڑھکر سنا رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت رہنی نے ہانپتے ہانپتے آکر خبر دی۔ ٹھاکر چاریہ مہاشے برادری سے خارج کر دیے گئے۔

یہ ناقابل یقین اور عجیب و غریب خبر سنکر گھر کے تمام لوگ دنگ رہ گئے۔ بپن نے رہنی کی طرف غضب آلود نگاہوں سے دیکھا۔ رہنی جلدی جلدی بول اٹھی۔ ہاں! دادا۔ سچی بات ہے۔ کرتی مہاشے کچہری میں راجہ بابو کے پاس آکر سب کچھ فیصلہ کر گئے ہیں۔

بپن نے پوچھا۔ ٹھاکر چاریہ جی کا کیا قصور ہے۔ کچھ سنا؟

رہنی نے کہا۔ سنتا ہے۔ دادا بابو نے مسلمان کے ساتھ بیٹھکر روٹی کھائی ہے۔

بپن کتاب بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا۔ جاؤں۔ میں دیکھ آؤں کیا [illegible] معاملہ ہے۔

تباک

چپن نے گھر سے گذرتے ہوئے مالتی کو دروازے کی آڑ میں بیٹھا ہوا نہیں دیکھا۔ ہر چہار طرف مالتی کو تلاش کرتے کرتے چپن باہر کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ یکایک اُس نے دیکھا۔ گویا مالتی اُسی کے راستہ میں اُسی کے انتظار میں کچھ کہنے کو لیے کھڑی ہے۔ چپن کانپتے ہوئے دل سے مالتی کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ جس مالتی کو دیکھنے کے لیے وہ بہانے پر بہانے کرتے کرتے بالکل پریشان ہو گیا تھا۔ وہی مشکل سے ملنے والی مالتی آج خود ہی تن تنہا اُس کے سامنے موجود! چپن ملاحت بار نگاہوں سے مالتی کی طرف دیکھنے لگا۔ مالتی بھاگی نہیں۔ بلکہ بے حجابانہ نگاہوں سے اُس کے چہرہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی —— بھٹاچاریہ مہاشے کے متعلق اور اُن کے گھر کے تمام حالات کا پتہ لگا کر مجھے بتائیں گے؟

مالتی کے ساتھ چپن کی یہ پہلی گفتگو تھی۔ چپن کے کانوں میں جیسے آبحیات کی بارش ہوئی۔ اور لطافت آمیز روح فرسا تانیں سنائی دینے لگیں۔ وہ مسرت پذیر لہجہ میں صرف اس قدر کہہ سکا —— اچھا!

اُس وقت مالتی آہستہ آہستہ واپس چلی گئی۔ خاموش چپن نے مالتی کے منہ سے نوکشور کے متعلق سنکر اپنے دل کے نازک ترین حصوں میں ایک ایسی خلش محسوس کی۔ جیسے گرم لوہے کے لمس سے ہوتی ہے۔ اُس کے دل میں آیا۔ نوکشور کے لیئے ہی مالتی اس قدر بے چین ہے۔ مالتی فوراً پاٹ سبھا سے اُٹھ کر راستہ روک کر اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور خود بخود اس سے بات کی — اور صرف نوکشور کے حالات دریافت کرنے کے لیئے! چپن کے کانوں میں جیسے کسی نے جھک کر کہا۔ نوکشور نہایت خوش نصیب ہے!

چپن ایک گہرا سانس لیکر جلدی ہی جلدی وہاں سے چلا گیا۔ اور ہراساں ہو کر نوکشور کے گھر جا کر دیکھا۔ پاٹ شالا کے کمرے میں ایک شطرنجی بچھی ہوئی ہے۔ نوکشور بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہے۔ چپن نے سوچا۔ دل سوزانہ وہ کو اطمینان دینے کے لیئے ہی کوشش کی جا رہی ہے؟

بپن کو دیکھتے ہی نوکشور نے کتاب بند کردی - اور ہنسکر کہا - کچھ سُنا ہے ؟

سُنا تو ہے - مگر اصل بات کیا ہے ؟

بیٹھو ! بتاتا ہوں ۔

بپن کو پاس بٹھاکر نوکشور نے شروع سے آخیر تک تمام باتیں سنائیں - یہ سُنکر بپن نے ہنستے ہوئے کہا - بس اتنی سی بات ! میں تو گھبرایا تھا - کہ نہ معلوم کون سی ایسی بات ہوگئی - ہمارے کام میں شروع سے ہی اُلجھنیں پڑنے لگیں - سر منڈاتے ہی اولے پڑے - معلوم ہوتا ہے - قدرت کو منظور نہیں ہے - یکبارگی کام شروع کرنے کی نسبت آہستہ آہستہ پرچار کرنا چاہئیے ۔

نوکشور نے زور دیکر کہا - نہیں ہرگز نہیں - مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہر ایک کام کے شروع میں اُلجھنیں ہوتی ہیں - جو ان سب گھبرا کر میدان چھوڑ جاتے ہیں - وہ سخت پست ہمت ہیں - کام میں سرگرمی سے ڈٹے رہنا انسانیت کی شان ہے - سچائی ہمیشہ سب پر غالب آجاتی ہے - حق پرست کا ہمیشہ بول بالا ہوتا ہے ۔

نوکشور کی وہ حوصلہ آمیز تقریر سنکر بپن پر دم بھر کے لئے ایک خاص حالت طاری ہوئی - اُس نے کہا - ہاں ! تمہارا خیال بجا و درست ہے - اگرچہ والد صاحب نے تمہیں برادری سے خارج کردیا ہے - مگر میں تمہیں کسی طرح بھی نہیں چھوڑ سکوں گا - خواہ مجھے بھی چھوڑ دے - مگر میں تمہیں کسی طرح نہ چھوڑونگا ۔

نوکشور نے بپن کے شانہ پر ہاتھ رکھکر کہا - تم تو بالکل پاگل ہو - ذرا سی بات میں ہی فیصلہ کرلیا - کہ میں برادری سے خارج ہوگیا - جو برت رکھا ہے - اُسکا توڑنا مردانیت کی شان سے بعید ہے - فکر کی کیا بات ہے - فکر کرنا بالکل نامناسب اور بیہودہ ہے - یہ کہکر نوکشور زور زور سے ہنسنے لگا ۔

بپن نے کہا - چلو ذرا چاچی جی کے پاس چلیں - پرنام کر آئیں ۔

چلنا - مگر ابھی جلدی کیا ہے - برادری سے خارج شدہ آدمیوں کے گھر زیادہ دیر ٹھہرنے میں کیا خوف معلوم ہوتا ہے ؟ - یہ کہکر نوکشور پھر زور سے

ہنسنے لگا۔

چمن نے شرما کر کہا:- خوف کی کیا بات ہے۔ مگر مالتی تمہاری خبر پانے کیلئے بہت بے چین ہو رہی ہے۔ وہ واقعی تمہیں بہت پیار کرتی ہے۔

نوکشور نے ہنسکر کہا:- وہ مجھے پیار کرتی ہے یا نہیں۔ میں نہیں جانتا مگر تم اُس سے پیار کرتے ہو۔ اس کے ثبوت خوب ملتے ہیں۔

کبھی نہیں — ابھی تک بات چیت کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اُس نے مجھ سے اتنے دنوں بعد آج پہلے پہل بات کی ہے۔ اور وہ بھی صرف تمہارے حالات دریافت کرنے کی غرض سے۔

تم بھی عجیب شخص ہو۔ اتنی شرم! ایک مکان میں رہتے ہوئے بھی ابتک بات چیت نہیں کر سکے۔ بہت اچھا ہوا۔ یہ موقع بات چیت کا نکل آیا۔ رفتہ رفتہ جب ٹوٹ جاتی ہے۔ تو وہ آہستہ آہستہ پگھلنے لگتی ہے۔ بغیر بات چیت کئے اتنی کشش۔ جب یہ نوبت آئی۔ تو پھر کیا ہوگا۔ نوکشور پھر ہنس اٹھا۔

چمن نے شرما کر کہا:- ایک غیر عورت کے ساتھ تمہارا یہ مذاق! رام رام!! یہ تمہاری بے اتفاقی ہے۔

نوکشور نے ہنس کر کہا۔ جب تمہیں ابھی سے اتنا درد ہو رہا ہے۔ تو جب اسے اپنا بنا لوگے۔ تو کتنا ہوگا؟

معلوم نہیں۔ تم کیا کہتے ہو۔ غیر ممکن کو ممکن کر دکھانے کی فضول کوشش کیوں کرتے ہو۔

نوکشور نے ہنسکر کہا۔ محبت کے مرض کے ابتدائی آثار صاف طور پر نمودار نظر آ رہے ہیں۔ میں دعا دیتا ہوں۔ کہ تم اپنے مقاصد و مطالب میں شادکام ہو۔

نوکشور کے بار بار ہنسنے سے چمن شرما گیا۔ بولا۔ تم مذاق کرتے ہو۔ چلو اب بڑے چاچا جی کو پرنام کر آئیں۔

بھتیجا چار یہ جی شام سندھیا کرنے کے لئے ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔ چمن نے جا کر

پرنام کیا۔ بھٹاچاریہ مہاشے نے کہا۔ بیٹا! ہمیں ذات باہر کیا گیا ہے۔ تم نے سنا ہوگا۔

چاچا جی! مجھے بھی چند روز تک آپ اپنی صف میں دیکھیں گے۔

نہیں بیٹا! کوئی ایسی حرکت نہ کرنا۔ جس سے ماں باپ کے دل کو ٹھیس پہنچے۔

نہیں میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ وہ خود ہی مجھے چھوڑ بیٹھیں گے۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اپنی اولاد کا چھوڑنا کیا اس قدر آسان ہے؟
اُس وقت دیکھ لیجئے گا۔

پون کی آواز سن کر نوکشور کی ماں باہر آکر بولیں۔ کون؟ بیٹا پون آیا ہے؟
پون نے پرنام کر کے کہا۔ ہاں چاچی جی! یہ پوچھنے آیا تھا کہ نوکشور نے کیا ہنگامہ برپا کر دیا ہے؟

نوکشور قہقہہ لگا کر ہنس اٹھا۔ سب کی سب ہنسنے لگیں۔
پون نے ہنستے ہنستے کہا۔ چاچی جی! نوکشور نے یہ سب کیا کرایا۔ تمہیں دیکھ سن کر غصہ نہیں آتا؟
کیوں؟ غصہ کیوں کروں گی۔ نوکشور نے کیا کیا۔ میں نے خود ہی تھالی پر کھانا پروس کر دیا تھا۔
تم مسلمانوں سے نفرت نہیں کرتیں؟
میں خود بھی تو اس قدر پاک صاف نہیں کہ دوسروں سے نفرت کروں۔

پون نے کہا۔ چاچی جی! کاش! تمہاری طرح ہمارے دیش کی عورتیں ہوتیں تو آج اس قدر تنگدلی اور خرابی نظر نہ آتی!
نوکشور کی ماں اس بات پر کسی قدر مسکرائیں۔
کچھ دیر بعد پون چلا گیا۔

شانتی

چمن نے واپس آکر چاچی جی کے کمرے کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی چاچی جی!
اس وقت شام ہو چکی تھی۔ کمرے میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی تاریکی کو نہایت بیکسی سے دور کر رہی تھی۔ چمن کی آواز سن کر سامنے سیاہ بالوں کی لٹیں چھٹکاتے ہوئے۔ مالتی نے جواب دیا۔ موسی جی نہیں ہیں!

چمن نے سہم کر پوچھا:۔ وہ کہاں ہیں!

"پوجا گھر میں مالا جپ رہی ہیں"

چمن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اس موقعہ میں مالتی پُر فضا اور پر سکون مقام کی تاریکی میں کھڑے ہو کر مالتی کے ساتھ دو چار باتیں کر سکوں گا یا نہیں مگر مالتی نے خود بخود اس کی جھجک دور کر کے سوال کیا —— بھتا چاچا جی کہاں سے کے گھر گئے؟

چمن نے پانی پانی ہو کر جواب دیا۔ گیا تھا۔

مالتی نے پُر اسرار نگاہوں سے چمن کے چہرے پر نظر ڈالی۔ چمن اس کا مطلب سمجھ کر کہنے لگا۔ کوئی خاص بات نہیں۔ نولکشور نے اپنے کمرے میں مسلمانوں کو بٹھا کر اپنے برتن میں کھانا کھلایا ہے۔ اسی لئے لوگوں نے اسے برادری سے خارج کر دیا ہے۔

مالتی نے تشویش آمیز لہجہ میں کہا:۔ آپ بھی اپنے دوست کو چھوڑ دینگے؟
چمن نے زور دیکر کہا:۔ غیر ممکن ہے محض اتنی سی بات کیلئے اپنی جگری دوست کو چھوڑ دوں۔ بالکل غیر ممکن! ایسے جو کچھ دکھ اٹھایا ہے۔ وہ صرف نولکشور کی ذات نے۔ اب جو کچھ ہوگا۔ وہ کیا جائیگا۔ جس مفید ترین کام کی ابتدا کی گئی۔ اس کے لئے یہی ضروری ہے۔ کہ مجھے نولکشور کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔ برادری کو اختیار ہے خواہ وہ مجھے چھوڑ دے یا رکھے۔ میری اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ نولکشور ہی اس کا بانی مبانی ہے۔ میرا فرض یہ ہے۔ کہ میں اس کے حکم کی تعمیل کروں!
چمن کا یہ اخلاص اور خلوص محبت دیکھ کر فرط عقیدت سے مالتی کی آنکھوں میں آنسو

بکھر آئے۔ اور اُس نے انہیں اس طرح بپن پر نثار کر دیئے۔ جیسے کوئی اُپاسک دیوتا پر پھول چڑھاتا ہے۔ از خود رفتہ بپن عقیدت آمیز نگاہوں سے اپنے آپ کو بھول کر مالتی کی طرف دیکھتا رہا۔

جس وقت بپن بھرے بھرے دل سے واپس ہوا۔ اُسوقت اُسکے سامنے ایک پُر لطف و شاعرانہ سایہ نظر آیا۔ مگر اُس نے جان بوجھ کر اُس طرف توجہ نہ کی۔

بپن کے جانے کے بعد مالتی اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ رہی۔ اور اُن ہی خیالات میں غرق ہو گئی۔ کتنا خلوص۔ کیسی لافانی محبت۔ کتنی تقدس پذیر!!! دیکھنے میں یہ دونوں انسان نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے دیوتا ہونے میں کیا شک ہے۔ ایک تو دیودار کی طرح نہایت وجیہہ و خوبصورت تھا۔ دوسرا انگور کی بیل۔ اپنی تقدیس اور عظمت سے خود ہی ناواقف ہیں۔ دوسروں پر سب کچھ چھوڑ کر اس زہر خرابات میں آب حیات تقسیم کر رہے ہیں۔

یہ باتیں خیال آتے ہی مالتی کے چہرہ پر مسکراہٹ کی ہلکی ہلکی شعاعیں نمودار ہوئیں انگور کے عرق میں جو شیرینی اور سرور بخش سرور پنہاں ہے۔ مالتی کے دل میں رگ رگ میں وہی رس دوڑ گیا۔ مگر اس نے اُس لطف کو دبانا چاہا۔ آہ بچ گئی۔۔ اگر یہ آتے۔ تو دوپہر کا وقت کتنے مزے سے گذرتا۔ کسی کو بھی کچھ کہنے سننے کا حوصلہ اور موقعہ ملتا۔

ناگہاں اُس کی فکر کو چوٹ کی شکل میں تبدیل کرنے کیلئے چاچی جی جلدی جلدی آئیں۔ اور گرجتی ہوئی آواز میں بولیں۔ کم بخت تو نے کیا کیا۔ دو دن بھی اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکی۔ کسی قدر شور و شر پیدا ہوا تھا۔ مگر تجھ سے خاموش نہ رہا گیا۔ پھر وہی شعلہ زن آگ تو نے مشتعل کر دی۔ نابکار! تجھے موت نہیں آتی۔ یا تو تو منہ کالا کر۔ اور یا مجھے ہی موت آ جائے۔

مالتی یہ بے موقعہ اور بلا ضرورت لعن طعن سُن کر بستر پر اُٹھ بیٹھی۔ اور تحیر آلود نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ کیوں! کیا ہوا؟

چاچی جی نے مالتی کے منہ کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ میرا سر لو نہ لا

منہ ۔ اب اور کیا ہوگا ۔ بہن سے اکیلے میں بات چیت کرتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی ۔ لا شرم و حیا بھون کھائی ہے ۔ تیرے لئے ہمیشہ سے میرا سر نیچا ہوتا رہا ہے ۔ اور اب بھی ہو رہا ہے ۔

چاچی جی منہ پر آنچل رکھکر رونے کے لئے تیار ہوئیں ۔ اس سے مالتی ہنسیگی یا روئے گی ۔ یہ فیصلہ وہ نہ کر سکی ۔ بستر پر پڑ گئی ۔

بہن نے جو سایہ دیکھا تھا ۔ وہ شریمتی رہمنی کا تھا ۔ رہمنی نے اندھیرے میں بہن و مالتی کو باتیں کرتے دیکھکر سوچا تھا ۔ کہ اچھا موقع مل گیا ۔ اب مالتی کو خوب خفیف کر سکوں گی ۔ جس کمرے میں تمام عورتیں بیٹھی ہوئی کوئی پان بنا رہی تھی ۔ کوئی سپاری کاٹ رہی تھی ۔ کوئی کسی کام میں لگی ہوئی تھی ۔ رہمنی اسی مجمع میں پہنچی ۔ اور جیسے تیسے بیٹھ کر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی ۔ ہنستے ہنستے وہ بار بار اپنا پیٹ پکڑ لیتی تھی ۔ الٹو قلا بازیاں کھانے لگ جاتی تھی ۔ کوئی کسی کام میں لگی ہوتی تھی ۔

بابو جی کی ماں نے پوچھا :۔ کیوں رہمنی! کیا ہوا ۔ کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گئی یا بھوت دیکھا ۔ اس قدر ہنسی کیوں ہے ۔

رہمنی ہنسی کے زور سے ہانپتے ہانپتے بولی ۔ باپ رے! میں اب اس گھر میں نوکری نہ کروں گی ..... میں مہینہ ختم ہونے پر اپنی تنخواہ لیکر چلی جاؤں گی ...... باپ رے! اب نہیں ہنسا جاتا ۔ پیٹ میں درد ہونے لگا ..... سچ کہتی ہوں ۔ بھائی جی! اس گھر میں اگر تھوڑے دنوں بھی رہ گئی ۔ تو پاگل ہو جاؤنگی ..... آج شام کو میں نے بھوت دیکھا ہے ۔

جینتی نے کہا ۔ اصل بات کیوں نہیں بتاتی!

ٹھہرو ۔ ٹھہرو ۔ پیٹ میں درد ہو رہا ہے ۔ ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے ۔

آہ! مر کمبخت! گھنٹوں سے تو اسی طرح بک رہی ہے ۔ بتاتی کیوں نہیں کہ کیا ہوا!

سمجھ ہی ہو گئے پھر - وہ سمجھائے سے کیا سمجھیں

رد ہنی آنچل سے آنسو پونچھ کر ذرا سنبھلکر بیٹھ گئی - اور آہستہ آہستہ بولی - اوہ تمہاری مالتی — یہ کہکر وہ پھر ہنسنے لگی +

پانچو کی ماں نے جلدی سے پوچھا :— کیوں کیوں - مالتی نے کیا کیا ؟

مالتی کا نام سن کر سب کے دل میں ایک کھلبلی سی مچ گئی - سب کی سب کام چھوڑ کر ردہنی کو گھیر کر بیٹھ گئیں +

ردہنی نے کہا :- مالتی اندھیرے میں کھڑی ہوئی بپن دادا سے نہ معلوم کیا کیا باتیں کر رہی تھی .... بھائی ! تم سب کو میرے سر قسم ہے - کسی سے کہنا نہیں - اگر کہو تو میرا خون پیو +

جینتی نے کہا :- ہائیں ! میں تو یہ سمجھی تھی - کہ مالتی بپن سے بولتی ہی نہیں - اور ماں ! یہ چپکے چپکے خوب کھچڑی پک رہی ہے +

پانچو کی ماں نے ہنستے ہوئے آنکھیں بنا کر کہا :- ہاں جی ! لوگوں کے سامنے نہ کہنا - مگر چپ چاپ - آڑ میں چھپ کر کہنے میں کیا مضائقہ ؟

تمام کمرے میں ایک شور شرابا سا مچ گیا - ردہنی نے جس جس عورت سے یہ ذکر کیا - سب کو قسم رکھا دی - کہ بھولکر بھی کسی سے ذکر نہ کرنا +

جس وقت کمرے میں یہ سب باتیں ہو رہی تھیں - اُس وقت چاچی جی نے پوجا گھر سے آکر دیکھا - جا بجا منڈلیاں بیٹھی ہوئیں بات چیت کر رہی ہیں مگر انہیں دیکھتے ہی سب کی سب خاموش ہو گئیں - چاچی جی نے ردہنی سے پوچھا :- اری ردہنی کیا ہوا !

ردہنی نے منہ خشک کر کے کہا :- چاچی جی ! میں کیا جانوں ؟ میں تو ان سب باتوں پر کان نہیں دیتی - یہ سب کہتی ہیں ...... مالتی دیدی اندھیرے میں کھڑی ہوئیں چپ چاپ بپن دادا سے باتیں کر رہی تھیں .... میں کچھ نہیں جانتی !

جیسے ردہنی کچھ کہہ نہیں سکی - اور بولنے کا اُسے موقع اور خواہش بھی نہیں - اس انداز سے وہ فوراً چاچی جی کے پاس سے چلی گئی +

جب ردہنی کمرہ میں آگ لگا کر چلی گئی - اُس وقت اُسے سمجھانے کیلئے کوئی

نہیں آیا - چاچی جی بے عزتی اور شرم سے دکھی ہو کر مالتی پر اپنا غصہ اتارنے کے لئے روانہ ہوئیں - رفتہ رفتہ یہ بات مالکہ اور بہن دونوں کے کانوں میں بھی پہنچی - مالکہ نے کہا - میرا بیٹا ایسا لڑکا نہیں - یہ تمام قصور اسی بے حیا لڑکی کا ہے - کمبخت کی آنکھوں میں نہ معلوم کیا کیا بھرا ہے - اس انداز سے دیکھتی ہے - جیسے دل میں ہی سما جائیگی ۔

بہن نے بہت کچھ پتہ لگایا - تو اسے معلوم ہوا - کہ یہ تمام شرارت روہنی کی ہے - اس کے دل میں بار بار یہی آنے لگا - کہ جس طرح ممکن ہو - روہنی کو اس گھر سے نکال دینا مناسب ہے - مگر تھوڑی دیر بعد ہی اس نے سوچا - کہ جس محل کی بنیاد ہی باطل پرستی اور لاعلمی جیسے عظیم الشان پہاڑ پر ہے - اگر اس کی ایک اینٹ نکال بھی لی گئی - تو اس سے کیا حاصل ؟

بہن نے عہد کیا - جس طرح ممکن ہوگا - جہالت سے پیدا شدہ باطل پرستی کا گرد و غبار دور کرنا ہوگا - اور تمام شرم و حجاب کو دور کر کے علانیہ طور سے مالتی کے ساتھ بات چیت کرنی ہوگی - اس نے سوچ کر دیکھا - یہ جو تمام خرابیاں اس کے خاندان میں آ کر اکٹھا ہو گئی ہیں - وہ پشتہا پشت کی ہیں - اس خاندان نے جس مزاج سے بیٹے دل کی تربیت کی ہے - ان سوسائٹی میں فرقہ اناث کی تعلیم گناہ عظیم ہے - عورت کی آزادی تو بالکل ہی خواب و خیال ہے - وہ تو صرف آوارگی کا دوسرا نام ہے - مرد اپنے آپ اور فرقہ اناث کو نہایت کمزور دل اور پاپ میں لت پت سمجھتے ہیں - ان کا خیال ہے یہ اتنی جلدی ہی پاپ کی طرف رجوع ہو جاتی ہیں - کہ وہ عورت کو مرد کے ساتھ معمولی میل ملاپ ہوتے دیکھ کر ہی چانک کی غنیمی یاد کر کے چونک اٹھتے ہیں - عورتیں تو کافور کی طرح اڑ جانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہیں - جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی - ایسے محل کے اندر دل خانہ میں سنگین پہرے سے اگر حفاظت نہ کی گئی - تو یقیناً تباہی ہوگی - جگہ جگہ اندر سے مردوں کے مبہم خیانت کی پابندی سے عورتوں کا دل بھی کچھ اس طرح کا ہو گیا ہے - کہ وہ خود اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کرتیں - اور نہ اپنے آپ کو انسان سمجھتی ہیں - سوسائٹی میں ان کی جگہ بہر طور لازمی ہے - وہ نہیں سمجھتیں - اور نہ سمجھ

کوشش ہی کرتی ہیں - اس لئے عرصہ دراز کے اثرات سے جہاں کہیں انہیں کوئی نئی بات یا رکاوٹ نظر آئی - وہیں وہ سرکش ہو کر ہمیشہ مصیبت کا خوف پیدا کر دیتی ہیں جو تاریکی میں راستہ ٹٹولتے ہوئے چلتے ہیں - انہیں قدم قدم پر یہی خوف ستاتا ہے کہ کہیں اُن کا پاؤں کسی غار میں نہ پڑ جائے - یا سانپ سے مقابلہ ہو جائے اور یا کہیں سے کوئی خوفناک جانور اُن پر حملہ آور نہ ہو - یہ خوف بیجا وہم کی شکل اختیار کر لیتا ہے - ضرورت ہے کہ اُن کے تاریک دماغ انوار علم سے منور کر دیئے جائیں - سوسائٹی میں اپنے کنبہ میں پشتہا پشت سے جو خوف بیجا اور توہمات چلے ہوئے ہیں - اُن کا قلع قمع کرنے کیلئے بھی صرف یہی ایک تدبیر ہے - کہ انہیں علم منتقل کر دی جائے - جس طرح ہو - ان تمام توہمات اور فضولیات کا خاتمہ کرنا ہی ہوگا - بہن نے اپنے دل میں سب سے زیادہ یہی اہم مسئلہ سمجھا ۔

جب بہن کی سمجھ میں اُس کا فرض آگیا - تو اُس نے یہی سوچا کہ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینے سے کام نہ چلیگا - اس میں محض تضیع اوقات ہے - جو مناسب معلوم ہوگا - اُسے ضرور ہی کرنا پڑیگا - وہ اپنے آئیڈیل یا اپنے دوست کی خوشنودی کی خاطر ابھی سے انتظام کرتا ہے - ایسا کیا وہ صرف اپنے آئیڈیل کی خوشنودی انتظام کریگا - اور کام کے وقت اُس سے پہلو تہی کر جائیگا - نہیں - اگر اُس کے ارادوں اور کام دونوں میں یکسانیت اور ہم آہنگی - نہ ہو - تو وہ انسان نہیں ۔

(۲۱)

کل بہن کے دل کو جن باتوں سے چوٹ لگی تھی - اور جس نے ہی نے اُس کے مضطرب دل پر ایک داغ سا لگا دیا تھا - اُن تمام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بہن حسب معمول اپنی پاٹ شالا میں آیا - اُس نے دیکھا - آج کسی نے بھی کوئی انتظام نہیں کیا - اُس وقت تک بھی فرش نہیں بچھایا گیا تھا - اور کوئی سینے والی عورت نہیں آئی تھی - صرف چند نوخیز لڑکیاں وہاں بیٹھی ہوئیں آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں - وہ شاید اِس بات کے جاننے کا انتظار کر رہی تھیں - کہ اِس تقدر ہو جانے پر بھی بہن حسب معمول پاٹشالا

سامنے آ جاتی ہے یا نہیں – اور دیر سے جب لڑکی اپنا کالا منہ پھر سب کو دکھانے لگی۔ باہر چمن کو آتے دیکھ کر سب کے چہرے کی رنگت اڑ گئی – ایک بار سب کی آنکھوں میں ملامت بھری نظر آئی ۔

چمن نے چپکے سے پوچھا – ارے جیتی لڑکیاں اِدھر سے اُدھر چھو کر بات کرتی ہیں ۔ اپنا کام تو سنبھالنے کا انتظام نہیں کیا – چار قدم پر تو اٹھا لا – میں ماں کو بلا لاتا ہوں ۔

چمن ماں کی تلاش میں روانہ ہوا – وہ لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگیں اور تمام دکان کو اپنے شغل سے کچھ پاٹ دینے کا انتظام کرنے لگیں ۔

چمن نے ماں کے کمرے کے پاس پہنچ کر آواز دی – ماں !

مالکہ نے جواب دیا – کیا بات ہے ؟

تم اب تک ہماری بھابی نہیں آئیں – یہ کہہ کر چمن کمرے میں داخل ہوا ۔

مالکہ نے متانت آمیز لہجہ میں کہا – روز روز سنتے سنتے طبیعت اکتا گئی ۔

بہو نے جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آگے بڑھ کر ماں کی ٹانگیں اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے پکڑ کر کہا – داداجی تو پڑھتی تھی – کیا میں بھی اچھی لڑکی ہوں – ماں بڑی پیاری ہے ۔

چمن نے جھک کر بہو کا منہ چوم کر کہا – ماں کو شیطان نہیں بننے دوں گا – انہیں بھی پکڑ کر پڑھنے سے چھڑوں گا !

بہو نے جا کر مالکہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے کھینچتے کہا – وہاں معلوم کتنی لڑکی بیٹھی ہیں – جلدی نہیں جاؤ گی – چل ۔ چلئے نا !

لڑکی کی یہ معصومانہ مگر محبت آمیز تقریر سن کر مالکہ کی سنجیدگی جاتی رہی – انہوں نے بیٹے اور بہو دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا – تم سب چلو، میں ذرا دیر بعد آتی ہوں ۔

بپن نے ہنستے ہنستے بنی کو گود میں اٹھا لیا۔ اور باہر آکر دیکھا۔ سب ہی سب اُس کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ مگر مالتی و چاچی جی کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ بپن نے کسی طرح اپنے شرم و حجاب کو دبا کر طبیعت پر زور ڈال کر کہا۔ مالتی نہیں آئی۔ چلو بنی! تمہاری مالتی دیدی کو بلا لائیں۔

بنی نے بپن کے گلے میں اپنے دونوں ہات ڈالکر کہا۔ نہیں، بڑے دادا! ماں بکیں گی!

بپن زبردستی بنی کو گود میں لیکر مالتی کو بلانے چلا۔ اُس وقت بنی بہت خوش تھی۔ اُس کے چہرے پر کسی قسم کے رنج کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔

بپن نے چاچی جی کے کمرے کے پاس جاکر پکارا۔ چاچی جی!

چاچی جی نے آواز دی۔ آؤ بیٹا!

بپن کمرے میں داخل ہوا۔ چاچی جی بیٹھی ہوئی مالا جپ رہی تھیں۔ مالتی پاس ہی چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بپن کے متغیر چہرہ پر اپنی نظریں ڈالکر سر جھکا لیا۔ اُس کے دونوں رخسار سرخ ہو اٹھے۔

اُنہیں متغیر نگاہوں میں مالتی کا تمام حجاب سما گیا۔ بپن کا چہرہ بھی شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ چاچی جی! آج تم میری کتھا سننے نہیں گئیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ تمہیں اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

بیٹا! بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو مہابھارت اس پر تمہاری شیریں بیانی! پھر کیوں نہ اچھا معلوم ہوگا۔ مگر بیٹا! میں اور کسی بات میں دخل دینا نہیں چاہتی۔ تم نے مہربانی کر کے ترس کھا کر مجھے پناہ دی ہے۔ روزانہ صبح اٹھکر تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتی ہوں۔ یہ کہتے کہتے چاچی جی کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

بپن نے ہنسکر کہا۔ چاچی جی! میں نے پناہ دی! تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ پہلے تم پرائیں! تم اکیلے گھر میں تھیں۔ اب اپنے لڑکے بچوں میں آگئی ہو۔ بس۔ یہی فرق ہے۔ یہ گھر بھی تو تمہارا ہی ہے۔ یہاں آکر بھی تم اکیلی رہو۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ چلو!

چاچی جی نے پر آب مگر محبت آلود نگاہوں سے بپن کی طرف دیکھکر کہا:۔ بیٹا! میں نہیں جاؤں گی۔ یہیں بیٹھی بیٹھی مالا جپوں گی ٭

اچھا! جب تمہارا جاپ ختم ہو جائے۔ تب آنا۔ مگر مالتی کا رجحان مالا جپنے کی طرف نظر نہیں آتا۔ چلو مالتی! اٹھو چلو!!

مالتی چپ چاپ بغیر کوئی جواب دیے ہوئے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ چاچی نے پر اسرار نگاہوں سے بپن کے چہرے پر نظر ڈالی۔ گو بپن کا چہرہ شرم سے سرخ ہو اٹھا تاہم اُس نے اپنے آپ پر زور کرکے بآسانی کہا:۔ اسی لئے تو جانا اور بھی مناسب ہے۔ بغیر کسی قصور کے خوف کس بات کا؟ ...... چلو مالتی! تمہیں چلنا ہوگا ٭

مالتی کا چہرہ آفتاب کی زریں شعاعوں سے رونق پذیر گل صد برگ کی طرح حجاب آلود مگر دلربا انداز سے شگفتہ ہو اٹھا۔ اُس نے آنکھیں نیچی کئے ہوئے کسی قدر کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ آپ چلیں۔ میں ابھی آتی ہوں ٭

بنی نے بپن کی گود سے اُتر کر مالتی کا ہات پکڑ کر کھینچتے کھینچتے کہا۔ مانی بیدی سنئے دادا بلاتے ہیں۔ چلو!

مالتی بنی کو گود میں اٹھا کر بپن کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر ہوئی۔ چاچی جی بےحس و حرکت بیٹھی ہوئیں چپ چاپ مالا جپتی رہیں ٭

بپن نے واپس آکر دیکھا سب کی سب انتظار کر رہی ہیں۔ مالکہ بھی آگئی تھیں بپن نے اپنے آسن پر بیٹھکر کہا۔ کل سے صرف میں ہی نہیں پڑھوں گا۔ بلکہ تم لوگوں کو بھی پڑھا دوں گا۔ تم لوگوں کو بھی پڑھنا پڑیگا ٭

مالکہ نے کہا:۔ بیٹا! عورتوں کو لکھنے پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اُن کا پڑھنا اچھا نہیں۔ پڑھنے سے بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اور کمتی ہی! یہ کہکر اُنہوں نے پر اسرار نگاہوں سے مالتی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ مالتی نے متحیر ہو کر ایکبار بپن کے چہرے کی طرف دیکھا۔ فوراً ہی بجلی سی تڑپ کر بنی کے دونوں ہات اُس نے اپنی مٹھی میں دبائے ٭

بہن نے ماں کے چہرے پر شکایت کی نگاہوں سے دیکھکر کہا۔ عورتیں لکھنا پڑھنا سیکھنے سے بیوہ ہو جاتی ہیں۔ بگڑ جاتی ہیں۔ یہ باتیں تم نے کس سے سنی ہیں۔ جو کلکتہ کی تمام لڑکیاں لکھی پڑھی ہیں۔ یہ سب مرد ہی تو سکھاتے ہیں۔ کیا خود ہی خودکشی کرنے کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں؟

ماں نے کہا۔ جو نہیں مانتے انہیں کچھ نہیں ہوتا۔ جو مانتے ہیں۔ انہیں سب ہوتا ہے۔

بہن نے کہا۔ پھر یہ تو سمجھنے کی بات ہے۔ تم بھی نہ مانو!!

ماں نے کہا۔ نہیں نہیں!! وہ تمام پرانی باتیں ہمارے ہندو مذہب میں لکھی ہیں۔ سب جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ دیکھو! پھر سے دیر ہی وہ سب نہیں مانتے۔ انہوں نے چھوٹی بہو کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اس کا انجام کون بہت اچھا ہوا۔ پڑھنا لکھنا سیکھ کر عورتوں کو کرنا ہی کیا ہے۔ نوکری چاکری بھی نہیں۔ اور نہ بیوپاری کا بہی کھاتہ لکھنا ہے۔ اس کے علاوہ لکھنا پڑھنا سیکھ کر اتنی بڑی بڑی لڑکیاں کرشٹان بن جاتی ہیں۔ کرسیوں پر بیٹھی آنکھیں کتابوں سے لگا کر گھر کا تمام کام کاج بھول جاتی ہیں۔ کھانا پکانا تک داسیوں کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ جو لڑکیاں گرہستی کے کام کاج کے لئے بنائی گئی ہیں انہیں لکھنے پڑھنے کی کیا ضرورت؟

بہن نے کہا۔ ہاں! گھر گرہستی کا کام کاج کرنا عورتوں کیلئے بہت ضروری ہے۔ یہ میں بھی مانتی ہوں۔ مگر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اُن کا یہ تمام کام نہایت شاندار ہو سکتا ہے۔ اپنی اولاد کی تادیب و تربیت نہایت عمدہ طور پر کر سکتی ہیں۔ تم کہتی ہو۔ کہ لکھنا پڑھنا سیکھ کر عورتیں گھر کا کام کاج نہیں کرتیں۔ مگر کیا یہ ٹھیک ہے؟ جو نہیں کرتیں وہ یوں بھی نہیں کرتیں۔ بڑے گھروں کی لڑکیاں لکھنا پڑھنا ہی نہیں سیکھتیں۔ اور وہ کام کاج بھی نہیں کرتیں۔ ہمارے گھر میں اتنی لڑکیاں ہیں۔ کون کتنا کام کرتی ہے؟ رات دن لوگوں کی جڑیں کھودنے میں ہی کمربستہ نظر آتی ہیں۔ لکھنا پڑھنا سیکھ کر پھر اُن کی توجہ کا مرکز اسراف نہیں رہتا۔ صرف یہی کیوں؟ وہ وسیع دل بھی ہو

جاتی ہیں۔ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ بھی جن باتوں پر وہ توجہ نہیں دیتی تعلیمیافتہ ہو کر پھر اُن میں کتنا ہی معنی پیدا کر لیتی ہیں۔ بات بات میں بات نکالتی ہیں۔ اُن کا اصلی دھرم کیا ہے۔ یہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہاں تک کہوں۔ وقت ضرورت ضرورت زمینداری دیکھ سکتی ہیں۔ گھروں کی نگرانی کر سکتی ہیں۔ اس گھر میں جہاں مالتی کے سوا کوئی عورت نہیں۔ اسی گھر میں لکھے پڑھے آج مالتی کیسے بڑی ہمت کی جا رہی ہے۔ اگر جاچی جی لکھنا پڑھنا جانتیں۔ تو آج زمینداری کی نگرانی خود ہی کرتیں کوئی اور تکلیف نہ اٹھانی پڑتی +

مالتی دھیا جی کے متعلق اپنے برے سلوک کی بات سنکر مالکہ بہن پر ناراض ہو کر بولیں۔ مجھے تو ان باتوں سے نفرت ہے جاچی جی یا مالتی کی ہی فکر پڑتی ہے۔ جب دیکھو تب اُسی کی مثال دیا کرتی ہے۔ تو انہیں لکھا پڑھا کر کیا۔ ہم لوگوں کو کیوں گھسیٹتا پھرتا ہے۔ یہ کہکر مالکہ نے منہ پھلا لیا۔ اور چپ چاپ بیٹھ گئیں +

بہن نے ہنسکر کہا۔ انہیں تو سکھا ہی رہی ہوں۔ مگر تمہیں بھی اُن کے ساتھ ہی گھسیٹوں گی۔ جب تمہارا ہی فائدہ ہو۔ جانتی ہو۔ کہ مالتی کی طرح میں بھی ایک رہا ہوں گی +

بہن کی محبت آلودہ گفتگو سنکر مالکہ نے پھر خوش ہو کر کہا۔ تو کیا اسی طرح بہت دنوں تک بالکل ناواقف بنا رہیگا !

جیپا نے مالکہ کو خوش دیکھکر بہن کو خوش کرنے کی غرض سے کہا۔ اچھا بہن میں تو بدھوا عورت ہوں۔ میں تم سے پڑھوں گی۔ اب مجھے تو کوئی خوف نہیں +

بہن نے نفرت آلود نگاہوں سے صرف ایک بار جیپا کی طرف دیکھکر کہا۔ جیپتی! تجھے بھی پڑھنا ہو گا۔ کبھی؟ کل سے ہی! تو نے کہاں تک پڑھا ہے؟ کچھ یاد بھی ہے۔ ایکبار گی ہی۔ کا۔ کھا۔ سے شروع کرنا ہو گا +

بہن کو خوش کرنے کے لئے جیپا نے لہجہ میں کہا۔ میں اور دیدی دونوں شروع سے پڑھنا شروع کریں گی۔ یوں تو سب مجھ چار حروف جانتی ہیں +

پین نے کہا:- کل سے ہماری پاٹ شالا کھل جائیگی۔ بہو وغیرہ اگر مجھ سے پڑھنے میں شرمائیں۔ تو انہیں مالتی پڑھائیگی۔...... مالتی! تم کیا پڑھو گی؟ تمہیں جب کسی کتاب کی ضرورت ہو۔ میرے کمرہ سے لے آنا۔ کسی قسم کے تکلف سے کام نہ لینا +

اس طرح زور کر کے پین نے مالتی کے ساتھ اپنا تعارف کیا۔ مالتی نے کسی قدر گردن جھکا کر اعتراف احسان کیا۔ اس وقت پین نے بخوشی خاطر مہابھارت پڑھنی شروع کی +

عین اسی وقت روہنی نے آکر کہا:- ماں! وہ بے جی آئے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ مائی جی سے کہدو۔ ہم آئے ہیں +

ہاں! اُس دودھ والے کمرے میں بٹھا کر اُن سے کہدے۔ کہ ایک ٹٹی کا مکان بنا دیں +

پین نے پوچھا۔ وہاں ٹٹی کے مکان کی کیا ضرورت ہے؟

زچہ خانہ: پانچو کی ماں کے لڑکا ہونے والا ہے نہ!

پانچو کی ماں نے ذرا اور گھونگھٹ نیچا کر کے سر جھکا لیا +

پین نے کہا:- اُف کیسی ستیاناسی! دو چار دن میں ہی لڑکا ہوگا۔ مگر دودھ والے کمرے میں تالاب سے ملحق۔ گھر کے نابدان کے پاس! یہ تو یکبارگی ڈالنے کا سامان ہے!

مالکہ نے متحیر ہو کر کہا:- کیوں مار ڈالنے کا سامان کیوں؟ تو کہاں پیدا ہوا تھا؟ اس کے بعد اپنی مرحوم لڑکی کو یاد کر کے گہرا سانس لیکر کہا۔ وہی بدنصیب پلٹن۔ وندو اور بہنی۔ سب کے سب اسی مکان میں تو ہوئے ہیں!

ہاں! مگر اس کا انجام کیا ہوا۔ کیا اس پر بھی کبھی غور کیا ہے۔ میرے پیدا ہونے کے تین دن بعد ہی میری ماں چل بسیں۔ اس کے بعد تم مجھے زچہ خانہ سے گھر لائیں۔ اسی وجہ سے اسوقت بھی تمہارے رُوبرو بحث کر رہا ہوں۔ ورنہ آج میرا بھی پتہ نہ لگتا +

مالکہ نے کہا- ہپن! تو یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟

نہیں- ماں! تم کسی قسم کا خوف نہ کرو- مجھے موت کا کوئی خوف نہیں ہیں تو تمہاری گود میں پاؤں پھیلائے ہوئے بہت دنوں تک تمہیں تنگ کرتا رہوں گا ....

مالکہ نے نہایت ہی محبت آمیز نگاہوں سے ہپن کی طرف دیکھ کر کہا- خوب تنگ کر- جسم کی آگ سے تو یہ کہیں بہتر ہے- وہ آگ ایشور کسی دشمن کو بھی نہ دے! یہ کہکر مالکہ نے مایوس ہوکر ایک گہرا سانس لیا۔

ہپن نے ہنسکر کہا- جراج کو تو تم لوگ خود ہی نوید دیتی ہو- اور پھر ہیں پھر افسوس کرتی ہو- دنیا میں قاعدہ ہے- کہ جب سب سے پہلے کوئی معزز مہمان آتا ہے- تو اسکی خاطر ومدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے- مگر اس گھر کے بابا آدم ہی نرالے ہیں- اس گھر میں سب سے پہلا مہمان میں ہوں- اور خوش نصیب تھا- کہ ماں کھو کر بھی ماں کو پا گیا- اور اسی جھونپڑے میں بچ بھی گیا- مگر میرے بعد جو آیا- اُن کی دیکھا دیکھی- پلن اسی زچہ خانہ میں بیمار ہوا- اس کا جسم خراب ہوا- پھر کسی طرح ٹھیک نہ ہوا- بارہ برس تک کسی نہ کسی طرح اس نے کاٹے- اس کے بعد جو ہوا- وہ تمہیں معلوم ہی ہے- علاوہ ازیں ہنی کی بھی کیا حالت ہے- وہ بھی تو سیاہی ہے۔

ہنی مالکن کی گود سے اُتر کر ہپن کی گود میں بیٹھ کر بولی- بلے دلوا! میں سیاہی نہیں ہوں- میں ہنی ہوں۔

ہپن نے اُسے اپنے سینہ سے لگا کر کہا- ان سب کی تندرستی- حسن اور توانائی میں اور بھی اضافہ ہوتا- اگر شروع سے ہی ان کی احتیاط کی جاتی۔

مالکہ نے کہا زچہ خانہ تو سب کے یہاں ایسی ہی جگہوں میں ہوتے ہیں۔

جن کے ہوتے ہیں- اُن کے ہوتے ہیں- مگر تمہیں مکانات کی کیا کمی ہے- جس کو جان جگر سمجھتی ہو- اُس کی طرف سے یہ بے پروائی! اچھی!!

مالکہ نے جھنجھلا کر کہا- تو کہا تیری یہ صلاح ہے- کہ پوجا گھر میں لڑکا پیدا ہو؟

نلنا نے شانت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ ہاں! پوجا گھر میں نہ سہی۔ اسی قسم کے کسی اور گھر میں!

یہ سب فضول باتیں میرے دیکھتے رہتے تو ہونے نہ پائیں گی۔ میرے بعد جیسے تجھے اختیار ہے۔ جو جی میں آئے کرنا!

نہیں اماں یہ بات نہیں ہے۔ تمہاری موجودگی میں ہی میری جو خوشی ہے وہ تمہیں کرنا ہوگا۔ ایسے نہ پوجا سنے میں ہیں کبھی کچھ نہ پیدا ہونے دونگا *

میرے مکان کے پاس تو کوئی ایسا خالی کمرا نہیں۔ جس میں لڑکا ہو سکے۔ اور ٹھاکر دیوتا کے گھر میں تمام فضولیات میں اپنی آنکھوں نہیں دیکھ سکتی۔ یہ کبھی نہ ہوگا *

ماں! ٹھاکر دیوتا ہی تو لڑکے دیتے ہیں۔ تم اگر نہیں دیکھ سکتیں۔ تو میں اپنی خوابگاہ میں اجازت دیتا ہوں *

مالکہ نہایت ہی جھنجھلا کر بولیں:۔ بپن! تیری جتنی باتیں ہیں سب فضول اور کلجگی ہیں۔ تو نرا پاگل ہے۔ سونے والے کمرے میں لڑکا ہوگا، ذرا بتا تو سہی تو سوئے گا کہاں؟

میں اپنے کتب خانہ میں سو رہوں گا *

مالکہ نے پھر طیش میں آ کر کہا:۔ بپن! تیری عقل پر پتھر پڑے ہیں۔ اس گھر میں دایہ آئیگی۔ سب چھوئے گی *

بپن نے کہا: کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا؟

دایہ کھانا لے جائیگی *

واہ ماں! ذات نہ جائے گی۔ اس کا چھوا کھانا کھانے سے ذات نہ جائے گی۔ تم کیا کہتی ہو؟

زچہ خانہ میں کسی قسم کی چھوت نہیں مانی جاتی۔ اور نہ ذات جاتی ہے *

تمہارے شاستر کی مہما سمجھنا آسان نہیں۔ جب جب چاہتی ہو لیا

کرتی ہو۔ مگر شاستر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ مگر جب ہم یہ حالت دیکھتے ہیں کہ لڑکی
اور چمار ان دونوں کے سایہ سے تم بھاگتی ہو۔ اور انہیں چھونا تک ناپسند کرتی ہو۔
تو اس سے کہیں بہتر تو یہ ہے کہ گھر میں سے کوئی عورت ایسے موقع پر کام کرے
چھیلتی۔ چپا۔ داسی۔ یہ سب کی سب تقریباً بیکار ہی رہتی ہیں +

اس کے علاوہ کم از کم پانچ داسیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کو
تعینات کر دو +

زچہ خانہ میں کوئی نہیں جانے پاتا۔ ورنہ ناپاک ہو جائیگا۔ اور بغیر
گنگا نہانے کے پاک نہ ہوگا +

بہت اچھا۔ گنگا نہلا کر میں پاک کرا دونگا۔ یہ باتیں میں اپنے ذمہ لیتا
ہوں۔ لیکن زچہ خانہ میں رہیگا۔ چھیلتی رہیگی؟ ...... داسی تو رہیگی؟

سب کی سب خاموش رہ گئیں +

اس وقت مالتی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے تاکتے ہوئے کہا۔ اگر آپ
اجازت دیں۔ تو میں رہ سکتی ہوں +

بہن نے ناامیدی اور مایوسی میں امید کی جھلک دیکھ کر مالتی کی طرف
احسانمندانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ دیکھو ناں! مجھے آدمی مل گیا۔ اب تمہارا
عذر تسلیم نہ کیا جائیگا ...... چارو ہی ادویہ جی سے کہہ کے۔ کہ ٹٹی وغیرہ بنانیکی
ضرورت نہیں +

اس دن پھر بہن کی بات سبھا کا رنگ نہیں جما۔ بہن نے مالتی سے کہا
آؤ مالتی! میں تمہیں اپنا گنت خانہ دکھا دوں +

مالتی کے گرد و پیش لعنت ملامت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور بہن ایسی
حالت میں اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ آج بہن کے دل میں مالتی کے لئے
ایک ایسی جگہ پیدا ہو گئی۔ جسے کوئی طاقت ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔
مالتی کا دل بھی بہن کی بات چیت سنکر اور محبت کا احساس کر کے عقیدت و احترام سے

بھرپور ہو گیا۔ مالتی کے جاتے ہی سب کی سب عورتوں نے پھر ملامت آمیز ہنسی ہنسنی شروع کی +

(۲۳)

چنڈی منڈپ میں بیٹھے ہوئے نوارن مکرجی حقہ کے دم پر دم لگا رہے تھے۔ اُن کے پاس ہی ایک مٹی کے برتن میں کوئلہ۔ تمباکو۔ چلم۔ دیا سلائی وغیرہ رکھی تھی۔ مکرجی مہاشے رہ رہ کر سلفے کے دم لگا رہے تھے +

موسم سرما کی شام نے ہر چہار طرف تاریکی کا گھٹا ٹوپ پردہ ڈال دیا تھا۔ دودھ کے مکان اور رسوئی خانہ سے دھواں کنڈلی مار کر ہر چہار طرف منڈلاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مگر سردی کے خوف سے کانپتی ہوئی ہوا اُسے اچھی طرح منتشر کرنے میں کامیاب نہ ہوتی تھی۔ اردگرد کے سر بفلک درختوں پر اُس سست رفتار اور آلسی ہوا نے تاریکی کی پگڑی سی باندھ دی تھی۔ گھاس کے بیچ بیچ کوئی جھینگر شام کے سناٹے پر آرا چلا رہا تھا۔ ایک کٹھ پھوڑا رہ رہ کر اپنی ٹھک ٹھک سے پرسکون شام کا تصور توڑنے میں سرگرم تھا +

نوارن نے آواز دی۔ اندر سے گوبردھن! او گوبردھن!!

اندر سے کرخت لہجہ میں جواب ملا:۔ کیا؟ کیوں شور مچا رہے ہو +

نوارن نے جھنجھلا کر کہا:۔ ارے کمبخت! شام تو ہو گئی۔ اب آرتی کرنے کب جائے گا؟

مگر یہاں گوبردھن گانجہ کا دم لگا رہا تھا۔ لگانے کے بعد باہر آ کر بولے:۔ میں روز روز نہیں جا سکوں گا۔ تم خود کیوں نہیں جاتے۔ آج موچی پاڑہ میں گھنگھروؤں کا ناچ ہوگا۔ میں دیکھنے جا رہا ہوں +

نوارن نے خوشامد آمیز لہجہ میں کہا:۔ گھنگھروؤں کا ناچ تو تمام رات ہوگا۔ ذرا ایکبار گھنٹہ بجا آ۔ پرشاد وغیرہ لے آ۔ ناشتہ کے کام آئیگا۔ اِس کے بعد تیرا جہاں جی چاہے جانا +

میں روز روز جاتا ہوں۔ تم ایک دن کیوں نہیں جاتے؟

میں تو آرتی کرنا نہیں جانتا۔ خاک جاتا ہوں +

میں ہی کون بہت جانتا ہوں +

تاہم اچھا تیری کچی ہڈیاں ہیں۔ جس طرف چاہو جھکا دو۔ میری ہڈیاں پختہ ہو گئی ہیں۔ گھٹنہ ہلتا ہے۔ تو آرتی نہیں ہوتی۔ آرتی ہلتی ہے۔ تو گھٹنہ رہ جاتا ہے +

چھوڑ بھی! یہ سب کون دیکھتا ہے۔ گھنٹہ ہلا کر دو پھول چڑھا دینا اور چلے آنا +

تو تو کہتا ہے۔ چڑھا دینا۔ اور چلے آنا مگر سچ کہتا ہوں۔ سُن! اس تو کشور اور چپن کو دیکھ کر میرے عضو عضو میں کپکپی ہو جاتی ہے۔ اُس کی آنکھیں دیکھ کر دل کا خون پانی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھٹا چاریہ کو نکال دیا ہے۔ اس وجہ سے چپن مجھ سے اور بھی بگڑا ہوا ہے۔ کون جانے بابا۔ پوجا گھر میں اکیلا پا کر کہیں مرمت نہ کر دے +

تمہاری مرمت تو کر سکتا ہے اور میری نہیں!

تجھے بھی ٹھونک سکتا ہے۔ مگر تیری ہڈیاں ٹوٹنے سے پھر جڑ سکتی ہیں۔ مگر میری بڑھاپے کی ہڈیاں جنم جنم کے لئے چلی جائیں گی +

نہیں! میری ہڈیاں توڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ جوڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بھٹا چاریہ مہاشے کو کیا اسی لئے برادری سے خارج کیا تھا۔ کہ آخر میں میری ہڈیوں پر آ بنے۔ اگر انہیں خطروں کا خوف تھا۔ تو پھر انہیں ذات باہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے کیا فائدہ؟

فائدہ نہیں! ایک ڈھیلے میں دو پرندے مرے۔ دیکھا نہیں۔ بھٹا چاریہ جی تو ذات باہر ہوئے۔ لکشمی جی کی کرپا ہوئی۔ جس دن سے یہ جھگڑا ہوا ہے۔ اس دن سے کسی بات کی کمی نہیں رہی۔ ہر چیز بکثرت موجود! چولھا جلانے تک کی نوبت

نہیں مائی۔ کھانے کھانے پیٹ کا عارضہ ہو گیا۔ پھر بھی کہتا ہے کہ کیا فائدہ ہوا۔ تم لوگ کچھ ہی کیوں نہ کہو۔ مگر میں کسی طرح نہیں جا سکوں گا جب تک تمہارے ساتھ کلرک گزشتہ ہفتہ بک بک کرتا رہا۔ اُسی وقت سے ہی ناچ شروع ہو گیا ہو گا۔ یہ ڈیرہ بھاگلپور سے آیا ہے۔

اور کسی جواب کا انتظار کئے بغیر شیروان کو پہن وہاں سے روانہ ہو گئے۔ نوارن بیٹھ کر سیکڑوں بے نقط سناتے ہوئے تھک کر اُٹھ بیٹھے۔ بانس کی کھونٹی سے انگوچھا اور تالاب والی اتار کر اور ایک لاٹھی ہاتھ میں لیکر آواز دی۔ ارے چھچھو! جی ہاں! گھر والوں میں اسی طرح گوبر لگا ہے۔ دو دم گھر سے چھچھو باہر آیا۔

نوارن نے کہا۔ ذرا مجھے لالٹین تو جلا دے۔ بابو کے گھر آرتی کرنے کے لئے جانا ہو گا۔

چھچھو لالٹین جلا کر چلا گیا۔ نوارن نے گھر سے ہو تے ہوئے کہا۔ سہاگی کالی ماتا کی اسی بابا لکشمی جنار دن کی!! چین کا سامنا ہو۔ مہا بابا بھیرو ناتھ کی! اگر بخیر و خوبی اور صحیح سلامت گھر واپس آگیا۔ تو ایک پیسہ کے بتاشے چڑھاؤں گا۔ شری ہری! شری ہری!! ہے مدھو سودن! درگا ہارنی!..... ٹھاکر دیوتا کی۔ بات زبان پر آتے ہی دل میں کسی ایک روحانی خوشی کا دریا موجزن ہو جاتا ہے۔ کسی اور کام کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ رام! رام!!..... نہیں۔ نہیں!! اس وقت ان تمام باتوں کا سوچنا مناسب نہیں۔ درگا! درگا!! مدھو سودن! مدھو سودن!!

چھچھو ایک مٹی کے تیل کا چراغ جلا کر لایا۔ اس لالٹین کے چار شیشے میں ایک طرف کا شیشہ بھی ندارد تھا۔ اور باقی شیشے بھی ہل جل رہے تھے۔ کئی جگہ سے ٹوٹے تھے۔ اندر ہوا کی وجہ سے چراغ بھبک رہا تھا۔ چھچھو نے لالٹین نوارن کے ہاتھ میں دی۔ نوارن نے اسے لیتے ہی غضب آلود لہجہ میں کہا۔ کمبخت!!

یہ کیا لگا دیا۔ گوبر سے کیا؟

چھجو نے دانت دکھا کر کہا:- ایں! گوبر کیوں؟ میں بھینس کو سانی دے رہا تھا نا؟

نوارن نے کہا:- کمبخت! بڑا بے وقوف ہے۔ کیا تجھے ہات دھونے کے لئے پانی نہیں تھا۔ رام رام! میرا تمام ہات خراب ہو گیا۔ جا جلدی سے ایک کاغذ لے آ؟

چھجو ایک کاغذ لے آیا۔ اُس سے ہات صاف کرکے نوارن ٹھاکر کی آرتی کرنے کے لئے چلے — دُرگا! دُرگا!! مدھو سودن! مدھو سودن!!

گھر سے باہر نکلتے ہی بنگلے کے پاس خشک پتوں پر نہ معلوم کیسی کھڑکھڑاہٹ معلوم ہوئی۔ ایک گیدڑ راستے میں ادھر سے اُدھر آتا جاتا دکھائی دیا۔ ایک بڑی چمگادڑ اپنے بڑے بڑے سیاہ پروں کو پھیلا کر نکر جی مہاشے کے سامنے سایہ فگن ہوئی۔ اور دیکھتے دیکھتے اڑ گئی۔ ایک زبردست اُلّو املی کے درخت سے خوفناک آواز میں بول اُٹھا۔ دھوتو! دھوتو!! دھوتو!!!

نوارن دل ہی دل میں کہنے لگا — رام رام! تمام آثار خراب ہیں۔ کھڑکھڑاہٹ کی جو آواز آئی تھی۔ وہ یقیناً سانپ کی ہے۔ بائیں جانب سانپ۔ دائیں طرف گیدڑ۔ سامنے چمگادڑ۔ پیچھے اُلو! ہر چہار طرف نحوست کے آثار۔ مدھو سودن! مدھو سودن!! آج پن کے ہات سے چھٹکارا نظر نہیں آتا۔ دُرگا! دُرگا!! زمیندار کا لڑکا اگر گوبر گنیش تو نہیں ہے۔ ایشور جانے آج کس چکر میں پڑ گراہی مکتی...... ہوگی مگر میں یہ کیا سوچ رہا ہوں۔ جس مقدس کام کے لئے میں جا رہا ہوں۔ اور جس دیوتا کے نام کی رٹ لگا رہا ہوں۔ کیا وہ میری مدد نہیں کرینگے۔ دُرگا! دُرگا!! شری ہری! شری ہری!! مدھو سودن! مدھو سودن!!

اندر ڈیوڑھی میں آکر نوارن نے دیکھا۔ ضعیف دربان دوبے جی دونوں ہاتوں سے اپنی سفید داڑھی کو دو حصوں میں تقسیم کرکے کچھ گنگنا رہے تھے؟

نوارن نے اگر خوف زدہ لہجے میں کہا۔ نمسکار دو بے جی! چھوٹے بابو کہاں ہیں؟

نمسکار مگرجی مہاشئے! چھوٹے بابو تو ابھی باہر گئے ہیں۔ شاید بھٹاچارج مہاشے کے گھر۔

نوارن کسی قدر مطمئن ہو کر اندر کی طرف بڑھے۔ اور ڈیوڑھی میں پہنچکر آواز دی۔ روہنی!

روہنی دودھ اوٹا رہی تھی۔ اُبلتے ہوئے دودھ کو پھڑاتے ہوئے بولی۔ کیا ہے جی! کون ہے؟

میں نوارن ٹھاکر جی کی آرتی کرنے آیا ہوں۔

روہنی کے پاس ہی ایک داسی مصالحہ پیس رہی تھی۔ اور دو تین ترکاری کاٹ رہی تھیں۔ روہنی نے بے چین ہو کر کہا۔ سارودا! سارودا!! دیکھو دیکھو!! دودھ اُبلنے نہ پائے۔ میں مگرجی مہاشے کو پوجا گھر میں پہنچا آؤں۔...... بابا! سب کی زبان پر روہنی کا ہی نام رہتا ہے۔ روہنی کے سوا جیسے اس گھر میں کوئی ہے ہی نہیں!

نوارن برآمدے میں کھڑے تھے۔ روہنی نے کہا آیئے!

روہنی کے پیچھے پیچھے جاتے جاتے مگرجی مہاشے نے کہا۔ کیوں روہنی! کیوں۔ آجکل تمہارے راج محل کی کیا خبر ہے۔ کوئی نئی بات؟

ہمارے ہاں تو روز نئی نئی خبریں رہتی ہیں۔ بہن دادا! عورتوں کو کتابیں پڑھا رہے ہیں۔ ابھی خوابگاہ میں زچہ خانہ بنا رہے ہیں...... مگرجی مہاشے! میں تو سب دیکھ دیکھ کر دنگ رہ گئی ہوں۔

ہیں! تو کیا کہہ رہی ہے۔ مالکہ کچھ نہیں کہتی؟

ہماری رانی ماں بہت سیدھی سادھی ہیں۔ ورنہ سوت کے لڑکے کا اتنا نخرہ کیوں برداشت کرتیں! تم خود ایکبار راجہ بابو سے تذکرہ کرو۔

ہاں ہاں! کہنا ہی پڑے گا۔ یہ سب خرابیاں مجھ سے نہیں دیکھی جاتیں

اس کے علاوہ یہ بھی سُن رہا ہوں۔ کہ جو ذات باہر کئے گئے ہیں۔ چپن اُن کے گھر جاتا ہے +

جانے دو۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ کشور اور چپن دادا میں بہت ربط ضبط ہے۔ اور اخلاص و پیار ہے +

نوارن نے متفکر لہجہ میں - سچ کہا۔ ہاں!..... اچھا وہی تو بتا سکتی ہے۔ کہ کس نے زچہ خانہ کے لئے بہن کی خوابگاہ تجویز کی گئی ہے۔ کیا مالتی کی؟

نہیں! نہیں!! اب تک اتنی نوبت نہیں پہنچی۔ مگر کچھ دیر نہیں ہے۔ ابھی تو پانچو کی ماں کی باری ہے +

تو اس پر اتنا درد کیوں؟

کیا جانوں بابو! اس کے اندر کیا رمز ہے +

ہری ہری! ہے مدھو سودن! ہے مدھو سودن!! تمہاری مرضی

یہ کہکر نوارن نے پاؤں دھوئے۔ اور آرتی کرنے کی غرض سے پوجا گھر میں داخل ہوا + روہنی نے کہا۔ آپ جب تک آرتی کیجئے۔ میں جیا بوا سے کہہ آؤں۔ کہ وہ بھوگ وغیرہ لے آئیں +

پوجا گھر میں کسی کو نہ پا کر نوارن کو بہت کچھ اطمینان ہوا۔ انہوں نے جلدی جلدی جوت جلا کر خوب زور سے گھنٹہ بجایا۔ اور شنکھ کی آواز سے تمام مکان بھر پور کر دیا۔ سب چیزیں جہاں کی تہاں رکھکر انہوں نے آرتی ختم کی +

بھوگ وغیرہ رکھ کر جیا نے کمرہ میں داخل ہو کر آواز دی — روہنی! ذرا ٹھیر جانا تو دو تھال دے دے +

روہنی تو دو ہاتھ دور رہی تھی۔ مگر جی جیا نے جتنی دفعہ اپنا زور شنکھ بجانے میں لگا رہے تھے۔ بلکہ اس وقت چپنا گھر میں داخل ہوا۔ اور قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا + اس کی اس بے موقعہ ہنسی سے روہنی چونک اٹھی۔ ہاتھ سے پانی کا لوٹا

چھوٹ پڑا۔ اور وہ جیا کے بھوگ پر گرا۔ مگر جی مہاشئے بھی چوٹ سے محفوظ نہ رہ سکے اُن کے ہات سے شنکھ گر پڑا۔

بپن نے ہنستے ہنستے کہا۔ واہ! واہ!! ٹھاکر جی کی قسمت بھی خوب ہے نند کشور۔ سمرتی رتن مہاشئے کی جگہ نوارن مکرجی نے لی۔ اور چاچی جی کے بدلے جیا ٹھاکرانی پر ٹھاکر جی کی ضرورت کا بار پڑا۔ ان سب پر طرہ یہ کہ روہنی بھی ان میں شریک ہے۔ ناگاہ یہ تبدیلی! بپن پھر قہقہ لگا کر ہنسا۔

شنکھ کی جھنجھناہٹ سُنکر مالکہ نے کہا "کیا ہُوا" یہ کہتے کہتے وہ بھی آدھمکیں دیکھا۔ سب کی سب ششدر کھڑی ہیں۔ اور بپن ہنس رہا ہے۔

گھونگھٹ نکالکر مالکہ نے دبی آواز سے پوچھا۔ جیا نند۔ یہ سب کیسے پھینک دیا اب کیا ہوگا۔ ٹھاکر جی کا بھوگ اب کیسے لگیگا۔ اری روہنی! اکھڑی کیا دیکھ رہی ہے اسے اُٹھا کر ایک طرف رکھ۔

کسی کو جنبش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب کے کانوں میں بپن کی مضحکہ خیز ہنسی پرلے کے بھیروں کی آواز بازگشت کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ ہا ہا ہا!

بپن نے ہنستے ہنستے کہا۔ ماں! ٹھاکر جی ایسے پاکیزہ صفات شخص کے ہاتوں سے کچھ کھانا نہیں چاہتے۔ اسی وجہ سے یہ اُلٹ پھیر ہُوا۔ جہاں نوارن مکرجی پجاری جیا ٹھاکرانی منتظم اور روہنی مہتمم ہیں۔ وہاں ٹھاکر جی تو درکنار معمولی شخص کو بھی کھانے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اگر تم خود ٹھاکر جی کی سیوا نہیں کرسکتیں۔ تو یہ پاپ کا بار کیوں سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ٹھاکر جی کیا تمہاری زمینداری کے گماشتے ہیں۔ کہ ہر وقت تمہارے حکم کی تعمیل کرتے رہیں گے۔ اور تمہارے ہات کے پرشاد کے منتظر رہیں گے۔

مالکہ نے دبی زبان سے کہا۔ آہ! بپن تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔ کیا تو دیوی دیوتا نہیں مانتا۔

بپن نے بلند آواز سے کہا۔ مانتا ہوں۔ اسی وجہ سے یہ تمام خرابیاں دیکھی

نہیں جانتیں۔ جس کا منہ دیکھنے میں پاپ ہو......۔

کیا کرتا ہے۔ جاجا! تو یہاں سے چلا جا۔ یہ کہکر مالکہ نے بپن کو زبردستی پوجا گھر سے باہر نکالدیا۔ بپن ہنستے ہنستے چلا گیا۔

مالکہ نے کہا۔ جاؤ مکند جی۔ دودھ اور سندیش لے آؤ۔ اسی سے ٹھاکر جی کا بھوگ لگیگا۔ مگر جی مہاشے سے کہو۔ ذرا ٹھہریں۔ میں ابھی پوری اور ترکاری تیار کئے دیتی ہوں۔

نوارن نے ادھر اُدھر دیکھا۔ کہیں بپن تو نہیں کھڑا ہے۔ ازاں بعد بولے مجھے آج بہت ضروری کام ہے۔ اس لیئے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکوں گا ابھی جاؤں گا........ مدھوسودن! مدھوسودن!! اگر وہ اس جنم پوری سے کسی طرح چھٹکارا پا جائیں۔ تو اُنہوں نے گویا گنگا نہا لی۔ جان میں جان آئے۔ پھر بھی کھانے کی اُنہیں ضرورت نہیں۔ انہیں بار بار ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت کوئی شریر بار تبسم نرسنگھ کا روپ دھارن کر کے اُس کے عضو عضو کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔

مالکہ نے کہا۔ تو میں دوبے جی کے ہاتھ آپکا کھانا بھجوا دونگی۔

مالکہ گئیں۔ ساتھ ساتھ جیا رو بھی چلی گئی گھر سے باہر ہو گئیں۔ مگر جی مہاشے تن تنہا اُس مکان میں مکڑی کی طرح بیٹھے ہوئے جپ کرنے لگے۔ مدھوسودن! مدھوسودن!!

اندر کی ڈیوڑھی سے نکلکر نوارن کی جان میں جان آئی۔ وہ بپن پر ناراض ہو کر دانت پر دانت دبائے ہوئے بولے۔ بپن کو بڑا غرور ہے...... گیا کہہ رہا ہے...... نوارن نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ سبب یہ کہ اُنہوں نے سوچا۔ کہ زمیندار کے لڑکے بپن کو قابو میں لانا آسان نہیں۔

نوارن ٹوٹی ہوئی لالٹین لیئے ہوئے ڈنڈا ٹھونکتے ٹھونکتے ہری بہاری بابو

کی بیٹھک میں پہنچے۔ اُس وقت ہری بہاری بابو کھانا کھانے جا رہے تھے۔ ہاتھ میں بوتل اور گلاس تھا۔ اور کھانا ہضم کرنے کی فکر میں دو ایک پیالے پینا چاہتے تھے۔

ہری بہاری بابو نے اُنہیں دیکھ کر کہا۔ کیوں چاچا جی! اتنی رات گئے کیا سوچا؟ ...... بڑی سردی ہے۔

ہری بہاری بابو کانچ کے صاف شفاف گلاس میں خون کی طرح سرخ عرق لیکر نوارن کے سامنے رکھا۔ نوارن کی طبیعت ٹھکانے نہیں تھی۔ اُنہوں نے ایسی دل نوش کُن تواضع سے منہ موڑ کر کہا۔ نہیں۔ بھائی! اتنی خاطر و مدارات کا کام نہیں۔ اندر میری اس قدر حقارت ہوئی ہے۔ کہ میں شرم سے دل ہی دل میں پانی پانی ہُوا جا رہا ہوں۔ میں اس وقت صرف یہ کہنے آیا تھا۔ کہ کل سے ٹھاکر جی کی پوجا کے لیئے کوئی اور انتظام کر لو۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکیگا۔

کیوں؟ کیا ہُوا؟

اس بوڑھاپے میں کیا مار کھاؤں گا۔ بابا! تم بڑے آدمی ہو۔ جو چاہو کر سکتے ہو۔ تمہاری لیلا ہی نیاری ہے۔ جو کچھ تم کرو وہ پُنیہ ہے۔ اور جو مجھ سے ہو۔ وہ پاپ ہے۔

ہری بہاری بابو نہایت ہی تخلیہ پسند شخص تھے۔ دنیا کے کسی کام میں وہ کوئی حصہ نہیں لیتے تھے۔ اور نہ کسی کے ساتھ ملتے جلتے ہی تھے۔ سوائے کھانے پینے۔ اور سونے کے اُنہیں کوئی کام نہ تھا۔ تمام دن نشستگاہ میں تکیہ لگائے ہوئے حقہ پیا کرتے تھے۔ اُن کے سکھ دُکھ کا ساتھی اگر کوئی تھا۔ تو وہ صرف رام دھن خانساماں۔ زمینداری کے تمام کاروبار دیوان جی دیکھتے تھے۔ جب دیوان جی کو بہت ضرورت ہوتی تھی۔ اُسی وقت وہ آقا سے صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ اُنہیں خوف تھا۔ کہ شاید کانوں میں سنائی پڑے۔ اور وہ کسی انتظام کے لیئے مجبور ہوں

اور اسی وجہ سے اُنھیں کوئی حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ بھٹاچاریہ جی کو ذات باہر کرنے میں اُنہیں کوئی غیر سہولیت نوارن کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔ اب وہی نوارن جب اپنے کام سے سنتقی ہو رہے ہیں۔ تو وہ سوچنے لگے۔ کہ اب کیا ہوگا +

نوارن نے کہا :۔ بھائی! تمہارا لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ اُس کے غرور کا ٹھکانہ نہیں۔ مجھ سے سخت برگشتہ ہے۔ حالانکہ میرا کیا قصور ہے۔ تم نے کہا تھا۔ اسی وجہ سے میں پوجا کرنے آیا۔ ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی۔ اب نہ آؤنگا +

ہری بہاری نے پریشان نگاہوں سے دیکھکر کہا :۔ کیا بپن تمہاری بےعزتی بھی کر سکتا ہے۔ اگر اُس نے کوئی زیادتی کی ہے۔ تو میں اُسے ڈانٹ دونگا +

نوارن کو کسی قدر حوصلہ ہوا۔ بولا میری بات پر اگر یقین نہیں آتا۔ تو جیا سے پوچھو۔ رو ہنی بھی وہاں موجود تھی۔ سب کے سامنے اُس نے میری بےعزتی کی۔ خیریت تو یہ ہوئی۔ کہ میرے اُوپر ہاتھ نہیں چلایا۔ مالکہ آگئی۔ ورنہ وہ میری کھال کھینچ لیتا۔ آج تمہارے گھر میں برہم ہتیا ہوتی" +

نہیں چاچاجی! تم کچھ خیال نہ کرو۔ میں اُسے اچھی طرح ڈانٹ دوں گا۔ تم جس طرح پوجا کرتے ہو۔ کئے جاؤ۔ میں تمہیں اب کچھ نہیں کہتا +

بپن اگر نہ بھی کہے۔ تو بھی تمہارے گھر میں اب میرا آنا نہیں ہو سکیگا۔ تم گاؤں کے زمیندار ہو۔ ہمارے لئے سرمایہ ناز۔ مگر بابوجی! سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دھرم سب پر حاوی ہے۔ تم خواہ ناراض ہو یا خوش۔ میں اپنی ذات اور دھرم نہیں چھوڑ سکوں گا +

کیوں؟ اب پھر کیا ہُوا +

اب اور کیا ہوگا۔ تمہارے گھر میں لڑکیوں کا سکول کھل گیا۔ خوابگاہ میں زچہ خانہ بنایا گیا۔ جو ذات باہر ہیں۔ اُن کے گھر سے آمدورفت ہے۔ حد ہو گئی اب اور کیا باقی رہا +

بھٹاچاریہ کو برادری سے خارج کرنے میں یہ سب فساد ہُوا ہے۔ اچھا نہیں

ہوا۔ مجھے برادری سے خارج کرنا مناسب تھا۔

اُف! اتنا ہو گیا۔ اور مجھے خبر نہیں۔ رام دھن ذرا بین کو تو بلا۔

نوارن نے مخوف ہو کر کہا۔ نہیں! نہیں!! بابوجی یہ کیا تباہی لا رہے ہو۔ آج رات کو کچھ نہ کہو۔ کل دیکھا جائیگا۔ دوہائی باباجی۔ اس کے بعد پھر تم سمجھ سکو گے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ صحیح ہے یا غلط۔ اب بات دھو کر تم سب پھر پیچھے نہ پڑو۔ دوہائی باباجی! دھرم گواہ ہے۔ میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ میں تو صرف تم سے رخصت ہونے آیا تھا۔ میں خود ہی برادری سے علیحدہ رہونگا۔ یہی کہنے آیا تھا۔ مدھوسودن! مدھوسودن!!

ہری بہاری نے کہا۔ اچھا! ٹھہرو۔ میں ابھی کوئی ذکر نہیں کروں گا۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔

نوارن نے جلدی جلدی اپنی ٹوٹی پھوٹی لالٹین اٹھا کر وہاں سے کوچ کیا۔ ہری بہاری نے کہا۔ تم جس طرح پوجا کرنے آتے تھے۔ بدستور اسی طرح آنا۔ نوارن نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مدھوسودن! مدھوسودن!! کہتے ہوئے چلدیے۔

ہری بہاری کے نوشہ خانہ کے پاس ہی ایک معمولی نشست تھی۔ وہاں زمیندار خاندان کے کارندے اکٹھا ہوتے تھے۔ تاش اور چوپڑ وغیرہ کھیلی جاتی تھی شراب کباب کے دور چلتے تھے۔ نوارن نے آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر دروازہ پر آواز دی۔ شیوچرن!

شیوچرن مالکہ کی بہن کا لڑکا تھا۔ اور پانچو کا باپ تھا۔ شیوچرن نے جلدی جلدی شراب کی بوتل چھپا دی۔ اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے جواب دیا۔ کیا؟ ٹھکرجی نے کہا۔ میں ہوں۔

کون ٹھکرجی مہاشے؟ اتنی رات کو کیا سوچا؟ یہ کہتے کہتے شیوچرن باہر آیا۔

نوارن نے اُس کے شانہ پر ہات رکھکر علیحدہ لیجا کر کہا۔ تم سے ایک بات کہنی ہے
تم لوگ تو مجھے ضعیف سمجھکر میری کوئی بات سنتے نہیں۔ مگر دیکھو! میری حالت
کس قدر قابل رحم ہے۔ میں تو کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر اپنے آپ پر ضبط نہیں
کر سکتا۔ دل دیکر ہمدردی کرتا ہوں۔ مگر تم لوگ کسی کی خبر نہیں رکھتے۔ تمہیں اس
طرح مصیبت میں دیکھکر ایسی سرد اور تاریک رات میں کانپتے کانپتے آیا ہوں....
یہ کہکر نوارن ہانپنے لگا۔

شیو چرن تمہید سنکر ہی متحیر رہ گئے۔ بابا کیسی مصیبت! اُس دن اُنہوں نے
ایک شخص سے پانچ روپیہ تیرہ آنہ لیکر سرکاری خزانہ میں داخل کرنے کے بجائے اپنی
جیب میں رکھ لیے تھے۔ اسی وقت سے ابتک بچارہ کا دل تشویش میں تھا۔ کچھ
دھڑک سا رہا تھا۔ اِسی وجہ سے وہ شراب کی بوتل لیکر بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے سوچا۔
کہیں میری چوری پکڑی تو نہیں گئی۔ چور کا دل ہی کتنا؟ اُس کے منہ سے بات بھی
نہیں نکلی۔ خوف زدہ نگاہوں سے مکرجی مہاشے کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

مکرجی نے کہا۔ بھائی! سنا ہے۔ کہ تمہاری برہمنی کے زچہ خانے کے لئے
بپن بابو کی خوابگاہ تجویز کی گئی ہے۔

شیو چرن کی جان میں جان آئی ۔ روپیہ چرانے کی بات نہیں ہے۔
مگر زچہ خانے میں مصیبت کیسی؟ کچھ سمجھ نہ سکا۔ بولا ۔ ہاں: سنا تو ہے۔ کہ آج
اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہے!

یکایک تمہاری برہمنی پر بپن بابو کی اتنی ممتا کیوں ہوئی؟ اگر ذات
دھرم رکھنا چاہتے ہو۔ تو یہاں سے اپنا راستہ لو۔ بہو کو دیس لے جاؤ۔ آج ہی
جاکر راجا بابو سے کہو۔ مالک کے پاؤں پڑو ۔ ورنہ تباہی آجائے گی۔

مکرجی کی باتوں سے خائف ہو کر شیو چرن نے کہا:۔ اب تو دسواں
مہینہ چل رہا ہے۔ کیونکر جا سکونگا؟

مکرجی نے کسی قدر سوچ کر کہا:۔ اچھا۔ راجہ بابو اور رانی جی سے یہ ضرور

کہہ دو۔ کہ جس طرح ممکن ہو خوابگاہ میں زچہ خانہ کی تجویز ملتوی کرو۔ اور اپنی بڑا ہمنی کو بھی سکھا پڑھا دو۔ تاکہ وہ کسی طرح راضی نہ ہو...... جاؤ۔ جاؤ۔ اسی وقت راجہ صاحب کے پاس جاؤ۔ وہ اکیلے ہیں۔ اس وقت اُن کے پاس کوئی نہیں ہے +

نوکرانی نے شیوچرن کو زبردستی کھینچکر سیڑھیوں تک پہنچایا۔ شیوچرن جب اوپر پہنچا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ مکرجی بھاشئے اپنے گھر کی طرف جا رہے ہیں +

شیوچرن نے دبے پاؤں دروازے کے پاس جا کر کہا:۔ کہ زچہ خانہ کی تجویز ملتوی کی جائے +

ہری بہاری بابو نے اختصار آمیز لہجہ میں کہا:۔ اس وقت جاؤ۔ میں اب ٹھیک کرا دونگا +

شیوچرن اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ اُسے اور کچھ کہنے سننے کا حوصلہ نہیں ہوا +

ہری بہاری بابو اندر جا رہے تھے۔ رام دھن حقہ اور پان کا ڈبہ لیئے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ توشہ خانہ اور محل کے راستہ میں جیا کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے آہستہ سے پکارا سُنو +

ہری بہاری نے ہنستے ہوئے پاس جا کر کہا:۔ کیوں جیا! کیا ہے۔ آج بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی +

جیا نے کہا:۔ میں اب تمہارے گھر میں نہ رہونگی۔ مجھے کاشی بھیج دو۔ بہن اُٹھتے بیٹھتے میری بے عزتی کرتا ہے۔ مضحکہ اڑاتا ہے۔ میں اب اس گھر میں دم بھی نہیں ٹھہر سکتی +

جا جا۔ پاگل ہوئی ہے۔ کاشی جانے کی کیا ضرورت؟ میں بہن کو ڈانٹ دونگا +

اس کے بعد ایک ہی نظر میں عہد گذشتہ کا گوناگوں عکس دکھا کر دونوں چلے گئے +

بار بار بپن کی شکایت سنکر ہری بہاری بابو رنجیدہ ہوکر اندر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ مالکہ بھی آکر ایک کنارے بیٹھ گئیں ــــ ہری بہاری نے کہا۔ بپن نے لڑکیوں کی پاٹ شالا بنائی ہے۔ اور اپنی خوابگاہ میں زچہ خانہ +

مالکہ نے مغموم ہوکر کہا ــــ ہاں! اس مرتبہ بپن جب سے کلکتہ سے آیا ہے۔ نہایت مغموم اور اُداس رہتا ہے۔ اُس کے خیالات میں بالکل تبدیلی آگئی ہے۔ اس کے علاوہ گھر میں آگ لگانے والی مالتی آگئی ہے۔ جب سے یہ آئی ہے۔ گھر میں ایک دن بھی شانتی نہیں رہی۔ ایک بار نو کشور کے ساتھ کتنا خرافات مچا۔ اب بپن کو پا گئی ہے۔ آخر لڑکا ہے۔ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ممکن ہے۔ کبھی مزاج بدل جائے۔ میں نے اُس سے بارہا کہا۔ کہ تو بدھوا لڑکی ہے۔ مردوں میں تیرا اس طرح گھسنا اور چلانا کیا مناسب ہے؟

ہری بہاری بابو نے ساکن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا:۔ اگر کسی طرح اس طوفان کی جڑ کاٹ دی جائے۔ تو بھی تمام جھگڑا دور ہو سکتا ہے +

باپ رے بپن اسے کب برداشت کرسکیگا۔ وہ تو چاچی جی کو اتنا پیار کرتا ہے۔ کہ جسکا حد و حساب نہیں ہے۔ اسکے علاوہ مالتی تو بپن کی نظروں میں ناچی ناچی پھرتی ہے +

اچھا۔ میں بپن کے ذریعہ سے ہی اُسے نکلوادوں گا +

مگر بپن کی شادی بہت ضروری ہے۔ لڑکا اتنا بڑا ہو گیا۔ شادی ہونی چاہیے۔ اس طرح کیا اچھا معلوم ہوتا ہے؟

بہت اچھا میں کل ہی سب کچھ ٹھیک کردونگا۔ وشنو پور کے زمیندار ہریش بابو نے اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے مجھے لکھا ہے۔ کل ہی سب کچھ طے ہو جائے گا +

مالکہ بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے کہا۔ اگر یہ ہو جائے تو بہت مناسب ہے +

علی الصباح ہیمن اپنے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا مطالعہ کر رہا تھا۔ مالکہ نے آ کر آواز دی۔ ہیمن!

ہیمن نے جلدی جلدی کتاب رکھ کر کہا:- کیوں ماں؟

مالکہ نے ہنس کر کہا۔ صبح صبح تجھے ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ تیری شادی کی تجویز کی ہے۔ آج وہ سب کچھ طے کر کے خط لکھ دیں گے۔

ہیمن نے متفکر ہو کر کہا:- ماں! کہاں یہ کار خیر تجویز کیا۔ لڑکی آئے گی۔ تو بہنی کے ساتھ کھیلے گی تو نہیں؟

نہیں۔ نہیں۔ تو تو ہمیشہ الٹی سلٹی باتیں کرتا ہے۔ جیسے تو اس قدر پڑھ گیا ہے۔ اور بڑا ہو گیا ہے۔ ویسی ہی تیری بہو بھی بڑی ہو گی۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ ولیشنو پور کے زمیندار ہریش بابو کی لڑکی ہے۔ جب انہوں نے خود ہی لکھا ہے۔ کہ لڑکی نو برس کی ہے۔ تو ضرور لڑکی دس گیارہ سال کی ہو گی۔

ہیمن نے سنجیدگی سے کہا۔ واہ! یہ بات تم نے خوب کہی۔ مگر ماں! مجھے تو شادی کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔

پہلے سب باتیں سن لے۔ بعد ازاں خواہش ہوتی ہے یا نہیں۔ دیکھا جائے گا۔۔۔۔ لڑکی اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ تمام زمینداری تیرے ہاتھ آ جائے گی۔ اور لڑکی بھی حسن میں لکشمی۔ گن میں سرسوتی ہے۔ نہایت پڑھی لکھی۔ ودیا ساگر کی کتھا مالا پڑھتی ہے۔ تو جیسی چاہتا ہے۔ ہو بہو ویسی ہی ہے۔

ہیمن نے ہنستے ہنستے کہا۔ ماں! اس قدر تعریف و توصیف سننے پر بھی طبیعت نہیں چاہتی۔ تم باوجی سے کہہ دو۔ کہ میں اس وقت شادی کرنا نہیں چاہتا۔

ہیمن تو نے تو مجھے لاجواب بنا دیا۔ اگر وقت پر تیری شادی کی گئی ہوتی تو آج یہ گھر بھرا بھرا دکھائی دیتا۔ کیا تو میری کوئی خواہش نہ پوری ہونے دیگا۔ تو

کیسی بیوی چاہتا ہے۔ یہی بتا۔ مجھے تو بڑی ادھیڑ عورت پسند ہے۔ مگر ہمارے ہندو گھروں میں ایسی لڑکی کہاں ملے گی؟ دیکھ سکر شادی تو کرنی ہی ہوگی؛

بپن نے ہنستے ہنستے کہا:۔ شادی کرنی ہوگی۔ کیا یہ بہت ضروری ہے۔ میں چھوٹی لڑکی سے کسی طرح شادی نہیں کروں گا...... شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تمہارے چرنوں میں ہی اچھی طرح آرام سے ہوں۔ تم سے جھگڑا کرتا ہوں۔ نخرے کرتا ہوں۔ اب اس میں کسی اور کو شریک کرنے کی کیا ضرورت ہے؛ اُس ناواقف اور بے جانے پہچانے شخص کا مزاج کیسا ہوگا۔ کچھ کہا نہیں جاتا۔ بالآخر کیا وہ ہم دونوں کے درمیان دیوار اٹھا کر کھڑی ہو جائے؛

مالک بپن کی باتیں سن کر محبت آمیز لہجہ میں بولیں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر جب تیرا مزاج ٹھکانے رہیگا۔ تو بہو بیٹی خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو؟ میرا کیا کر سکیگی؟

بپن نے کہا۔ ماں! مگر تم تو کہتی ہو۔ کہ دل کی حالت پر بھروسہ نہیں اگر بگڑ جائے...... ماں! میں تو بڑے مزہ میں ہوں۔ اور اب تو جھگڑا بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

نہیں۔ نہیں۔ جو فرض اور ضروری فرض ہے۔ اُسے تو کرنا ہی پڑیگا۔ تو ماں کا بیٹا ہو کر عرصہ دراز تک کنوارا رہیگا۔ تو تو شادی کرنا نہیں چاہتا مگر لوگ مجھی کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ماں نہیں ہے۔ ورنہ اب تک اُس کی شادی ہو نہ ہوگئی ہوتی...... یہ باتیں سنکر کیا میرے دل کو چوٹ نہیں لگتی۔ تو ہی بتا۔ اس سے رنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ تم بھی سمجھتی ہو۔ کہ تم میری ماں ہو۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب جس کی جو خوشی ہو کہے؛

نہیں۔ نہیں۔ لوگوں کا کہنا سننا بڑا خوفناک ہے۔ خود بھگوان رامچندر جی سیتاجی کو چھوڑنے کے لئے مجبور ہوئے تھے...... تو اس شادی کو منظور کرلے؛

نہیں ماں! یہ کسی طرح نہیں ہوگا۔ تم جہاں پسند کروگی میں نہیں کرونگا

میں جہاں پسند کروں گا۔ تم اُسے نہ پسند کروگی۔ اسی لئے تو کہا تھا۔ کہ ایسی فضول بات کا ذکر نہ چھیڑو۔ سب تو شادی کرتے ہیں۔ میں نہ کروں گا۔ تو کیا ہوگا۔

مالکہ نے اُکتا کر کہا۔ جو جی میں آئے کر۔ میں اب تیری کسی بات میں دخل نہیں دوں گی۔ اُن سے کہوں گی۔ وہ جو مناسب سمجھیں گے۔ کریں گے۔ یہ کہکر وہ جانے کے لئے تیار ہوئیں۔ عین اسی وقت پہنچا خانسامہ ایک بستہ سا لیے کر آموجود ہوا۔

مالکہ نے کہا:۔ اس میں کیا ہے؟

بپن نے کہا:۔ یہ سب سائے ہیں۔ ایک ایک کے لئے ایک ایک درجن! جتنی بار کپڑے تبدیل کریں گی۔ اتنی بار یہ بھی۔ دھلا ہوا سایہ پہننے میں تو کوئی ہرج نہیں۔

یہ تمام سلے ہوئے کپڑے پہنکر دیوتا کا کام کیا جائیگا؟ تو نے سب کو مالتی سمجھ لیا ہے؟ اسی کمبخت نے تو آکر تیرا دماغ بگاڑ دیا ہے۔ تو کیوں شادی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات اس وقت میری سمجھ میں آئی ہے۔ میں ابھی چھوٹی بہو کے پاس جاکر دیکھتی ہوں۔ کمبخت کو ابھی نہ جھاڑو مار کر گھر سے نکال دیا ہو۔ تو میرا نام نہیں۔ بغیر اُسے نکالے باہر کئے پانی نہ پیوں گی۔

مالکہ غصہ میں بھر کر اُٹھ گئیں۔ بپن نے بیکسانہ اور ترحم آمیز نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا:۔ ماں! جو تمہاری پناہ میں آیا ہے۔ اس کی بے عزتی نہ کرو۔ پاپ ہوگا۔ اگر تم نے اُسے گھر سے باہر نکال دیا۔ تو اچھا نہ ہوگا۔ اُس کے ساتھ ساتھ ہی میں بھی تمہارے گھر سے چلا جاؤنگا۔

مالکہ نے چلا کر کہا:۔ تو نے مجھے گالی دی ہے۔ کہ پاپ ہوگا۔ میرا برا ہوگا۔ اگر میں تیری ماں ہوتی۔ تو کیا تو کبھی ایسی بات زبان پر لا سکتا تھا؟

اس کے جواب میں بپن کوئی بات نہ کہہ سکا۔ صرف آنسوؤں سے لبریز نگاہیں ماں کے چہرے پر ڈال کر بولا۔ ماں!

مالکہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی ــ بپن کے مایوس و متفکر چہرے پر اُنہوں نے نظر تک نہ ڈالی۔ وہ غصہ میں بھری ہوئی چلی گئی +

بپن کا مقدس مآب جذبات سے بھرپور اور نازک دل ماں کی اس لاپروائی سے دکھی ہو گیا۔ وہ آرام کرسی میں منہ چھپا کر رونے لگا۔ وہ ہر قسم کی تضحیک و بے عزتی برداشت کر سکتا تھا۔ مگر اُس کی ماں نے جس محبت اور عقیدت پر شک کا چرکا لگایا۔ اُس سے اُس کے دل کے نازک ترین حصوں میں ناقابل برداشت چوٹ لگی۔ روتے روتے اُس کے دل میں خیال آیا۔ اب تک نہ معلوم ماں نے چاچی جی و مالتی کو کس قدر لعنت ملامت کی ہو۔ بپن جلدی جلدی آنکھیں پونچھ کر چاچی جی کے کمرے کی طرف چلا +

بپن کے جانے سے پیشتر ہی مالکہ نے چاچی جی کو گرما گرم سنا دی تھیں۔ چھوٹی بہو! مالتی کو لیکر اس گھر میں تمہارا رہنا اب مناسب نہیں۔ تم دونوں اپنے لئے کوئی اور گھر دیکھ لو۔ یہ کہکر وہ چلی گئی تھیں۔ چاچی جی کو سبب دریافت کرنے کا بھی موقع نہیں ملا +

بپن جس وقت کمرے میں داخل ہوا۔ اُس وقت چاچی جی و مالتی دونوں سر جھکائے۔ چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھیں۔ بپن کو دیکھتے ہی چاچی جی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ مالتی بھی سر جھکائے ہوئے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ بپن کے آنسو بھی بے چینی سے باہر آنے کے لئے اندر ہی اندر شورش پیدا کرنے لگے +

سب کے سب خاموش۔ جیسے کسی کے منہ میں زبان نہیں۔ طاقت گویائی سلب ہو گئی۔ چاچی جی خود دوسروں کے گھر میں روٹیاں توڑ رہی تھیں۔ انہیں بپن سے کچھ کہنے سننے کا کیا موقع تھا۔ ماں نے کیا کہا اسکا انتظار کرنا۔ بپن خود اس بات کو جاننے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے نہایت تکلیف سے اپنے آنسو روک کر کہا۔ چاچی جی! ماں نے کیا کچھ بُرا بھلا کہا ہے؟

ہاں! بیٹا!! مجھے کہیں اور جانے کے لئے حکم دیا ہے...... بیٹا! ہم لوگ کاشی جائیں گے۔ سنتی ہوں۔ ماتا ان پورنا کے دربار میں کوئی بھوکوں نہیں مرتا بھوکا اٹھتا ہے۔ مگر بھوکا نہیں سوتا +

اب ہین کے آنسوؤں نے باندھ توڑ دیا۔ روتے روتے اُس کا سینہ تر ہو گیا۔ رومال سے جلدی جلدی آنسو پونچھ کر بولا۔ چاچی جی! تم نے بہت برداشت کیا۔ اور ابھی ایک مہینہ میرے لئے برداشت کرو۔ اسی ایک مہینہ کے اندر ہی اندر میں تمہاری زمینداری تمہیں واپس دلا دوں گا۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی یہ گھر چھوڑ دوں گا +

چاچی جی نے آنسو پونچھ کر درد آلود لہجہ میں کہا:۔ چھی بیٹا! میرے لئے تم ماں باپ سے کسی قسم کی خصومت نہ مول لو۔ اس سے تم سکھی نہ ہو گے۔ پیارے بیٹے! ماں باپ کا دل نہ دکھاؤ۔ تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا۔ اس بدنصیب بھگوان روٹھے ہیں۔ اُس کی حفاظت کے لئے تم ماں باپ کی بد دعا نہ لو۔ میری وجہ سے اگر تمہیں ذرا بھی تکلیف پہنچی۔ تو میرے دل میں سوئیاں چبھینگی +

ہین نے اس مرتبہ پر استقلال لہجہ میں کہا:۔ چاچی جی! میں یہ سب تمہارے لئے نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنا فرض ادا کروں گا۔ اور جو کچھ کروں گا۔ دھرم کی خاطر کروں گا مجھے اس میں جو کچھ تکلیف ہو گی۔ میں اُسے برداشت کروں گا۔ جہاں تم نے اتنا برداشت کیا ہے۔ اور ایک مہینہ کسی طرح کاٹو۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی۔ تو میں خود ہی تمہیں کاشی لے چلوں گا۔ میں نے تھوڑا بہت لکھا پڑھا ہے۔ اسی سے تمہیں کما کر کھلاؤں گا۔ مجھے اتنا بھروسہ ہے۔ بابو جی نے جو پاپ کیا ہے۔ اُس کا پرائشچت مجھے کرنا ہو گا۔ میں بابو جی کو کبھی مقروض نہ رکھوں گا +

چاچی جی کا دل محبت سے لبریز ہو اٹھا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے دیوتا کے ... ہین کی سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ اُن کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی!

ہین کا یہ استقلال اور انصاف پسندی دیکھ کر مالتی کا دل بھی احسان کے اعتراف

اور محبت کے بحرِ بے پایاں میں غوطے کھانے لگا۔ مالتی نے محبت آلود نگاہوں سے بپن کی طرف دیکھکر خموش زبان میں بپن کو پرنام کیا +

(۲۵)

جس وقت مالکہ بیٹے کی نافرمانی کی خبر سنانے کے لئے بار بار شوہر کی تلاش میں اندر باہر آجا رہی تھیں۔ اور اُنہیں کھانے کے لئے بار بار بلا بھیجتی تھیں۔ عین اسی وقت بپن کے سلیپر کی آواز اُن کے کانوں میں پہنچی۔ بپن نے آواز دی ـــ ماں!

مالکہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ ہانڈی کے نچلے حصہ کی طرح منہ پھُلا کر جنگلے کے پاس کھڑی ہوئیں تالاب کی طرف دیکھتی رہیں۔ بپن نے کمرے میں آکر ماں کو پرنام کیا۔ اور اُن کے قدموں کی خاک اپنی پیشانی پر لگائی۔ مالکہ کی پُر استفسار نگاہوں سے دیکھتے ہی بپن نے ہنستے ہنستے کہا:۔ ماں! میں پاس ہوگیا۔ اور بہت اچھے نمبروں سے!

اُس وقت مالکہ کے آسمانِ دل پر جو گھنگھور بادلوں کا انبوہ تھا۔ وہ منتشر ہو گیا تھا۔ تمام غصہ جاتا رہا۔ اور سب کچھ بھول گئیں۔ فرطِ خوشی سے چیخ مار کر بول اُٹھیں ـــ ارے جیلتی! سب کو بُلا کر کہدے۔ کہ میرا بپن پاس ہوگیا۔ روہنی! او روہنی!! دُوبے جی کو دس روپے کے بتاشے اور پچیس روپے کے لڈو لانے کو کہدے ٹھاکر جی کا بھوگ لگیگا۔ اور پھر سب کا سب تقسیم کر دیا جائیگا۔ او تنو کی ماں! تو جا گھر میں جا کر گوبردھن سے کہدے۔ کہ چلے نہ جائیں۔ آج ٹھاکر جی کا دُگنا بھوگ لگیگا +

تمام مکان میں خوشی کے چہچے اور قہقہے گونج اُٹھے۔ سب کے سب اپنی ہانک رہے تھے۔ ایک دوسرے کو خبر دیتا تھا۔ سب کوئی نہ کوئی فرمایش کرتے تھے +

بپن نے ہنستے ہنستے کہا:۔ ماں! اگر گوبردھن نے پوجا کی۔ تو ہمارا کلیان نہیں ہوگا۔ بلکہ اُس کی پوجا ضرر رساں ثابت ہوگی +

چُپ! چُپ!! کوئی ایسی بات بھی کہتا ہے۔ وہ براہمن!..... ٭

ایسے براہمن سے تو اچھا موچی بہتر ہے۔ گوبردھن اور براہمن! یہ تم نے ایک ہی کہی ٭

چُپ! چُپ!! اگر اُس نے سُن لیا۔ تو اُسے بڑی تکلیف ہوگی۔ آج خوشی کا دن ہے۔ کسی کو دُکھ دینا اچھا نہیں ٭

تو پھر بابُو جی سے کہو۔ کہ آج بھٹاچاریہ مہاشے کو بُلا کر پُوجا کریں۔ چاچا جی کو پوجا گھر کا بار سونپ دو۔ اگر انسُو گرنا ہے۔ تو اس طرح کرو۔ ہر طرف کی سیاہی دھو دو ٭

مالکہ نے کہا:۔ ارے کوئی ہے۔ جا تو چھوٹی بہُو کو بُلا لا۔ مالتی کو بھی ساتھ لا ٭

بپن نے کہا:۔ ماں! چاچی جی کو میں بُلا لاتا ہُوں ٭

بپن چاچی جی کو بُلانے گیا۔ مگر چاچی جی بپن کے پاس ہونے کی خوشخبری سُن کر خود ہی وہاں سے چل پڑی تھیں۔ اور سب کی خوشی میں خود بھی شریک ہو کر اپنا درد و غم بھُولنا چاہتی تھیں۔ بپن نے کمرے میں جا کر دیکھا۔ مالتی تن تنہا کمرے میں زمین پر اپنا آنچل بچھائے پڑی ہے۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر گھونگھٹ نہیں تھا۔ لباس بے ترتیب تھا۔ سیاہ سیاہ لمبے بالوں کی لٹیں زمین پر بل کھا رہی تھیں۔ یہ بے نقاب حُسن دیکھ کر شرمسار اور خود رفتہ بپن چونک کر کھڑا ہو گیا۔ مالتی فوراً اُٹھ بیٹھی۔ اور اپنے آپ کو سنبھالنے لگی ٭

دم بھر کے لیے دونوں خاموش رہے۔ شرمسار ششدر۔ تبسم کی جھلک دکھا کر بپن نے مالتی سے پُوچھا:۔ چاچی جی کہاں ہیں؟

مالتی نے منجر نگاہوں سے بپن کے چہرے کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا ہُوئے آہستہ سے کہا:۔ اُدھر گئی ہیں ٭

میں پاس ہو گیا ٭

سُنا ہے +

بہن نے کہا:- ہاں تمہیں بلاتی ہیں - آؤ میرے ساتھ چلو +

مالتی نے مسرت آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھکر کہا- آپ چلئے میں آتی ہوں +

بہن فرطِ مسرت سے کسی قدر بے چین ہو کر کمرے سے رخصت ہوا- عین اُسی وقت نوکشور طوفانی آندھی کی طرح کمرے کے اندر داخل ہو کر چیختے ہوئے بولا:- بہن! بہن!! سُنا ہے - کیا جور وظلم ہو رہا ہے +

نوکشور کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں - یہ دیکھ کر مالتی سہم گئی بہن نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا- کیا ہوا؟

نوکشور نے اُسی طرح آسمان ہلا دینے والی آواز سے گرج کر کہا:- تمہارے تمہارے چاچا! چاچا!! ...... نے نوارن مکرجی کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر کالی تارا کو گھر سے نکال کر راستہ کا فقیر بنا دیا ہے +

بہن کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی - نوکشور اُسی طرح کہنے لگا- کیا سوچ رہے ہو؟ تمہیں اپنے باپ کا پرانا پن پسند کرتا ہی ہوگا- کالی تارا حاملہ ہے- اُسے نکالنے پر نوارن مکرجی نے یہ سنکر منجھلے بابو سے کہا:- اگر اُسے گھر سے باہر نہ نکال دو گے- تو میں تمہیں ذات سے باہر کر دونگا - اور منجھلے بابو اس دھونس میں آ گئے - اُنہوں نے غریب کو گھر سے نکال دیا- یہی سب دھرم ہے- یہ لوگ سوسائیٹی کے رکن ہیں- نوارن کو دھتیہ ہے- جس کے مظالم کا سر توڑ جواب دینے والا کوئی نہیں ...... بس اب تیار ہو جاؤ- تامل کرنے کا موقع نہیں- تم جس طرح ممکن ہو- کالی تارا کو تلاش کراؤ- اگر اپنے گھر میں رکھنے کا حوصلہ تم میں نہیں- تو میں اُسے اپنے مکان میں رکھ دونگا- مجھے اِس وقت ایک ضروری کام سے بنی نگر جانا ہے - وہاں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے - عصمت کو پولیس کا داروغہ پکڑ کر لے گیا ہے- گاؤں کے لوگوں نے خوف سے اپنے لڑکوں کو پاٹ شالا بھیجنا بند کر دیا ہے- اسلئے مجھے اِسی وقت وہاں جانا ہوگا

کالی تارا کا بار تمہارے اُوپر ہے۔ دیکھنا کسی طرح اپنے فرض سے پہلوتہی نہ کرنا۔

نولکشور بہن کا ہات پکڑ کر باہر لے گیا۔ مالتی سہمی ہوئی چپ چاپ اکیلی کھڑی رہی۔

مالتی نے کچھ دیر بعد باہر آکر دیکھا۔ تمام مکان پر یہ معلوم کیسا ایک منحوس اثر طاری ہے۔ سب کے چہرے پژمردہ۔ نگاہیں متحیر۔ زبان بند۔ خوشی و مسرت کی جگہ رنج والم نے لی ہے۔ مہراجن نے بچا ہوا کھانا اُتار کر رکھدیا۔ جو ترکاری کاٹ رہا تھا۔ وہ جہاں تو ہات میں لئے چپ چاپ کھڑا ہے۔ جیا پوجا کا سامان کر رہی تھی۔ اُس کے ہاتوں میں چندن لگا ہوا تھا۔ وہ جوں کی توں کھڑی تھی۔ کسی عورت نے دوڑتے ہانپتے آکر کہا۔ ہیو! ہو!! گوبر دھن پوجا کرتے کرتے کشور کے منہ سے باپ کا نام سنکر بھاگ گیا۔ ٹھاکر جی جیسے کے تیسے پڑے ہیں۔ پوجا کون کریگا۔ اور بھوگ کون لگائیگا۔

مالکہ نے یہ سنکر بھی نقل و حرکت نہیں کی۔ وہ جوں کی توں چپ چاپ کھڑی ہیں۔ سبھی کے سب منتر کے بس میں آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

بنی بھی آج کھیلتی کودتی اور ادھر اُدھر آتی جاتی نہ دکھائی دیتی تھی۔ وہ اکیلی ایک کونے میں پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھی ہوئی اپنی لکڑی کی نگن گڑیا کو آہستہ آہستہ ہلا جلا کر سلا رہی تھی۔ مگر اُس کے منہ سے آج کوئی گیت نہ نکلتا تھا۔

بنود بھی آج بلا وجہ اس کمرے سے اُس کمرے میں آتا جاتا تھا۔ وہ بھی بنی کے پاس چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔

مالتی نے آکر بنی کو گود میں اُٹھا لیا۔ بنی نے اُس کے گلے میں باہیں دونوں باہیں ڈال کر کہا۔ باتی دیدی! نہ ! تپ!! دادا نے کچھ کیا ہے۔ ماریںگے!

مالتی نے بنود کا ہات پکڑ کر اُٹھا لیا۔ اور آہستہ سے کہا:۔ چلو! تم لوگ میرے کمرے میں چلو۔ ہم لوگ کھیلیں گے۔

بنی نے زور کرکے مالتی کا گلا پکڑ لیا۔ اور جانے میں رخنہ انداز ہو کر کہا۔ نہیں نہیں۔ ماتی دیدی! پھر دادا آ گئیں گے۔

مالتی دونوں بچوں کو لیکر وہاں ہی بیٹھ گئی۔ مالکہ محبت آمیز نگاہوں سے انہیں

کی طرف دیکھتی ہوئی کھڑی رہیں +

(۲۶)

بہن نے کالی تارا کی تلاش میں جاتے جاتے سنا - کہ کالی تارا کل شام کو گھر سے نکالی گئی ہے - اس وقت تقریباً بارہ بجے ہونگے - اس سردی سے کانپتی ہوئی پوس کی رات میں وہ بیکس و معصوم حاملہ کالی تارا نہ معلوم کہاں شب بسری کرتی ہوگی - کل سے بغیر کچھ کھائے پیئے نہ معلوم کہاں پڑی ہوگی - بہن کا نازک دل رحم درد - شرم ونفرت اور غصے سے بھر اٹھا - آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا - اسکی خواہش ہونے لگی - کہ اپنے چاچا کے پاس جاکر انہیں سینکڑوں باتیں سنائے - نوارن مکرجی کا سر پھوڑ دے - مگر وقت نہیں - وقت اپہلے اس بدنصیب کا پتہ لگانا ہوگا - یہ سب لوگ کس قدر بے رحم ہیں ؟ ایک ساتھ ہی دو جانوں کا خون کرنے میں انہیں ذرا بھی درد نہ معلوم ہوا +

زمیندار کا لڑکا بہن بغیر نہائے - کھائے - پاپیادہ دھوپ میں ننگے سر راستہ میں اس بدنصیب کے لیے چکر کاٹ رہا ہے - جو سوسائٹی میں معتوب ہے - اور جو دنیا کی نگاہوں میں قابل نفرت ہے !

بہن کو ادھر ادھر راستہ میں چکر کاٹتے ہوئے دیکھکر اس کے ساتھ کتنے ہی لوگ اکٹھا ہوگئے - نوکر - چاکر - پیادہ - برقنداز سب چاروں طرف دوڑ پڑے مگر کسی کو کوئی پتہ نہیں ملا +

رات کو غم تنہا بیکس و بے بس حاملہ کالی تارا کو ایسی بری حالت میں نکالنے پر وہ غریب اپنی تکلیف اور درد سے بے چین - اور اولاد کی تکلیف سے خائف ہوکر بابو لوگوں کے مٹھ میں جاکر پناہ گزین ہوئی تھی - وہاں کے دربان نے صبح اٹھکر جب کالی تارا کو پڑے دیکھا تو اسے وہاں سے چلے جانے کے لیے حکم ہوا - اس میں اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں تھا - اس نے سوچا - جس کو مالکوں نے اپنے گھر سے نکالدیا - اسے مٹھ میں اگر میں نے جگہ دی - تو مجھ پر آبنے گی - مگر اس وقت بہن کو

اُس کی تلاش میں سرگرم دیکھکر اُس نے سوچا۔ کہ اُس نے یہاں سے کالی تارا کو نکالکر موت کے منہ میں دیکر سخت غلطی اور بے انصافی کی ہے۔ خوف اور شرم سے اُس کا منہ خشک ہوگیا۔ بہن کو کوئی پتہ نہیں ملتا تھا۔ وہ اُس دوپہر میں پریشان تھا۔ یہہ دیکھ کر جو اُسے معلوم تھا۔ اُسے صاف صاف کہہ دینے کے لئے دل میں کوئی طاقت چٹکیاں لے رہی تھی۔ کبھی کبھی یہہ بھی سوچتا تھا۔ کہ اگر بہن نے کچھ باز پرس کی تو میں کیا جواب دے سکوں گا؟ اس وجہ سے اُسے کچھ کہنے سننے کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی +

بہت دیر تک اُس نے اپنے دل کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کے بعد طے کیا۔ کہ وہ جو کچھ جانتا ہے۔ اُس کا اظہار صاف صاف کریگا۔ اور اپنے قصور کو مان لیگا +
بھگوان دین شوکل نے مجمع کو منتشر کرکے بہن کے سامنے آکر نمسکار کیا۔ بہن نے لاپرواہی اور مایوسانہ انداز سے کٹھ پتلی کی طرح اُن کے نمسکار کا جواب دیا۔ مگر آج اُس کے ہونٹوں پر اُس فطرتی تبسم کی جھلک نہیں دکھائی دی۔ اور نہ خیریت پُوچھی!

بھگوان دین نے ہات جوڑ کر کہا۔ حضور! مجھ سے ایک قصور ہُوا ہے۔ ...... بہن نے اُس کے چہرے پر اپنی آرزو مندانہ نگاہیں ڈالیں۔ بھگوان کہنے لگا۔ — کل رات کو کالی تارا مٹھ میں سوئی تھی۔ شاید مٹھ ناپاک ہو جائے۔ یا آپ لوگ ناراض ہوں۔ اسی خوف سے میں نے اُسے صبح صبح ہی یہاں سے نکال دیا......اس وقت مجھے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ میں نے سخت غلطی کی۔ اور بڑی بے انصافی سے کام لیا ہے...... +

بہن نے جلدی جلدی جوش میں آکر پُوچھا — تم نے دیکھا تھا۔ وہ کس طرف اور کہاں گئی؟ ...... +

وہ اسی آم کے باغ میں سے ہوتی ہوئی جنگل کی طرف گئی ہے۔

بین نے بیتابانہ انداز سے کہا۔ جاؤ جاؤ۔ تم میں سے ایک پالکی لے آئے۔ یہہ کہکر وہ فوراً آم کے باغ سے ہوتے ہوئے جنگل کی طرف چلدیا +

کٹیلی بیل سے کپڑے اُلجھ کر پھٹنے لگے۔ بید کے درخت جُھک جُھک کر اُس کے کپڑوں میں اُلجھ جاتے تھے۔ مگر بین نے اُس رُکاوٹ کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔ کپڑا پھٹ گیا۔ پاؤں میں کانٹے چُبھ گئے۔ جسم پر بچھو ڈنک چُبھ گیا۔ ہوش نہیں اِسی جنگل میں کالی تارا ہے یا نہیں۔ کوئی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا۔ پھر بھی تجسس اور تلاش میں اُس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا +

یکایک بین کا ایک ہمراہی چلّا اُٹھا۔ ہے! ہے!! یہیں ہے!!!

بین نے حوصلہ ہمت سے کام لیکر جھاڑی میں سے ہوتے ہوئے دیکھا جنگل میں ایک صاف شفاف چٹان پر ایک درخت کے سایہ میں خون میں لت پت غش میں آئی ہوئی کالی تارا پڑی ہے۔ اور اُس کے سینہ کے پاس سُرخ چندن سے مزیّن نو شگفتہ گل صد برگ کی طرح ایک نوزائیدہ شیر خوار بچہ دھوپ اور گرمی سے بلبلاتا ہوا پڑا ہے۔ وہ جگہ چھوٹی بڑی لال کالی چیونٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ گیدڑ گینڈے۔ گدھ کی خونخوار نگاہیں اب تک نہیں پڑی تھیں۔ اسی وجہ سے محفوظ تھی +

بین نے جلدی جلدی اپنے کپڑے اُتار کر اُسی میں بچّہ کو لپیٹ کر سینہ سے لپٹا لیا۔ اُسے کپڑے اُتارتے دیکھ کر ہمراہیوں میں سے کسی نے اپنی پگڑی۔ کسی نے انگوچھا پیش کیا۔ بین نے بھگوان دین کو اشارہ کیا۔ بھگوان نے اپنی پگڑی اُتار کر کالی تارا کا جسم اُس سے ڈھانپ دیا +

دیکھتے دیکھتے پالکی آگئی۔ بین نے نوزائیدہ بچہ کو بھگوان دین کی گود میں دیا۔ گود کی گرمی اور حرکت پاکر بچہ ستارے کی سُر کی طرح رونے لگا +

بین ایک بار بچہ کی طرف دیکھتے ہوئے کالی تارا کے پاس زمین پر بیٹھ کر بولا۔ چاچی جی!

اِس محبّت اور عزّت سے کالی تارا کو کبھی کسی نے نہیں پکارا تھا۔ اُس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا — کیوں بیٹا! تم کون ہو؟ — اُس کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو نکلنے لگے +

ہپن نے کہا۔ چاچی جی! میں ہپن ہوں۔ پالکی لایا ہوں گھر چلو +

کالی تارا نے بمشکل آنکھیں کھول کر کہا — گھر؟

ہاں چاچی جی! گھر — میرے گھر چلو +

اب کیوں؟ تھوڑی سی دیر کی بات ہے۔ موت تھوڑی ہی دیر میں میرے دل کی تمام آگ بجھا کر مصیبتوں کا خاتمہ کر دیگی۔ تم نے کیوں تکلیف اُٹھائی! یہ جلا ہُوا منہ میں دنیا میں لوگوں کو کیسے دکھا سکوں گی؟

ہپن نے بھگوان کی گود سے بچہ کو لیکر کالی تارا کو دکھا کر کہا — چاچی جی! اس بے قصور معصوم بچہ کے لئے تمہیں زندہ رہنا ہوگا +

کالی تارا کا دل بچہ کو دیکھکر مہر مادری سے جوش زن ہو گیا۔ اُس نے بیتابانہ انداز سے کہا۔ دو بیٹا دو۔ اُسے مجھے دو۔ میں اپنے سینہ سے لگالوں۔ میرے بڑے شرم۔ بڑے دُکھ اور بڑے سُکھ کی دولت ہے +

ہپن نے بچہ کو اُس کی ماں کی گود میں سلا دیا۔ کالی تارا نے اُسے اپنے سینہ سے لگا کر سکھ کی بار سے جھکی ہوئی نگاہوں سے کہا۔ بیٹا ہپن! کیا ہُوا؟

ہپن نے کہا۔ چاچی جی! لڑکا ہوا ہے۔ کمل کے پھول کی طرح نہایت خوبصورت!

کالی تارا نیم باز نگاہوں سے بچہ معصوم لہجہ میں خود بخود کہنے لگی۔ میں تجھے موت کے گھاٹ نہ اُتار سکی۔ اسی لئے آج میں لعنت و ملامت کی آماجگاہ بنی ہوں۔ بدنصیب! اگر آیا ہے۔ تو مصیبتوں کی ماری ماں کی گود خالی کرکے چل نہ دینا۔ تیرے لئے میں زندہ رہونگی۔ تمام شرم و حجاب۔ تمام لعنت ملامت سب برائی بھلائی۔ اپنے سر پر برداشت کر کے زندہ رہونگی +

یہ محبت کا پُر سرور نظارہ دیکھ کر ہپن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے

بھرائی ہوئی آواز سے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ چاچی جی! اٹھو۔ چلو۔ گھر چلیں!

ہپن کے اشارہ سے پالکی کالی تارا کے بالکل پاس لائی گئی۔ کالی تارا نے اُٹھنے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر ناکامیاب رہی۔ غش آگیا۔ ہپن نے جلدی جلدی بچہ کو گود میں اُٹھا کر ایک نوکر کو سپرد کیا۔ اور چار پانچ آدمیوں نے مل ملاکر کسی طرح کالی تارا کو پالکی میں لٹایا۔ کہار پالکی کو لیکر چلے۔ ہپن بھی پیچھے پیچھے دوڑا۔ گانوں میں داخل ہو کر ہپن نے کہا۔ بھگوان دین! ڈاکٹر صاحب کو خبر دو۔ دوسرے راستہ سے انہیں اندر لے آؤ +

گانوں کا راستہ لوگوں سے بھرپور تھا۔ عورت۔ مرد۔ بوڑھے بچے آج کوئی گھر میں نہیں تھا۔ راستہ میں کہیں کہیں لوگ جمع ہو کر آپس میں نہ معلوم کیا کیا باتیں کر رہے تھے۔ گھر کی پردہ نشین عورتیں دروازے کی آڑ سے جھانک رہی تھیں۔ بعض ہپن کی تعریف کر رہی تھیں۔ بعض اُسے لعنت ملامت کرتی تھیں۔ اور بعض بعض دونوں میں شریک! بحث مباحثہ کا خاتمہ بھی نہ ہوتا تھا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ کسی طرح بھی بحث مباحثہ کا خاتمہ نہیں ہوا +

نوارن و گوبردھن کا دل پریشان ہو رہا تھا۔ مگر انہیں اس قدر ہمت نہ ہوتی تھی۔ کہ دونوں راستہ سے باہر قدم بڑھائیں۔ کون جانے۔ کہیں ہپن یا نوکشور کا سامنا نہ ہو جائے۔ وہ بھی دروازے کی آڑ میں بیٹھے ہوئے جھانک جھانک یہ تمام کاروائیاں دیکھ رہے تھے +

نوکشور کو اپنے مکان کی طرف تاکتے دیکھ کر نوارن نے جلدی جلدی سے دروازہ کے کواڑ بند کر لئے۔ مگر اُس وقت ہپن کی کسی طرف بھی نظر نہیں تھی۔ دل میں کوئی فکر اور نہیں تھی +

دروازہ کے سامنے جاتے ہی دوبے جی دربان نے آگے بڑھ کر دونوں ہات جوڑے۔ حضور! مہاراج نے کسی کو اندر لے جانے کے لئے منع کیا ہے۔ ہمیں روکنے کا حکم دیا ہے +

دربان کی طرف دیکھ کر کہا:۔ تم مہاراج سے جا کر کہدو کہ چھوٹے بابو منع کرنے پر بھی نہیں مانتے۔

اس کے بعد سب کو نوکر کی طرف پھرتے دیکھ کر ہین نے سوچا کہ یہ سب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہین نے آنکھیں سُرخ کر کے تحکمانہ انداز سے کہا۔ ان کو پکڑ لو۔ اوپر لے چلنا ہوگا۔

اس وقت سب نے خائف ہو کر منہ خشک کئے ہاتھ لگایا۔ ہین نے پنچیا کو اپنے سامنے دیکھ کر کہا۔ پنچیا دادا! جاؤ۔ جاؤ۔ دوڑ کر جاؤ۔ میرے بستر سے ایک تونشک لے آؤ!

پنچیا نے تونشک لا کر بچھا دی۔ ہین و دیگر لوگوں نے سہارا دیکر بچہ اور اسکی ماں کو اُٹھا کر بستر پر لٹا کر سب کالی تارا کو لیکر اندر گئے۔

اندر سب کے سب پتلی کی طرح خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ ٹھاکر جی کی پوجا بھی نہیں ہوئی۔ بھوگ بھی نہیں لگا۔ کھانا نہیں پکا۔ کسی کے منہ میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں گئی۔ لڑکے بچے بھوک سے بیتاب ہو کر پڑے تھے۔ کوئی کوئی زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہین کے اندر داخل ہوتے ہی مالکہ نے کہا۔ ہین! ہین!! تو کیا کر رہا ہے؟ تیری عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ کہاں کا پاپ تو نے لا کر اس گھر میں جمع کر دیا۔ اگر وہ سُنیں گے تو سخت ناراض ہوں گے۔ . . . . ہین! او ہین!! میری بات سُن۔ جو جی میں آئے وہ کر۔ مگر میں تجھ سے کہے دیتی ہوں۔ کہ تو نے اپنی جان کو یہ عذاب مول لیا ہے . . . ارے اُسے کہاں لے جا رہا ہے۔ اُوپر! او ماں! کتنے شرم اور نفرت کی بات ہے! یہ بُرے چھلے کپڑے پہنائے اُسے کہاں لے جا رہے ہو؟ اُوپر۔ رام رام! ذات دھرم تو رہا ہی نہیں۔ . . . . ارے روہنی! او روہنی!! جا! جا جلدی جا! دوڑ جا! ہین کی یہ باتیں ذرا وہ خود اپنی آنکھوں دیکھیں۔

ہین نے کسی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ کالی تارا کو براہ راست اپنی خوابگاہ

میں لے گیا۔ اُس وقت آہستہ آہستہ بہت سے آدمیوں نے آکر دروازے پر بھیڑ لگا دی۔ بہن نے دراز کھول کر ایک چینی کا گملا۔ سپنج۔ تولیا باہر نکالا۔ اس کے بعد برقی چولھا جلاکر پانی گرم کیا۔ پنچا نے اس کام میں بہن کا ہات بٹایا +

بہن نے پنچا سے کہا:- پنچا! تجھے شاید میری حالت پر رحم آگیا ہے +

پنچا نے سر جھکا دیا۔ بہن نے دودھ گرم کیا۔ اُس نے دروازہ کی طرف دیکھا۔ جینتی۔ دامنی۔ جیا۔ پانچو کی ماں وغیرہ سبھی سب کمرے میں نظر ڈالنے کے لیے ازتی ہیں ایک دوسرے کو دھکا دے رہی ہیں۔ مگر بہن کے خوف سے کسی کو اندر داخل ہونے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ بہن نے ڈانٹ کر کہا:- جینتی! اونٹ کی طرح گردن اٹھا کر کس تماشہ دیکھا تک رہی ہے۔ اگر ایسی ہی فکر ہے۔ تو کمرے میں آکر خدمت کرو۔ ..... دامنی! جا جلدی سے دودھ گرم کرکے لے آ +

دامنی جلدی سے وہاں سے بھاگنے کا حیلہ پاکر فوراً وہاں سے بھاگی۔ مگر اوروں کو موقع نہیں ملا۔ وہ سنہ بنائے وہاں کھڑی رہیں +

پنچا نے پانی گرم کیا۔ بہن نے کہا۔ میں اسے کیونکر صاف کروں۔ یہ اتنی عورتیں موجود ہیں۔ انہیں یہ کام کرنا چاہیے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ کہ ان میں سے ایک بھی کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں +

سب کی سب چپ چاپ کھڑی تھیں۔ کسی نے ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ اُس وقت سب کے پیچھے سے مالتی نے قدم بڑھا کر کہا:- آپ لوگ باہر جائیں میں سب کروں گی +

بہن نے مالتی کی طرف احسانمندانہ اور عقیدت آمیز نگاہوں سے دیکھا اس زبردست شور و شر اور ہلچل میں بھی اُس کے چہرے پر متانت اور سنجیدگی کے آثار ہیں۔ وہ بڑی بوڑھی عورتوں کی طرح مستقل مزاج ہے۔ بہن نے جلدی جلدی ٹرنک کھولکر اپنے کتنے ہی نئے پرانے کپڑے نکالے۔ انہیں پھاڑ کر ایک گدی سی بنائی۔ تمام سامان صابن وغیرہ مہیا کیا۔ مالتی نے اندر سے دروازہ بند کرلیا +

ہپن نے کہا:- پنچ دادا! ذرا دیکھو تو ڈاکٹر صاحب ابتک کیوں نہیں آئے؟

مالکہ نے کہا:- مرکھبخت! اب ڈاکٹر بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے شخص کا مرنا ہی بھلا ہے۔

جبا نے کہا فی الحقیقت موت ہی اس کی تمام بیشرمیوں پر پردہ ڈالیگی۔

ہپن نے صرف ایک بار جبا کی طرف دیکھا۔ کسی سے کچھ نہیں کہا:- آج بحث مباحثہ کرنے کی حالت اُس کے دل کی نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لئے ہوئے۔ پنچا آیا۔ اُس وقت تمام عورتیں آگئیں۔ ہپن نے پکارا۔ مالتی! ڈاکٹر صاحب آئے ہیں!

مالتی نے کمرے سے کہا:- بس اب تھوڑی سی دیر ہے۔ کس قدر ہوش آیا ہے۔ ذرا آپ کمرے میں آیئے۔ بستر تبدیل کرنا ہوگا۔

ہپن و ڈاکٹر دونوں نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا۔ مالتی نے زچہ اور بچہ کو اچھی طرح صاف کر کے زرق برق کر دیا ہے۔ اور میلے کپڑوں کا ڈھیر ایک طرف لگا دیا ہے۔

ہپن۔ ڈاکٹر۔ پنچا اور مالتی نے مل ملا کر کالی تارا کو ایک نئے بستر پر لٹا دیا۔

ہپن نے کہا: پنچ دادا۔ دیکھو۔ دیکھو۔ دودھ!

پنچا دودھ لانے گیا۔ ڈاکٹر مریضہ کو دیکھنے لگا۔ اس کے عضو عضو کی اچھی طرح سینک کرو۔ اور بہت ہلکی و نرم غذا کھانے کو دو۔ نسخہ لکھے دیتا ہوں۔ اس دوا کو چار چار گھنٹہ بعد دیجئے گا۔ اور شام کے وقت مجھے ایک بار ضرور خبر دیجئے گا۔

ہپن ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر آئے۔ باہر آکر ڈاکٹر نے کہا۔ بڑی خراب حالت ہے۔ سردی لگ گئی ہے۔ شام تک بچ سکیگی یا نہیں۔ اس میں شک ہے۔ جلد دوا منگا کر پلائیے۔ اور شام کو مجھے ضرور اطلاع دیجئیگا۔

ہپن نے پنچا کو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی بھیجا اور تاکید کر دی کہ جاتے وقت ڈوبے جی سے کہتے جانا۔ بدیسی کی بہو کو بھیجدیں۔ یہ میلے کپڑے لیجائے۔

بہن نے مالتی سے کہا۔ تم تھوڑا تھوڑا اُسے دُودھ پلاؤ میں آگ لے آؤں +

بہن نے باہر جاکر دیکھا۔ تنو کی ماں کھڑی ہیں۔ اُس سے کہا۔ تنو کی ماں رسوئیں خانہ سے ذرا آگ تو لا دو۔ اور رام دھن کہو کوئلے دے جائے +

مالکہ نے آکر کہا:۔ بہن بنا کھائے۔ تمام دن گذر گیا۔ اور تو نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اِن لوگوں کو بھی کھانے دو +

بہن نے نرم لہجہ میں کہا:۔ ماں! تم جاؤ۔ کھاؤ پیو۔ میں ابھی نہیں کھاؤنگا + تو نہیں کھائیگا۔ اور ہم سب کھالیں۔ ہمارے پیٹ میں کچھ آگ تو نہیں جل رہی ہے۔ جا کھانا کھا آ۔ اِس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ آ آ!

نہیں ماں! ایک شخص دم توڑ رہا ہے۔ اور میں اُسے چھوڑ کر کھانے جاؤں۔ تم اپنے لڑکے کو اِس قدر سنگدل نہ سمجھو +

مالتی نے آہستہ سے کہا:۔ اِس وقت میں تو موجود ہوں۔ آپ جا کے کھانا کھا آیئے۔ بہن نے جواب میں کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ کھانے کا وقت بہت ملیگا۔ محض خدمت کی کوتاہی سے اگر ایک قیمتی جان ضائع گئی۔ تو وہ پھر واپس نہ ملیگی +

تنو کی ماں نے آگ زچہ خانہ میں نہایت احتیاط سے رکھدی۔ بہن نے اُسے مریضہ کے پاس رکھی۔ مالتی سینکنے لگی +

کسی قدر غذا اور سینک پاکر کالی تارا نے ایک تازگی محسوس کی۔ اُسوقت اُسے ایسا احساس ہُوا۔ کہ تمام اشخاص کی نگاہیں اُس کے دل میں داخل ہوکر اُس کی پوشیدہ شرم کے پردے اُٹھا کر اُسے مضحکہ خیز نگاہوں سے ایک ساتھ دیکھ رہی ہیں۔ بیچاری کے منہ سے کوئی بات بھی نہیں نکلی +

بینجا دوا لے آیا۔ پردیسی کی بہو نے کمرہ صاف کرکے فنائل سے خوب دھو دیا۔ رام دھن ایک کنستر تمباکو گُل بنانے کے لئے لے آیا۔ بینجا آگ جلانے بیٹھا۔ ہر چہار طرف سب کو کام میں سرگرم دیکھکر بہن بہت خوش ہُوا۔ عین اسی وقت

ہری بہاری بابو کے کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ انہوں نے آواز دی۔ بپن!

بپن نے باہر جاکر کہا۔ جی!

ہری بہاری نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ یہ کیا جھگڑا مچا رکھا ہے۔ اسے رفع دفع کرو۔

بپن نے آہستہ سے کہا۔ شاید رفع دفع کرنے کی کوشش نہیں کرنی پڑیگی۔ خود بخود رفع ہوجائیگا۔

نہیں۔ نہیں! ہمارے مکان پر موت نہیں ہونی چاہئے۔

بپن کی خواہش ہو رہی تھی۔ کہ وہ کہے۔ کہ جب وہ بہر طور آپ کی ہے۔ تو مرنے کی جگہ کہاں تلاش کرے؟ مگر اس نے ضبط کرکے کہا۔ اس حالت میں اسے کہاں لے جاؤں گا۔

راستہ میں پھینک آؤ۔ تمہاری جیسی عقل ہے۔ اس کا رونا کہاں تک روؤں۔ ہمیشہ دوسروں کی بلا اپنے سر لیتے ہو۔

یہ تو کسی دوسرے کا بوجھ نہیں۔ میرے چاچاجی کا لڑکا ہے۔ اس کی حفاظت کرنا میرا فرض منصبی ہے۔

ہری بہاری نے جھنجھلا کر کہا۔ دو چار حروف انگریزی کے کیا پڑھ لئے گویا سب کچھ جان لیا...... نہیں۔ نہیں! میرے گھر پر یہ سب ٹھیک نہیں۔

بپن نے آہستہ سے کہا۔ اس مکان پر میرا جس قدر حق ہے۔ میں اس سے زیادہ نہیں چاہتا۔

ہائیں! کیا بکتا ہے۔ میری موجودگی میں تیرا حق؟ اگر تو میری بات نہ سنیگا تو میں دربان کو حکم دوں گا۔ کہ وہ نکال باہر کرے۔

بپن متحیر ہوکر باپ کے منہ کی طرف دیکھتا ہوا خاموش ہورہا۔ بالآخر بولا! آج کی رات رہنے دیجئے۔ کل اس کی لاش کے ساتھ میں بھی آپ کا مکان چھوڑ دوں گا۔

اور اگر وہ اچھی بھی ہو گئی تو بھی میں کل اُسے لیکر کہیں اور چلا جاؤنگا۔ آج رات کو رہنے کی اجازت دیجئے +

ہین کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ سب دیکھکر ہری بہاری بابو خاموش رہگئے۔ ذرا دیر بعد بولے۔ تو میں نے تمہیں کیا کہا؟ کہ تم رو رہے ہو۔ ..... تمہاری جو خوشی ہو کرو۔ میں۔ میں کچھ نہیں کرسکتا +

ہری بہاری بابو یہ کہکر وہاں سے چلے گئے۔ مالکہ کو بہت امید تھی۔ کہ ہری بہاری جاکر سب کچھ فیصلہ کردینگے۔ مگر یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر اُن کے حواس باختہ ہوگئے۔ وہ جہاں تھیں۔ وہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں +

ہین نے کمرے میں جاکر کالی تارا سے پوچھا۔ چاچی جی کیسی ہو؟

کالی تارا کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ نیم باز آنکھوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ بیٹا! اب میں نہیں ٹھہر سکتی۔ روانگی کا وقت ہے۔ بچہ کو میری گود میں دو +

مالتی نے بچہ کو اُس کے سینہ پر لٹا دیا۔ کالی تارا نے۔ آہ۔ کہکر دم بھر کیلئے آنکھیں بند کرکے بیٹے کے لمس کا احساس کیا۔ اس کے بعد آنکھیں مل کر مالتی کی طرف دیکھ کر کہا۔ بیٹی! تم کون ہو؟ نہیں جانتی خواہ کوئی ہو۔ مگر تم اس جنم میں میری لڑکی تھیں۔ .... بیٹا ہین! تم میرے لڑکے کو دیکھنا۔ ماں کی عدم موجودگی میں اُسے کوئی تکلیف نہ ہو +

ہین نے آنسو پونچھتے پونچھتے کہا:۔ چاچی جی! تمہارا لڑکا ہے۔ تم بھی اُسے دیکھو گی! ایسی بات کیوں کہتی ہو؟

کالی تارا کی آنکھوں کی پتلیاں اُوپر کو چڑھ گئیں۔ چہرے کا رنگ زرد پڑگیا اُس نے کہا۔ اُف! دل میں نہ معلوم کیسی ایک ہلچل مچ رہی ہے۔ سانس بھی بندھا جارہا ہے +

ہین نے جلدی جلدی ایک خوراک دوا پلائی۔ وہ پھر تھوڑی دیر کیلئے چپ

ہوگئی۔ بہن نے کہا۔ پنچ دادا! جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب کو بلالاؤ +
کالی تارا تیل سے خالی چراغ کی طرح آہستہ آہستہ اپنی روشنی لگی۔ آہستہ آہستہ اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ جسم رفتہ رفتہ بے حس و حرکت ہونے لگا۔ سانس بند ہوگیا۔ مالتی نے جلدی جلدی بچہ کو کالی تارا کی گود سے اُٹھا کر اپنی گود میں لے لیا۔ آنسوؤں سے اُس کا سینہ سیراب ہوگیا۔ بہن نے بھی ایک گہرا سانس لیکر کہا:۔ بھگوان! بہن آنکھیں بند کرکے چُپ چاپ بیٹھا رہا +

کچھ دیر بعد بچہ کے رونے کی آواز سنکر چونک پڑا۔ آنسو پونچھتے پونچھتے اُس نے تمام عورتوں کو مخاطب کرکے کہا: اس بے کس معصوم بچہ کی ماں تو اُسے چھوڑ کر چلی بسی۔ اس وقت تم میں سے کون ایسا رحمدل ہے۔ جو اسے اپنی آغوشِ مادری میں جگہ دیگا +

تمام عورتیں خاموش تھیں۔ جیسے کوئی سانس تک نہ لیتا تھا۔ بہن نے پھر کہا بولو! بولو! کون اس بے کس و معصوم بچہ کو اپنی میں جگہ دیکر ثواب لیگا؟
مالکہ نے کہا: کون اپنی اچھی بھلی جان عذاب میں ڈالیگا۔ اس وقت تو یہی مناسب ہے۔ کہ اُسے سادھوؤں کے اکھاڑے میں بھیجدیں +
بہن نے کسی قدر درد آمیز تمکنت اور ملامت خیز لہجہ میں کہا:۔ ہاں! ایسی فضول باتیں تمہارے منہ سے زیب نہیں دیتیں۔ میری ماں جس دن مری تھی اُس دن تو تمہیں نے مجھے اپنے آغوشِ مادری میں جگہ دی تھی۔ سادھوؤں کے اکھاڑے میں تو نہیں بھیجا تھا +

بہن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مالکہ بھی بولیں۔ پاگلوں کی سی باتیں نہ کر تجھے کس دُکھ سے سادھوؤں کے اکھاڑے میں بھیجتی۔ تُو تو میرے خاندان کا چراغ ہے۔ بڑی منت مُراد کرنے کے بعد تو پیدا ہوا تھا۔ تو اور یہ دونوں برابر ہیں؟

ماں! کچھ بہت فرق نہیں۔ یہ میرے چاچا کا لڑکا ہے۔ تم لوگوں میں سے کوئی خواہ اُسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ مگر میں اُسے اپنا بھائی مانتا ہوں۔ میرے جسم میں جس خاندان کا خون ہے۔ اس کے جسم میں بھی وہی خون ہے۔ میں اُسے کسی طرح نہیں چھوڑ سکوں گا۔ اُس کی ماں مرتے ہوئے مجھے سونپ گئی ہے۔ میں اپنی جان دیکر بھی اُسکی حفاظت کروں گا۔ مگر میں جان دیکر بھی تو اُسکی ماں کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ تم میں سے کون اس پر ترس دکھائے گا۔ بتاؤ؟

پھر سب کی سب بدستور خاموش! بپن نے ایک ایک کر کے سب کی طرف دیکھا اُس کی نگاہوں کے سامنے کسی کی نگاہ نہ ٹھہر سکی۔ کوئی بھی راضی نہ ہوا۔ اُس وقت بپن نے تاسف پذیر لہجہ میں کہا۔ اس مجمع میں کوئی ایسا دردرس نہیں جو اس معصوم اور مظلوم کے لیئے اپنی محبت کا دروازہ کھول دے۔ کیا بالآخر مجھے اس کے لئے کوئی دایہ ہی رکھنی پڑیگی؟

اُس وقت مالتی نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر بپن کی طرف نظر کی۔ اُن نگاہوں سے محبت کا رس جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکلا پڑتا تھا۔ اُس کا ایک ایک عضو رحم کے بحر بے پایاں میں غرق ہو رہا تھا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی اس کی نگاہوں میں کیسی جھجک کتنی عاجزی اور کس قدر ایثار و فروتنی تھی۔ اُس کے ہر چہار طرف رحم و درد کا سمندر موجزن تھا۔ بہادری اور ناموری کی بے چینی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بپن کا دل فرط خوشی اور اطمینان سے اٹھا۔ اُس نے آرزومندانہ نگاہوں سے مالتی کی طرف دیکھا+

مالتی ایک مرتبہ تحیر آمیز نگاہوں سے سب کے چہرے پر نظریں ڈال گئی۔ دیکھا کسی کی منہ سے کوئی بات نہیں نکلتی۔ اس وقت سر جھکا کر آہستہ آہستہ کہنے لگی میں اسے پال پوس کر بڑا کرونگی۔ میری زندگی کا تو کوئی سہارا نہیں یہی میرا سہارا ہوگا۔ مگر میں دودھ کا انتظام کیونکر کرونگی۔ غریب ہوں۔ مجھے تو کھانیکا

بھی ٹھکانا نہیں۔ اس کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا۔"

بپن نے جوش میں آکر کہا:۔ اس کے لئے فکر نہ کرو۔ اس کا میں نہایت معقول انتظام کردوں گا۔ تو آج سے یہ لڑکا تمہارا ہوا۔

مالتی چپ چاپ بیٹھی رہی دل ہی میں سوچنے لگی۔ بہت اچھا ہوا۔ جیسے میں سب کی نگاہوں میں قابل نفرت ہوں۔ اسی طرح میرا سہارا یہ لڑکا بھی ہر ایک کی نگاہ میں قابل نفرت ہے۔ مالتی کے اس ہمت و حوصلہ کا تذکرہ کرکے تمام عورتیں آپس میں تمسخر اڑانے لگیں۔

بچہ کی جانب سے بے فکر ہوکر بپن لاش کی رسومات مرگ ادا کرنے کی فکر کرنے لگا۔ کون یہ لاش لے جائیگا۔ اس لاش کو کوئی برہمن ہاتھ لگائیگا یا نہیں۔ اس میں شک تھا۔ ہائے! ہائے!! ایسے بُرے وقت میں آج نوکشور بھی گاؤں میں نہیں ہے۔ اگر آج وہ ہوتا۔ تو دونوں مل کر سب کچھ کرتے۔

بپن نے بپچا سے کہا:۔ جاؤ! ڈیوڑھی میں کہہ آؤ۔ کہ سب کو شمشان چلنا ہوگا کسی کو بلانا نہیں۔ جو خود بخود آئے۔ آئے۔ ہاں ایکبار بھٹاچاریہ مہاشئے کو خبر دے آ! بپچا چلا گیا۔ بپن اسی لاش کو گود سے چمٹائے بیٹھا رہا۔ شام ہونے کو آئی۔ اس وقت تک بھی اس کے منہ میں پانی کی ایک بوند نہیں گئی۔ گھر کے بھی کسی شخص نے اس کی وجہ سے نہیں کھایا۔ بپن کی یہ کارگذاری دیکھ کر سب اس سے کسی قدر پریشان ہوگئے۔ سب سے زیادہ غصہ مالتی کے اوپر تھا۔ بپن کی نظروں میں جگہ پانے کے لئے مالتی یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ اس میں کسی کو کوئی شک باقی نہیں رہا۔ سب نے کتنی ہی لڑکیاں دیکھی تھیں۔ مگر ایسی لڑکی جو یکدم سے مرد کے گلے پڑ گئی ہو کسی نے نہیں دیکھی۔

کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ مالکہ نے کہا:۔ چیا مند شام ہوگئی۔ ایک تو آج ٹھاکر جی کا بھوگ نہیں لگا۔ اس کے علاوہ گھر میں چراغ بھی نہیں جلا۔۔۔۔۔۔

ہر چہار طرف نحوست کے آثار نظر آرہے ہیں۔ جب سے مالتی جیسی لکشمی نے گھر میں قدم رکھا ہے۔ اُس وقت سے یہ گھر مٹی میں ملا جا رہا ہے۔

بین نے لہجہ میں کہا۔ ماں!

مالکہ نے کہا۔ مجھے چکنی چُپڑی باتیں نہیں آتیں۔ صاف صاف کہتی ہوں چکنی چپڑی باتوں سے کیا حاصل؛ جا جینتی جا۔ دامنی تُو بھی جا۔ گھر میں چراغ جلا۔ سنکھ نہ بجانا۔ گھر میں لاش پڑی ہوئی ہے۔ بڑی مصیبت آئی۔ نہ معلوم کہاں کا عذاب آگیا

جیا۔ جینتی۔ دامنی اور پانچُو کی ماں چلی گئیں۔ پانچُو کی ماں کو جاتے دیکھ کر مالکہ نے کہا۔ بہو جی۔ تم حاملہ ہو۔ ذرا احتیاط سے رہو۔ کوئی لوہے کا چھلّا وغیرہ ہاتھ میں رکھا کرو۔ جب یہ لاش اُٹھائی جائے۔ تو تم بچ کر رہنا کہیں نظر نہ پڑ جائے۔ تم پُوجا گھر میں رہنا۔ اگر اکیلے کچھ خوف معلوم ہو تو دامنی کو پاس بٹھا لینا۔

جیا نے کہا۔۔ مالتی کی کرتوت دیکھتی ہو۔ بابا! کیسی لڑکی ہے، بین سے کس قدر بے تکلف ہے۔ ہم لوگ اس کا کتنا ادب و لحاظ کرتی ہیں۔ حالانکہ ہماری حیثیت ماں کی طرح ہے۔ مگر اس کی آنکھوں کا پانی بالکل گر گیا۔ بڑی حیرانک لڑکی ہے، کھیا! یہ کبھی ممکن تھا کہ ایک عورت یہاں مر جاتی۔ اور ہم لوگ بھولکر بھی اُس کے پاس نہ پھٹکتیں یہ کسی سے دیکھا جاتا۔ مگر اس کی بیباکی تو دیکھو۔ جھٹ سے بول اُٹھی:۔ میں بچہ کو لُونگی۔ بڑا درد معلوم ہوُا۔ اگر کوئی سہارا ہوتا۔ تو۔۔۔ ماں سے زیادہ جو درد کا اظہار کرتی ہے۔ اُسے ڈائن کہتے ہیں۔

جینتی نے کہا:۔ سچی بات تو ہے۔ مالتی بڑی نٹ کھٹ ہے۔ بین کے ساتھ کیسی گھُل گھُل کر باتیں کرتی رہتی ہے اور بہانہ کیسا اچھا تلاش کر لیا۔

دامنی نے کہا:۔ بھائی! یہ عمر کا تقاضا ہے!

پانچُو کی ماں نے کہا:۔ مر کمبخت! کیا ہم سب جوان نہیں تھیں۔ صرف اسی پر کیوں حُسن کی جوانی ہے۔ ہمارا بھی ایک زمانہ تھا۔ پانچُو کی پیدائش کے بعد بھی ہزار نگاہ گندہ

کی طرح دمکتا۔ تو نے تو اپنی آنکھوں ہی دیکھا ہے۔ مگر میں نے اپنے حسن
پر کتنا غرّہ کیا؟ وہ حسن کی کان ہے۔ اپنی شمع حسن پر سب کو پروانہ وار جھلسانا
چاہتی ہے۔

دامنی نے کہا:۔ ہُوں۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر مالتی بلحاظ حسن انتخاب
لاجواب ہے۔

جینتی نے کہا:۔ خاک حسن ہے! آنکھیں دونوں۔ ناک تین ہاتھ۔ اس کی نسبت تو
ہمارے رنگ میں بھی کشش ہے۔

اچیا نے کہا:۔ سب قصور رنگ کا ہے۔ شاستروں نے بھی کہا ہے۔ گورا چہرہ
دیکھ کر لوگ بھول جاتے ہیں۔

مالتی کو بُرا بھلا کہتے کہتے چراغ جلایا گیا۔ اچیا نے دامنی سے کہا:۔ سب گھروں
میں چراغ جلا آ۔

نہیں بابا! میں نہ جا سکوں گی۔ گھر میں مُردہ پڑا ہے۔ یوں ہی بدن کانپا جا رہا
ہے۔ اچیا موسی! تم بھی میرے ساتھ چلو؟

تب سب کی سب رام رام کہتے تمام کمروں میں سے چراغ کی آتی ہوئی بین
کے کمرے میں واپس آئیں۔

مالکہ نے چراغ دیکھتے ہی بار بار متّھا ٹیک کر پرنام کیا اور بلند آواز سے کہنے
لگیں۔ دُرگا! دُرگا!! ہری بول! ہری بول!! رام رام! رام رام!!

دامنی چوکھٹ پر پانی ڈالنے جا رہی تھی۔ مالکہ نے کہا:۔ ہاں! ہاں!! کیا کرتی
ہے؟ اس چوکھٹ پر پانی نہ ڈالنا۔ مُردہ باہر جانے پر پھر گوبر کا چوکا لگانا ہوگا
گھر میں عورت مر گئی ۔۔۔ اور پھر ایسی عورت! کیا اُسے کبھی سورگ نصیب ہوگا؟
بھوت بن کر تمام گھر بھر میں پھرے گی!

عین اسی وقت پنچا نے آ کر کہا: کوئی لاش اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں

کہتے ہیں۔ اسے ہاتھ لگانے سے ہی ہماری ذات جاتی رہے گی۔ صرف بھگوان دین شوکل
مہیت تیواری آئے ہیں بھٹاچاریہ مہاشے ذرا دیر بعد آئیں گے۔

پیچھے سے بھٹاچاریہ مہاشے نے آواز دی! بیٹا بین! میں آگیا۔ کیا ہو رہا ہے؟

چاچا جی! آدمی نہیں ملتے۔

مالکہ نے کہا:۔ سادھوؤں کے اکھاڑے میں خبر بھجوا دو۔ آدمی مل جائیں گے۔ خرچ زیادہ
ہوگا۔ مگر کیا کیا جائے۔ اپنے دروازہ کا کوڑا کرکٹ اپنے کو ہی صاف کرنا ہوگا۔

بین نے جوش میں آکر کہا:۔ نہیں! یہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں اکھاڑے والوں کو ہاتھ نہیں
لگانے دوں گا۔

بھٹاچاریہ نے کہا۔ کیوں بیٹا! اس میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟ مُردہ کے ساتھ
بھی چھُوت چھات!

نہیں چاچا جی! یہ بات نہیں۔ مگر اس سے مُردہ کی بے عزتی ہوتی ہے۔ یہ میں کسی
طرح نہیں گوارا کر سکتا۔ اس کو بے عزتی کرنے کا استحقاق کسی کو نہیں۔ میں کسی طرح
یہ نہیں مانتا۔ کہ انہوں نے کوئی پاپ کیا۔ اولاد کی حفاظت کی خاطر غریب نے کیا کیا دکھ
نہیں اُٹھایا۔ خود بھی جان دیدی! پھر بھی اولاد کی سلامتی کی خیر مناتی رہی۔ پنچ دادا!
...... تیواری جی کو بلاؤ۔ ہم تین شخص ہی کسی طرح اُسے شمشان لے چلیں گے۔

بھٹاچاریہ جی نے کہا۔ بیٹا! چوتھا شخص میں ہوں۔

نہیں نہیں۔ آپ ضعیف شخص ہیں۔ آپ کو تکلیف دینا منظور نہیں۔ ہم تینوں ہی
سب کچھ کر لیں گے۔

بھٹاچاریہ نے کہا:۔ مجھے تکلیف ہوگی یا نہیں۔ یہ تمہاری نسبت میں کہیں زیادہ
سمجھتا ہوں۔ یہ مہیت تیواری مجھ سے زیادہ تو تندرست نہیں ہیں۔

اس کے بعد چاروں شخص سکھی تارا کی لاش شمشان لے گئے۔ مگر کسی کی آنکھوں سے
ایک بوند آنسو کبھی نہیں نکلے۔ کسی نے ذرا بھی درد محسوس نہیں کیا۔ صرف ماتی پھوٹ

پھوٹ کر رو دی۔ اُس نے بچہ کو اپنی گود سے چمٹا لیا۔ چاچی جی سخت ہو کر مالا جپنے لگیں۔ ہری بول! ہری بول!! ہری بول!!!

(۲۸)

بین کو لاش اٹھاتے دیکھ کر باہر کتنے ہی اشخاص لاشہ کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہوئے۔ گاؤں کے زمیندار کے لڑکے کو لاش اٹھاتے دیکھ کر کسی سے نہ رہا گیا۔ رسومات مرگ نہائیت شاندار طریقہ سے ادا کی گئیں۔ ادھر لاش باہر جاتے ہی مالکہ نے کہا۔ روہنی اور دہنی! تنو کی ماں کے ساتھ مل کر تو تمام مکان صاف کر ڈال!

روہنی نے ناک سکوڑ کر اور منہ بنا کر کہا۔ میں ایسی سردی میں رات کے وقت نہیں نہا سکونگی! اگر تنو کی ماں میں ہمت ہو۔ تو وہ کرے۔

تنو کی ماں نے کہا:۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔ مجھے تو بخار معلوم ہوتا ہے تمام بدن میں اعضاء شکنی ہو رہی ہے۔

مالکہ نے ناراض ہو کر کہا:۔ تم لوگوں میں سے کسی سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔ تو کیا مجھے کرنا ہو گا۔

ماتنی نے کہا۔ بڑی موسی! میں سب صاف کر دونگی۔ تم فکر نہ کرو۔

مالکہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ماتنی نے فوراً تمام کمروں میں جھاڑو دیکر دھو دیا۔ اور سب مکان صاف ہو گیا۔

مالکہ نے کہا۔ میم صاحب! گوبر سے لیپا تو نہیں۔ تم تو شاستروں کو نہیں مانتیں مگر میں تو تمہاری طرح میم نہیں۔۔۔۔۔۔

ماتنی نے جلدی جلدی گوبر لاکر لیپ ڈالا۔

اُس وقت مالکہ بولیں۔ تم اس لڑکے کو لیکر کہاں ہو گی؟ کیا جو بین نے کہا ہے۔ وہی کرو گی؟ خوابگاہ کو زچہ خانہ ہی بناؤ گی!

ماتنی نے جواب دیا۔ جب یہ کمرہ زچہ خانہ بن گیا ہے تو میں اسی کمرے میں ہونگی۔

پھر بہن کہاں رہے گا؟

مالتی نے ہنس کر کہا۔ یہ تو وہی جانیں۔ جنھوں نے اپنی مرضی سے اپنے کمرے کو زچہ خانہ بنا دیا ہے۔

مالتی کی ہنسی دیکھ کر مالکہ جل کر کباب ہو گئیں۔ انھوں نے کرخت لہجہ میں کہا اور یہاں تمہاری نگرانی کون کرے گا۔ چھوٹی بہو!

چاچی جی اُسی وقت خشک لہجہ میں بول اٹھیں۔ ہاں! چھوٹی بہو کے لئے تو دُنیا میں اور کوئی کام کاج باقی نہیں رہا۔ جو زچہ خانہ میں اس کی نگرانی کرنے جائیں گی؟ مجھے تو پوجا ہی سے فرصت نہیں ملتی۔

مالتی سمجھ گئی۔ حالت خراب ہے اور معاملہ نہایت پیچیدہ ہے۔ اُس کی نگرانی کوئی نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ اکیلی رہی تو بھی بدنامی کا ٹھکانا نہیں رہیگا۔ یہ بات خیال میں آتے ہی اُس کا پُرجوش دل سرکش ہو گیا۔ اُسنے کہا۔ میں یہاں تن تنہا ہی رہونگی۔

سب کی سب متحیر اور دنگ ہو گئیں۔ وہ اس باحوصلہ لڑکی کی طرف دیکھنے لگیں۔

روہنی نے کہا۔ رہنے دو۔ اکیلے رہنے میں حرج ہی کیا ہے۔ بہن دادا جی تو پاس کے کمرے میں ہی رہیں گے۔

نجیا روہنی کی طرف دیکھ کر ہنسی۔ اِسکے بعد سب کے ہونٹوں پر ہنسی نمودار ہوئی مالتی سب سمجھ گئی۔ اور سمجھ بوجھ کر ہی اطمینان اور تحمل سے بچہ کی پرورش پرداخت اور نگرانی میں مصروف ہوئی۔

مالتی کو اسطرح لوگوں کی لعنت و ملامت کا منتظر دیکھ کر مالکہ چونک اٹھیں۔ اُن کے منہ سے بات نہیں نکلی۔ چاچی جی فوراً مالتی کو کے لئے بولیں مجھے سے تو اسی کمرے میں رہنا ہوگا اور کتنے کمرے خراب کرنے ہوں گے۔ نہ ہوگا۔ تو میں ہی پاس والے کمرے میں رہوں گی اور دیدی جی! تم بھی کہدینا۔ داسیوں میں سے کوئی ایک یہاں دالان میں ہو رہیگی

مالکہ نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیکر کہا:۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ٹھاکر جی کی پوجا کیسی

ہوتی ہے؟ کیسے دیدوں۔ تو انکی گتی مُکتی ہو۔ یہ بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔
یہ بات سُنکر مالتی کو اس زور سے ہنسی آگئی۔ کہ وہ بچّہ کو بھی بھول گئی۔ ٹھاکر جی کی فکر انسان کو ہو گی؟ اور وہ اُنکی گتی مُکتی کرے گا۔
مالکہ نے کہا۔ جا رو ہنی! دُولے جی سے کہدے۔ کہ وہ ہار ادھن پوجاری کو بلاویں ٹھکر جی مہاشے یا گوبردھن تو اس گھر میں اب قدم رکھیں گے ہی نہیں۔ چھی! چھی!! آجکل تو اب لوگوں کا دھرم رکھنا بھی مشکل ہو گیا۔ او ننّو کی ماں! باہر دروازے کے پاس ایک بھرا ہُوا گھڑا آگ۔ لوہا اور ذراسی مٹی کی ڈال رکھ آؤ۔ بنسی سے کہو۔ کچھ نیم کی پتّیاں لے آئے۔ بہن جب آئے گا۔ تو پہلے ان سب کو چھُو کر تب گھر میں داخل ہو گا۔۔۔۔۔ ممکن ہے۔ وہ یہ سب نہ مانے۔ مانے یا نہ مانے! مگر جو پرانے رسُومات ہیں۔ وہ سب تو مجھے کرنے ہی ہوں گے بھا جا! یہ سب کام جلدی سے ختم کردے۔ خبر نہیں۔ کب وہ آ جائے؟
تمام دن کی پریشانی کے بعد گھر میں پھر کسی قدر شانتی آئی۔ ٹھاکر گھر میں گھنٹہ بجا۔ چولھا جلا۔ لڑکے بچوں کو کھانا ملا۔ بنی ایک بار تمام دن کے بعد ماں کے پاس جانے کے لیئے رونے لگی۔ مالکہ نے کہا۔ ٹھہر۔ ٹھہر! میں ایک بار سب دیکھ سن آؤں۔ ٹھاکر جی کے لیئے بھوگ وغیرہ تیار ہُوا۔ یا نہیں!
جیا نے کہا۔ لڑکی کو ذرا گود میں اُٹھا کر پیار کر لو۔ میں جاتی ہُوں۔ اُدھر دیکھ آتی ہُوں جیا کو جاتے دیکھ کر چاچی جی بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ مالکہ نے بنی کو گود میں اُٹھا کر کہا۔ تجھے گود میں لئے رہنے سے تو میرا کام نہیں چلے گا۔ چل! ٹھاکر گھر کے پاس دالان میں بیٹھیں۔ سب طرف نظر رہے گی۔۔۔۔ مالتی! تم اکیلی رہ سکو گی۔ ہم سب بھی تو تمہارے آس پاس ہی ہیں۔
آج یہ سیدھی سی بات سنکر مالتی دل ہی دل میں پھُولی نہ سمائی۔ اُس نے جلدی جلدی کہا۔ ہو سی جی! میں رہ سکونگی۔
اس وقت مالکہ پُوجا گھر کے دالان میں جا بیٹھیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی بپن واپس آیا۔ وہ اُسی چال سے چلا آرہا تھا۔ مالکہ نے کہا۔ ہاں! ہاں!! ذرا یہیں ٹھہر۔ اس لوہے اور آگ کو چھو لے۔ کچھ نیم کی پتیاں اور مٹر کی ڈال منہ میں ڈال لے۔ پھر آ۔ بپن کی طبیعت اُس وقت اُداس تھی۔ اُس نے بغیر کچھ کہے سُنے ان بیہودہ رسوم کی پابندی کی۔

ماں نے بپن کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئیں بولیں یہ کیا۔ تُو نے بال نہیں صاف کئے۔ اب تک ان میں پانی بھرا ہُوا ہے۔ انہیں پونچھ ڈال ورنہ بیمار ہو جائے گا۔ ...... یہ کہکر وہ اپنے آنچل سے بپن کا سر صاف کرنے لگیں۔ اس کے بعد چھوٹی بہُو کو مخاطب کر کے کہا۔ چھوٹی بہُو! بپن کیلئے کچھ کھانا لاؤ۔

ماں ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد کھاؤں گا۔

چھوٹی بہُو! ذرا دیکھو تو کھانے میں کتنی دیر ہے؟

مالکہ نے کہا۔ بپن تو کہاں سوئے گا۔

کیوں! اپنے کمرے میں ؟

اُس کمرے میں تو مالتی لڑکے کو لئے ہوئے پڑی ہے۔

تو میں لائبریری میں سوؤں گا۔ ...... یہ کون آرہا ہے۔

روشنی نے آگے بڑھ کر کہا۔ کیوں دادا؟

جا! پنچ دادا سے کہدے۔ کہ لائبریری میں کوچ پر میرا بستر کردے۔

مالکہ نے کہا:۔ تو اس پُرانے بریلی میں کیونکر رہ سکے گا۔ چاروں طرف تو کتابیں ٹھُسی ہوئی ہیں۔ نیند کیونکر آئے گی؟ وہاں تو دم گھُٹتا ہے۔ بُو آتی ہے۔

وہ بُو تو میرے لئے چندن سے بھی بڑھ کر ہے۔

کھانا وغیرہ کھانے کے بعد بپن سونے گیا۔ خوابگاہ میں جاکر دیکھا۔ مالتی چُپ چاپ اکیلی بیٹھی ہوئی ہے۔ بپن نے کہا۔ مالتی اکیلی ہو؟

مالتی نے ہنس کر کہا:۔ اب تو میں اکیلے نہیں۔ ایشور نے تو مجھے اب دوسرا ساتھی دیدیا ہے

کلیان مئی۔ جنتی کی طرح بچّہ کو گود میں لئے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی۔ بپن از خود رفتہ نگاہوں سے اُسی کو دیکھنے لگا۔

بپن ٹکٹکی لگائے ہوئے اُس کی جانب دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر مالتی نے جھجکتے ہوئے لجاجت آمیز انداز سے کہا۔ رات زیادہ آگئی۔ آپ جائیے۔ آرام کیجئے۔

بپن آہستہ آہستہ وہاں سے چلا گیا۔

کالی تارا کا لڑکا بھی باوجود سخت کوشش و احتیاط کے جانبر نہ ہو سکا۔

اُس کی دوا علاج اور تیمارداری وغیرہ کی وجہ سے بپن کو کئی دنوں تک رات دن مالتی کے پاس رہنا پڑا۔ بچّہ کی موت کے بعد مالتی بہت بےچین ہوئی۔ گھر میں ایسا کوئی بھی نہ تھا کہ اسے ذرا تسلّی دیتا۔ اسی وجہ سے بپن خود ہی ہر وقت اُس کے پاس رہ کر طرح طرح کی باتوں اور قصہ کہانیوں سے اُس کو تسلّی و تشفّی دینے کی کوشش کرتا تھا۔

مالکنے بپن کی یہ سب حرکات دیکھ کر ایک دن ہری بہاری بابو سے کہا۔ تم تو کچھ دیکھتے سنتے نہیں۔ بپن مالتی کو دم بھر کے لئے بھی نہیں چھوڑتا۔ اب بھی اس کی شادی کی طرف تم توجہ نہیں دیتے۔ یہ اچھا نہیں۔

ہری بہاری بابو نے ایک خط دکھا کر کہا۔ وشنو پور کے ہرشین بابو نے یہ خط لکھا ہے اس ماگھ مہینے میں وہ شادی کرنے پر تیار ہیں۔ نومی کو شادی ہو جائے تو اچھا ہے۔ کیا کہتی ہو؟

ہاں! یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ اچھے کام میں دیر کرنا مناسب نہیں۔ گھر میں تو ایک عجیب جھگڑا مچ گیا ہے۔

ہری بہاری بابو نے کہا۔ کتنی ہی بار تو کہہ چکی ہوں۔ کہ اس جھگڑے دور کر دو۔ مگر تم سنتی ہی نہیں۔

باپ رے! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس حرکت سے تو لڑکا بھی گھر بار چھوڑ کر دیس تیاگی ہو جائے گی۔

تمام

ہاں! اسی طرح سب دیس تیاگی ہوتے ہیں۔

نہیں۔ نہیں۔ تم بپن کو نہیں جانتے۔ وہ نہائیت ضدّی لڑکا ہے۔ اُس سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ بس! تم جلدی سے اس کی شادی کردو۔ جس کی چیز ہوگی۔ وہ خود اپنی حفاظت آپ کریگا

تم ذرا بپن کو تو بلاؤ۔ میں اُس سے سب کچھ کہدوں گا۔

ونو عین اسی وقت ایک خرگوش گود میں لئے ہوئے دوڑتا ہوُا جا رہا تھا۔ سالک نے اُسے آواز دیکر کہا۔ او ونو! اپنے دادا کو تو بُلا دے!

ونو خرگوش کی طرح چھلانگ مارتا ہوُا بپن کو بُلا لایا۔ بپن آکر کھڑا ہو گیا۔ مگر کسی نے کچھ نہیں کہا:۔ بپن کچھ دیر بعد انتظار کرکے خود ہی کہا:۔ کیا مجھے بُلایا ہے۔

اُس وقت ہری بہاری نے کہا۔ ہاں! تمام دن گھر میں بیٹھے بیٹھے کیا کرتے ہو زمینداری کا کام کاج بھی تو کچھ دیکھنا چاہئے۔

بپن نے کہا:۔ آپ کہتے ہیں۔ تو میں دیکھ سکتا ہوں۔ مگر سچی بات تو یہ ہے۔ کہ میں چھوٹی آنکھوں بھی کسی قسم کا جور و ظلم یا بے انصافی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر مجھ پر زمینداری کا بار چھوڑو گے۔ تو میں دیوان جی سے لیکر محرر تک سب کو نکال دوں گا۔ رعایا پر جو ظلم کئے جا رہے ہیں۔ اُن میں سے میں ایک بھی نہ ہونے دوں گا۔ اگر آپ یہ سب اختیارات مجھے دیں تو میں بخوشی تمام بار اپنے ذمّہ لینے کیلئے تیار ہوں۔

یہ سب بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے تم شروع تو کرو۔ کل سے کچہری جانا۔

بپن نے کہا۔ جو حکم!

بپن جا رہا تھا۔ ہری بہاری نے کہا۔ وشنو پور کے ہرکشن بابو کی لڑکی سے تمہاری شادی طے پائی ہے۔ نومی کو شادی ہوگی۔ تمہیں جن جن چیزوں کی ضرورت ہو دیوان جی کو ایک فرد تیار کرکے دیدو۔

بپن نے متحیّر ہو کر کہا۔ میری شادی؟ اتنی جلدی؟

ہاں! مگر تم نے تو اس طرح مُنہ بنا لیا ہے گویا نہیں پھانسی کا حکم ملا ہے۔

بپن نے کہا۔ میں تو اس وقت شادی نہیں کر سکوں گا۔

کیوں؟ اس میں انکار کی کیا ضرورت ہے؟ جو رشی منی اور دیوتاؤں نے کیا ہے اُس میں تمہیں کیا انکار ہے۔ تمہیں شادی کرنی ہوگی۔

میں شادی کروں گا۔ مگر وشنوپور میں نہیں۔

"وجہ؟"

میں نے سُنا ہے کہ وہ لڑکی بہت چھوٹی ہے۔

واہ! کیا وہ ہمیشہ چھوٹی ہی بنی رہے گی؟ چھوٹی لڑکی بڑی نہیں ہوتی۔ یا ماں کے پیٹ سے ہی بڑی ہو کر پیدا ہوتی ہے۔ میں نے ہریش بابو کو قول دیا ہے۔ اسلئے تمہیں اُن کی لڑکی سے شادی ضرور ہی کرنی پڑے گی۔

بپن نے استحکام پذیر لہجہ میں کہا:۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکیگا۔

بپن کے دل میں یہ بات کئی بار آئی۔ کہ وہ صاف طور پر کہدے۔ کہ مالتی کے ساتھ شادی کرے گا۔ مگر مالتی کا خیال اُس کی جانب سے کیسا ہے؟ مالتی اُس کے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہے یا نہیں۔ یہ بھی تو ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا۔ پس اس وجہ سے اُسے اپنا یہ خیال اندر ہی اندر دبانا پڑا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچا کہ بہت جلد ہی مالتی کا مفہوم وہ معلوم کرلے گا۔ کچھ اور کہے بغیر ہی بپن وہاں سے روانہ ہُوا۔ ہری بہاری و مالکہ دونوں بپن کی باتیں سنکر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہگئے کچھ دیر بعد ہی مالکہ نے کہا۔ اُس پاگل کی بات تم نہ سنو۔ سب طے کرڈالو اُسے جھک مار کر شادی کرنی ہی ہوگی۔

ہری بہاری بابو دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے تھے بظاہر بولے۔ جاتا ہوں دیوان جی سے کہتا ہوں۔ سب انتظام کریں۔

ہری بہاری بابو باہر گئے۔ اس لوحی کو بپن کی شادی طے پائی۔

اب وقت بہت تو نہیں۔ شادی کے تمام انتظامات جلدی جلدی ہونے لگے۔ مگر

شادی کون کرائے گا؟ بھٹاچاریہ جی تو ذات باہر کر دیئے گئے۔ اگر کوئی اور صورت ہوئی تو بھاٹ پاڑا سے پنڈت بلانا پڑے گا۔ مگر اب اس کے لئے بھی تو وقت نہیں رہا۔ آج کل میں ہی کچھ نہ کچھ انتظام کرنا ہوگا۔ میں اکیلی کہاں کہاں نظر رکھوں۔ چھوٹی بہو۔ او چھوٹی بہو۔ تمہارا اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں اور مالتی کو کیا کہوں۔ وہ ایک غیر کے لڑکے کے سوچ میں دروازہ بند کئے منہ لپیٹے پڑی ہے۔ اگر وہ باہر کا کام کاج دیکھتی تو بھی بڑی مدد ملتی۔ . . . . .

مالکہ کی بے چینیوں کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ دن میں پچاسوں بار ٹھاکر جی کے گھر میں جا کر منتیں مانتی تھی۔ ہے ٹھاکر! کسی طرح بخیر و خوبی یہ کام انجام پا جائے تمہارا بڑا بھوگ چڑھاؤں گی۔

اس تمام شور و شر میں تنی کی وہ نازک ملاحت بار شیریں آواز اور بھی لطف پیدا کر رہی تھی۔ بڑے دادا کا بیاہ ہوگا۔ بہو آئے گی۔ بڑا مزا ہوگا

بنو نے لپکتے جھپکتے آکر ماں کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر کہا۔ ماں! بڑے دادا کا بیاہ ہو رہا ہے۔ میلہ کب ہوگا؟

مالکہ نے ہنس کر کہا۔ اس مرتبہ تو شہبالا بنے گا۔ اس کے بعد دادا کی طرح جب تو بڑا ہوگا تو تیری بھی شادی ہوگی۔

بنو خوشی سے پھولا نہ سمایا وہ لپکتا دوڑتا گھومنے پھرنے لگا۔ میں شہبالا بنوں گا۔ بھاوج کی شادی کرنے جاؤں گا۔

تنی نے منہ پھلا کر متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ میلا بھی بیاہ ہوگا۔ ہل آئیگا جھکڑ جھکڑ جھبتم جھبتم باجا بجے گا۔

آج سب کے سب خوشیاں منا رہے تھے مگر جس کی شادی تھی وہ نہایت ہی متفکر تھا۔ اساڑھ مہینے کی اماوس رات کی طرح شادی کے خوف سے اس کے چہرے کی یہ حالت ہوگئی تھی۔ بپن باپ کے پاس سے آکر اپنی لائبریری

میں چلا گیا تھا۔ مالتی سے ملاقات بھی نہ کرسکا۔ آرام کرسی پر لیٹتے ہی اُسے ایک کتاب ملی۔ تمام کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس کی حالت اور دل کی طرح اُس کتاب کے واقعات داغدار تھے۔ وہاں اس میں کوئی ترتیب اور کوئی معنی و مطالب سجھائی نہ دیئے۔ اُس کے صفحات میں نگاہ ڈالکر اُس نے اس اُلجھن سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ مگر کوئی تدبیر بھی ممکنات سے نہ نظر آئی۔ وہ سوچنے لگا۔ اِس وقت میرا فرض کیا ہے؟ جب موت و زندگی کی حالت درپیش ہے تو شرم و حجاب سے کام لینا سراسر نادانی ہے۔ دیر کرنا بھی مناسب نہیں۔ مالتی سے اِس کا تذکرہ کردینا مناسب ہے۔ اِس کے سوا میرا اور کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی محافظ ہے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔۔۔۔ ورنہ؟ زمانہ مستقبل کی حالت خود درست ہو جائے گی۔۔۔۔ نوکشور اگر اس وقت موجود ہوتا۔۔۔۔ ایک خط لکھوں۔ شاید اگر وہ آجائے تو کوئی مناسب تدبیر کر سکے۔

بپن نوکشور کو خط لکھنے کے لئے بیٹھا۔

بپن دادا کی شادی ہے۔ اتنی بڑی خوشخبری مالتی کو سنائے بغیر روہنی سے رہا نہ گیا۔ آہا! اس وقت سب کے سب خوش تھے۔ مگر وہ بیچاری غم کے لڑکے کے رنج میں ایک کونے منہ لپیٹے پڑی تھی۔ یہ روہنی سے نہ دیکھا گیا۔ اُس نے جلدی جلدی مالتی کے کمرے کے پاس آکر جھانک کر دیکھا کہ بپن ہے یا نہیں؟ جب اُس نے دیکھا۔ کہ بپن نہیں ہے تو ہنستے ہنستے مالتی کے کمرے کے سامنے چوکھٹ اور دروازے کے سہارے کھڑی ہو گئی۔

روہنی کو اس طرح خوش و خرّم اور شاداں و فرحاں دیکھ کر مالتی کا دل کانپ اُٹھا۔ منہ خشک ہو گیا۔ روہنی کی کھلی، سوئی دانتوں کی قطار میں کیا زہر چھپا ہوا ہے غریب مالتی مایوسانہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی اُسی کو تلاش کرنے لگی۔

روہنی نے دبی ہوئی آواز سے کہا۔ سُنا ہے ویدی جی! ایک خوشخبری سُنی ہے۔
مالتی نے سانس روک کر خوف سے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا:۔ کیا؟
روہنی نے آنکھیں پھیر کا کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ بپن دادا کی شادی ہے
مالتی کا مُنہ یکبارگی مُردے کی طرح ہو گیا۔ اُس نے کوشش سے ہنسکر جوش کے
ساتھ پوچھا:۔ کب؟ اور کہاں؟
اسی نومی کو! وشنو پور کے زمیندار ہریش بابو کی لڑکی کے ساتھ! لڑکی
تُم سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ دادا کو بہت پسند ہے!
مالتی کیا جواب دے؟ بہت غور وخوض کرنے پر بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا
اس خوشخبری سے اس کا دل کیوں ٹکڑے ٹکڑے ہُوا جا رہا ہے؟ آنکھوں سے
آنسو کیوں نکلے پڑتے ہیں وہ ٹھیک طور پر یہ بھی نہ سمجھ سکی۔ اُس نے زور
کر کے ہنستے ہوئے کہا:۔ ایسے مسرت بار دن میں مَیں خوشی نہ منا سکوں گی
بدھاتا نے مجھے دنیا میں اکیلا ہی بھیجا ہے۔
مالتی کا گلا رندھ گیا۔ دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو باہر آنے کی کوشش
کرنے لگے۔ اُس وقت اس کے دل میں یہ خیال آنے لگا۔ روہنی! کمبخت روہنی!
تو جس قدر جلد ممکن ہو۔ یہاں سے دُور ہو۔ ذرا میں جی بھر کر رولوں۔ تاکہ
دِل کا بار ہلکا ہو جائے۔
عین اسی وقت بپن کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی۔ روہنی تیزی سے
بھاگی۔ مالتی نے اپنے آنسو پونچھے اور سنبھل گئی وہ فوراً ایک کتاب کھولکر
اُسی کے صفحات پر جھک پڑی۔ بپن کمرے میں داخل ہوا۔ تاہم مالتی نے
سر نہیں اُٹھایا۔ بپن نے پکارا۔ مالتی!
اب ضبط کا باندھ ٹوٹ گیا وہ کسی طرح بھی نہ رہ سکا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے
لگی۔ بپن نے بےچین ہو کر پوچھا۔ مالتی! تُم روتی کیوں ہو؟

اس بات کا جواب وہ کیا دیگی؟ وہ کیوں رو تی ہے؟ وہ خود بھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔

میں نے سوچا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے مالتی کو کچھ کہا ہے۔ اسی وجہ سے اُس نے سنبھل کر کہا۔ دیکھو! مالتی! تمہیں لوگ بھلی بُری باتیں کہکر پریشان کرتے ہیں۔ مگر اس کا خاتمہ کرنے کے لئے صرف ایک تدبیر ہے۔ وہ تدبیر تمہارے ہاتھ ہے۔

مالتی نے اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے استفسارانہ نگاہیں ڈالیں۔ بپن کہنے لگا۔ میں جو کہنے جا رہا تھا۔ شائد وہ میری زبان سے مناسب نہیں۔ تاہم بغیر بولے نہیں رہ سکتا اگر تم یہ خیال کرو۔ کہ میں یہ بے انصافی کر رہا ہوں۔ تو مجھے معاف کرنا۔ اور یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اسے تم بھی بھول جانا۔ میں بھی بھول جانے کے لئے دلی کوشش کروں گا....

مالتی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ کہ بپن اس قدر تمہید کے بعد کیا کہنا چاہتا ہے۔ اُس نے پھر سر اُٹھا کر بپن کی طرف دیکھا۔

جب اصل بات کہنے کا وقت آیا اُس وقت بپن چند سوچنے پر بھی کچھ تہیّہ نہ کر سکا۔ کہ کس طرح مالتی سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔ مالتی میں نہ معلوم کیسا جو ایک انفصال ہے اُس سے کوئی بات بغیر لگاؤ لپیٹ کے کہے کام نہ چلے گا۔ اُسے سوال کرنے میں بھی رُکاوٹ معلوم ہوئی۔ بپن نے کسی طرح طبیعت پر زور ڈال کر یکا یک کہہ ڈالا۔ میری شادی کی بات چیت ہو رہی ہے.... کہنے کے بعد ہی بپن نے سوچا۔ بات بہت خوفناک اور بے سوچے سمجھے کہی گئی ہے۔

مالتی کے دل میں چوٹ لگی سخت ہو کر بولی۔ سنا ہے

بپن نے بیتابانہ انداز سے پُوچھا۔ مالتی! جانتی ہو۔ کہ میں نے اپنی زندگی کا ساتھی کسے بنانے کے لئے تجویز کیا ہے؟

مالتی کے دل پر اس تقریر نے جس نے پوری طرح اثر انداز ہو کر اُس کا سانس

بند کر دیا۔ دل لوٹ پوٹ ہونے لگا تھا۔ اور کلیجہ مُنہ کو آ رہا تھا۔ وہ چُپ چاپ بیٹھی رہی۔ بپن کچھ دیر ٹھہر کر۔ مالتی کا کوئی جواب نہ پا کر بولا۔ مالتی! کیا تُم میری زندگی کی ساتھی بنو گی؟ مالتی لاجواب اور بے حس و حرکت۔ بپن نے مالتی کو خاموش دیکھ کر حوصلہ اور اُمید کا اشارہ پا کر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر لجاجت آمیز لہجہ میں بولا تو مالتی! تُم نے میری درخواست کو شرف قبولیت بخشا؟ اُمید۔ لطف و مسرت اور پیاری کے ہاتھوں کے لمس سے بپن کے عضو عضو میں خون کی ایک جذبہ آمیز لہر سی موجزن ہو رہی تھی۔ دلی جوش اور جذبات کی تلاطم خیز روانی سے اُس کے عضو عضو کا ایک ایک پرزہ بیدار ہو کر پھر دل میں ایک ہلچل مچائے دے رہا تھا۔ وہ حوصلہ بخش اور اپنے سوال کا جواب اثبات کی شکل میں سننے کے لئے بے چین ہو اٹھا۔ بپن کے لمس سے مالتی کے دردمند جسم میں ایک جاں گداز کسک پیدا ہو گئی۔

مالتی نے آہستہ آہستہ بپن کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ نہ

یہ غیر متوقع جواب سُن کر بپن کے حواس باختہ ہو گئے۔ جیسے کسی نے اُس کی زبان پر قفلِ سکوت لگا دیا۔ آج دم بھر میں اُس کے اتنے دنوں کی نہایت کوشش و احتیاط سے جمع شدہ ارمان و آرزوؤں کا سرمایہ منتشر ہو گیا۔

بپن تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔ مالتی میری خواہشات اور تمناؤں کی جڑ کیا محبت کی آبیاری سے سرسبز و شاداب نہ ہو گی۔ وہ جنگلی بیل کی طرح یُونہی مُرجھا جائے گی۔۔ ذرا ایک بار غور تو کرو۔

مالتی کو معلوم ہونے لگا جیسے بپن کی عمیق نگاہوں سے ترنم خیز رحم اور درد آلود محبت کا ایک تار بندھا ہوا ہے۔ جیسے گویا وہ سُن رہی تھی کہ بپن کی آواز اُس کے اندرونی طور پر پوشیدہ آنسوؤں میں سرشار ہو کر زبان کے ذریعے سے باہر آ رہی ہے اور جیسے وہ مجسم اُس کے کسی قدر نرم لمس کے تلطف کا احساس کر رہی تھی۔

مالتی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں طمانیت اور دلاسے کا پُر کیف جام بھر کر بپن

کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں بہت شوخ سمجھ کر۔

بپن کو اور کچھ کہنے کی بات نہ سوجھی۔ دونوں خاموش تھے۔ اُن پر سکوت اور خاموشی کا جو ایک زبردست پردہ پڑ گیا تھا۔ اُسے کوئی بھی ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد یکایک بپن کمرے سے اُٹھ کر چلا گیا۔

بپن کے جانے کے بعد ہی مالتی تکیے میں مُنہ چھپا کر بڑی بڑی بے چینی سے رونے لگی۔ عین اُسی وقت چاچی جی وہاں آکر دنگ رہ گئیں۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ متحیر ہو کر جھنجھلاہٹ آمیز لہجے میں بولیں۔ مالتی! تو اس طرح کیوں رو رہی ہے؟ تیرے پیٹ سے تو وہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کے لئے اس قدر رنج و غم کیوں؟ تیری جو بات ہے وہ بالکل عجیب و غریب ہے۔

چاچی جی آواز سُنکر مالتی نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور اُٹھ بیٹھی گویا وہ روتی ہی نہ تھی۔ چاچی جی نے کہا۔ غیر کا لڑکا۔ اُس کو دو دن تو نے ذرا ہلا یا جُلا یا آج اُسی کے لئے اتنا درد! بپن کی شادی ہے۔ چل کام کاج کر۔ ایک کونے میں بیٹھ کر رات دن رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا۔

مالتی چُپ ہو گئی۔ اُس کے ہلنے کے کوئی آثار نہ دیکھ کر چاچی جی نے کہا۔ واہ! اچھی لڑکی ہے۔ کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتی۔ ایسی نٹ کھٹ لڑکی تو میری زندگی میں نظر سے نہیں گزری۔

یہ کہکر چاچی جی چلی گئیں۔ مگر اُن کا دل مالتی کے درد سے پریشان ہو کر اور چوٹ پر چوٹ کھا کر سازِ دل کے تمام تاروں میں درد کا ترنم پیدا کرنے لگا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ نکلا۔ اور اندر ہی اندر نہ معلوم کون چٹکیاں لینے لگا۔

(۱۰)

ادھر جب اس طرح شور و شر اور رونے دھونے کا ہنگامہ برپا تھا۔ تو بپن نے مایوسانہ انداز سے نواب گڑھ جی کے گھر کا راستہ لیا۔

نوارن مُکرجی اُس وقت ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی بچھائے ایک چھوٹے سے میلے تکئے پر سر رکھے ہوئے حقہ پی رہے تھے گوبردھن نئی چلم میں تمباکو بھرتے بھرتے کہہ رہا تھا۔ ہوں۔ تمہاری طاقتیں بھی خوب ہیں۔ بپن اور نوکشور کیسا مضحکہ اڑا رہے ہیں بابا! مجھے تو رستہ میں اکیلے نکلتے ہوئے بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔ خوش نصیبی تھی کہ اُس دن بال بال بچ گیا۔

نوارن نے کہا۔ ذرا ٹھہر تو سہی۔ گھبراتا کیوں ہے؟ اگر میں نے اس کا بدلہ نہ لے لیا ہو۔ تو میرا نام نوارن مُکرجی نہیں۔ بھٹّاچاریہ کو تو ذات سے باہر کرہی دیا ہے...

گوبردھن نے بات کاٹ کر کہا۔ خوب ذات سے باہر کیا۔ اگر اسی کا نام برادری سے خارج کرنا ہے۔ تو ہو چکا۔ بھٹّاچاریہ اور کشور دونوں زمیندار کے ہاں آتے جاتے ہیں۔ اور تم وہی اپنے پرانے راگ الاپ رہے ہو۔

نوارن نے کہا۔ بھائی! اگر گرم گرم کھانے سے منہ جلتا ہے۔ عقلا اور علماء نے صبر کا پھل شیریں بتایا ہے۔ بپن زمیندار کا لڑکا ہے۔ اُس پر دباؤ ڈالنا آسان نہیں۔ تم میری صفائی کے ہاتھ ذرا دیکھتے چلو۔ اس شادی کو فسخ کرا دیتا ہوں۔ اور بچہ کو وہ ناچ نچاؤں گا۔ کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اُسے ایسے سبز باغ دکھانے تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہیں۔ جب بچہ جی شادی کرنے جائیں گے تو اس وقت معلوم ہوگا۔ کہ چڑیا تو کسی اور شاخ پر جا بیٹھی ہے۔ میں دشنوپور کے ہریش بابو کو خط لکھ دوں گا۔ کہ بپن برادری سے خارج شدہ ہے۔ اس کے علاوہ آج رات کو اور دو چار رتجہ کنندے شورغ رکھوں گا۔ ہریش چٹرجی پرانے خیالات کا کٹر ہندو ہے۔ یہ سُنکر وہ کبھی بھی شادی کرنے پر تیار نہ ہوگا۔ اُسے برادری سے خارج کرنے کے لئے یہی ایک تدبیر کافی ہے۔ میں یہی کروں گا اور ضرور کروں گا۔

عین اُس وقت بپن صحن میں داخل ہوا۔

اُسے دیکھتے ہی نوارن کا جسم اس زور سے کانپ اُٹھا۔ کہ چلم حقہ سے اُلٹ پڑی۔

گوبردھن چونک پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں چمٹے کی وجہ سے سخت چوٹ لگی۔ وہ چمٹا لیکر شاید بہن پر وار کرنے چلا تھا۔ کیونکہ چلم کے اُلٹ جانے کی وجہ سے اُسے شک ہُوا تھا کہ شاید بہن اس پر یا نوارن پر حملہ آور ہُوا ہے۔ دونوں باپ بیٹوں کا مُنہ خشک ہوگیا کسی کے مُنہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ چُپ چاپ بیٹھے رہے۔ آگ گرنے کی وجہ سے تکیہ چٹائی جلی جا رہی تھی۔ مگر اُس طرف جیسے کوئی نظر ڈالنے کا بھی حوصلہ نہیں ہوتا تھا بہن نے ان دونوں کی یہ حالت دیکھے بغیر ہی بُلند آواز سے کہا، ”مگر جی مہاشے! مُجھے ذات سے باہر کیجئے۔ میں مسلمانوں کا چھُوا کھاتا ہُوں۔ آپ لوگ جسے دھرم کہتے ہیں۔ میں اُسے کسی صُورت اور کسی حالت میں بھی نہیں مانتا۔

بہن نے مالتی سے گفتگو کر کے دل ہی دل میں جو چوٹ محسُوس کی تھی۔ اُس تکلیف کا اظہار وہ کسی کے روبرو کسی شکل میں بھی نہ کر سکتا تھا۔ صرف یہی کیوں؟ وہ اپنے روبرو بھی اُسے ظاہر کرنے میں پس و پیش کرتا تھا۔ زبان دل بھی اس سے ناآشنا رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اُس کا دل اور ایک نئی چوٹ پا کر اپنے آپ کو کسی دوسری شکل میں پیش کر کے گرفتار ہونے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اِسی لئے وہ فوراً نوارن کے پاس آکر اس طرح زور دیکر اپنے آپ کو برادری سے خارج کرنے کے لئے بے چین ہوا تھا۔ مگر نوارن نے اصلی حالات سے ناواقف ہو کر دل ہی دل میں سوچا۔ کہ تماہی آگئی! لڑکے نے یقیناً چھُپ کر اُس کی تمام باتیں سُن لی ہیں۔ تاہم حوصلہ باندھ کر بظاہر بولا۔ بھائی! تم کیا کہتے ہو؟ کیا میں کسی طرح تمہیں ذات سے باہر کر سکتا ہوں؟ تمہاری وجہ سے ہی تو ہماری سوسائٹی قایم ہے۔ جوانی کی ترنگ ہیں یا بچپن میں کسی واقعہ کے زیر اثر اگر کوئی حرکت ہو گئی۔ تو وہ نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ یہ عُمر کا قصُور ہے۔ اس کے لئے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یونہی رفع دفع ہو جاتا ہے۔

”نہ جی مہاشے! نہیں۔ آپ اس وجہ سے مجھے رہائی دیجئے۔ کشمیر کیا کبھی تو

کوئی بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے۔ پھر اُسے کیوں ذات سے باہر کیا۔ مجھے بھی کیجئے۔

یہ تم کیا کہتے ہو۔ نوکشور اور تم میں کوئی فرق نہیں وہ تو برہمن کا لڑکا ہے۔ اور تم۔ تم راج راجیشور! اگر تم کہو۔ تو آج ہی بڈھا چاریہ جی کو ذات میں ملالیں۔

نہیں نہیں مُکر جی مہاشے! ایسا کام نہ کیجئے گا۔ آپ نے بہت اچھا کیا۔ کہ انہیں ذات سے باہر کردیا۔ آپ کی صف میں ملنے سے تو یہ کہیں بہتر ہے۔ کہ وہ الگ تھلگ رہیں میں آپ سے بخوشی کہتا ہوں۔ کہ آپ مجھے بھی برادری سے نکال دیجئے۔ بابو جی کو نشیب و فراز دکھایئے۔ کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیں۔ جس میں کسی طرح میری شادی نہ ہو۔ اس کی بھی فکر کیجئے۔ یہ دونوں کام آپ باسانی کرسکتے ہیں۔

نوارن نے دل ہی دل میں کہا:۔ یقیناً اُس نے سب کچھ سُن لیا ہے۔ بظاہر بولا۔ رام رام! میں اور ایسا کام کروں۔ تین پن تو گئے۔ چوتھا پن آیا اب آخرت میں کیا داغ لگاؤں گا۔ تم لوگ جیسا مجھے سمجھتے ہو۔ میں ویسا پاپی نہیں۔ سمجھے کہ نہیں اور مجھ میں اتنی طاقت کہاں؟ کہ میں تمہاری شادی میں رخنہ انداز ہوں۔ رام۔ رام!!

مُکر جی مہاشے! آپ میں بڑی طاقت ہے۔ آپ اس ہرن کی طرح ہیں جس میں نافہ چھپا رہتا ہے مگر اُسے خبر نہیں ہوتی۔ اپنی وقعت اور قدر و قیمت کا اندازہ وہ خود نہیں جانتا۔ آپ کی عظمت و بزرگی تو مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اگر آپ ایک معمولی سا خط لکھ دیں گے تو تمام معاملہ درہم برہم ہوجائے گا۔

رام رام! میں اتنا کمبخت اور گنہگار شخص نہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟ رام رام۔ میں ادھر خط لکھوں۔ اور اُدھر بہاری بابو میرا سر پھوڑ دینگے۔ رام رام! میں اتنا بے وقوف نہیں۔

آہا! آپ خط میں اپنا نام کیوں دیں؟ گمنام خط بھیجنے میں بھی آپ بڑے پختہ کار ہیں؟ یہ سب لوگوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ کوئی کسی کا بھلا ہوتے نہیں دیکھ سکتا گمنام خط ۔۔ رام رام!

توکیا آپ کسی طرح مجھے اپنا ممنونِ احسان نہ بنائیں گے!

نوارن نے دل ہی دل میں کہا:۔ جب تم خود ہی اُکتائے ہو۔ تو میں کسی طرح بھی یہ کام نہیں کروں گا۔ تمہیں یقیناً ایسے غار میں ڈالوں گا۔ کہ بچہ جی عمر بھر تک یاد کرو گے جب تم خود ہی وہاں شادی کرنا نہیں چاہتے۔ تو وہیں تمہیں جھونکوں گا۔ مگر سسر جی کی اتنی بڑی جائداد ملے گی۔ یہی تمہیں بری لگتی ہے۔ اچھا دیکھا جائے گا۔ ہریش بابو کو صلاح دوں گا۔ کہ وہ لڑکا گود لے لیں۔ نہ ہو۔ تو میرے چھوٹے لڑکے کو ہی پال پوس لیں۔ پھر مرض کے عین مطابق دوا ملے۔

نوارن کو خاموش دیکھ کر بپن نے جھنجھلا کر کہا:۔ گرجی مہاشے! کیا سوچتے ہو؟ آج یہ نئی بات دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم ایک معمولی شخص سے جھجکتے ہو؟

نوارن نے کہا:۔ ادھرم کا کام مجھ سے اس ضعیفی میں نہ ہو سکے گا۔ خواہ تم کچھ کہو۔ گالیاں دو یا جو چاہے کرو۔ سمجھے کہ نہیں!

اچھا تو بیٹھو۔ میں کوئی اور فکر کروں گا۔ یہ کہکر بپن وہاں سے روانہ ہوا تھوڑی دور تک باپ بیٹے دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ جب بپن کا کوئی پتہ نشان نہ باقی رہا۔ تو نوارن کسی قدر ہٹ کر بیٹھا۔ گوبردھن کو مخاطب کر کے نوارن نے دبی ہوئی آواز سے کہا:۔ دیکھ تو سہی! چھوکرا چلا گیا یا نہیں!

گوبردھن نے کہا:۔ ہاں! میں دیکھنے جاؤں۔ اور وہ میرا سر توڑ دے۔ تم خود جا کر کیوں نہیں دیکھ آتے۔

خوف کیوں کرتا ہے۔ اب کوئی خوف نہیں۔ وہ کچھ نہیں کہیگا۔ اگر کوئی بات ہوتی۔ تو آتے ہی دھما دھم مچا دیتا۔

یہ سنکر گوبردھن باہر آکر دیکھنے لگا۔ بپن بہت دور جا چکا تھا۔

اُس وقت نوارن کو حوصلہ ہوا۔ کمر میں دو پٹہ کس کر کھڑا ہوا۔ لانگ کھل گئی تھی۔ اُسے باندھ کر نیچے آیا اور سوچنے لگا۔ اب ذرا ہری بہاری بابو کے پاس

چلنا چاہیئے۔ کہیں وہ لڑکے کا یہ نخرہ سُنکر بہک نہ جائیں

ایک میلہ کرتا پہن کر کندھے پر پھٹا پھٹا یا رُومال ڈال کر بانس کی ایک لاٹھی لے کر نوارن روانہ ہوئے

مکان کے باہر نوارن کا نوکر چھجو مرمت کر رہا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دیکھ کر دانت نکال کر کہا۔ ٹکر جی مہاشے! کہاں جا رہے ہو؟ ذرا دیکھنا تو سہی۔ کیسا بنا رہا ہوں؟ نوارن تیل کے بیگن کی طرح جل اٹھے اور دانت پیس کر بولے: پاجی بیٹا! نامعقول! میں شبھ کرم کے لئے جا رہا تھا۔ تو نے مجھے پیچھے سے کیوں پکارا؟ آج یا تُو ہی رہے گا۔ اور یا میں! یہ کہکر وہ چھجو کی طرف جھپٹے۔ مگر وہ بھاگ کر کہیں چھپ رہا۔ نوارن نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اُسے دیکھتے ہی لاٹھیاں برسانی شروع کیں، چھجو بھاگا۔ اور اپنی زد میں نوارن کو بھی لپیٹ کر بھاگا۔ یہ دھڑام سے گر پڑے ضرب شدید آئی۔ نوارن اس کے لئے تیار نہیں تھے بیٹھے چلّانے لگے۔ مگر چھجو پہلے ہی نو دو گیارہ ہوگیا تھا۔ عین اُسی وقت ہیرالال دھوبی اُدھر سے جا رہا تھا۔ اُس نے ٹکر جی مہاشے کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی گٹھڑی پھینک دی۔ اور انہیں بچایا۔ ٹکر جی نے اُٹھتے ہی ہیرالال کے گال پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ ہیرالال کو بہت غصّہ آیا۔ وہ سُرخ آنکھیں کر کے نوارن کی جانب دیکھنے لگا۔ ٹکر جی نے کہا بیٹا دھوبی کے بچّے! تیری اس قدر ہمّت کہ تو نے مجھے چھو لیا۔ میں شبھ کرم کیلئے جا رہا تھا۔ تیری عقل پہ پردہ پڑ گیا تھا۔

ہیرالال شرما کر قصوروار ملزم کی طرح جلدی جلدی ہاتھ جوڑ کر بولا سب مجھے نہیں معلوم تھا۔ کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوتا۔ تو ہرگز آپ کی نظر کے سامنے نہ پڑتا۔ ٹکر جی مہاشے! معاف کیجئے۔

نوارن نے اپنے جسم کی خاک جھاڑتے جھاڑتے کہا:۔ جا بیٹا جا! معاف کیا! ہیرالال کی جان میں جان آئی۔ باپ رے! برہم کوپ کیا معمولی ہے؟

گول مال سُنکر گوبردھن بھی باہر آگیا۔ سب کچھ دیکھ سُنکر بولا۔ بابا۔ ذرا بیٹھ جاؤ! نوارن وہاں ہی بیٹھ کر دُر گا۔ دُر گا۔ شری ہری۔ شری ہری کہتے ہوئے اٹھ گئے

بپن بھٹاچاریہ مہاشے کے گھر سے واپس آرہا تھا۔ رستہ میں اُس نے ہیرالال کو بھاگتے دیکھا۔ ہنسکر بولا۔ کیوں ہیرا کاکا! اچھے ہو؟ تمہارا منہ کیوں خشک ہو رہا ہے

ہیرالال نے جلدی جلدی پرنام کرکے تمام باتیں کہیں۔ بپن نے آنکھیں سرخ کرکے کہا:۔ نوارن نے تمہیں مارا اور تم یونہی چپ چاپ چلے آئے۔ تم نے بھی ایک زور کا ہاتھ صاف کیا ہوتا۔

ہیرالال نے دانتوں تلے زبان داب کر کہا۔ بابا! ایسی بات نہ کہو۔ مجھ سے قصور ہوا۔ وہ تو برہمن ہیں۔ میں رذیل قوم۔ اگلے جنم میں نہ معلوم کتنے پاپ کئے تھے کہ اس جنم میں لوگوں کے میلے کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔

بپن نے کہا۔ یہی تو تمہاری غلطی ہے۔ ذات میں یہ تفرقہ اندازی کیسی! چھوٹا بڑا کیسا! تم لوگ اگر اسی طرح سب کچھ برداشت کرتے رہو گے۔ تو ذلیل ترین ہو جاؤ گے ذرا ایک بار سر اٹھاؤ۔ پھر دیکھو۔ کہ تم نوارن سے کہیں بہتر ہو۔ برہمن تو بھٹاچاریہ مہاشے ہیں۔ اُن کے چرنوں میں ہمیشہ جُھکے رہنا چاہئے۔ یہ سب کیا برہمن ہیں۔ یہ تو چنڈال سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں..... چلو! لوٹ چلو۔ میں کھڑا رہوں گا۔ اور تم نوارن کے بال پکڑ کر زور سے ایک بھرپور ہاتھ لگانا۔ تم نے اس پر احسان کیا اور اُس کا معاوضہ یہ ملا۔ رام رام!

نہ بابا! میں برہمن کے ساتھ قضیہ نہ کرسکوں گا۔ یہ کہکر ہیرا وہاں سے بھاگ گیا بپن غصہ میں بھرا ہوا جب نوارن کے گھر گیا۔ اُس وقت اپنے پنبہ کے پھل سے نوارن ہری بہاری بابو کی نشستگاہ میں جا پہونچے تھے۔

نوارن کو دیکھتے ہی ہری بہاری بابو نے تعظیم سے حقہ کی سٹک فرش پر پھینک کر کہا۔ آؤ چاچا جی۔ آؤ۔ میں تمہیں بلانے کے لئے سوچ ہی رہا تھا۔ تمہاری عمر بہت ہے۔

نوارن نے مایوسانہ انداز سے کہا:- نہیں بھائی! اس کلی کال سنسار میں جیسے کبھی سکھ نہیں۔ جہاں لوگ ذات نہیں مانتے۔ دھرم نہیں مانتے۔ وہاں کیا رہنا اچھا ہے

ہری بہاری نے ہنسکر کہا:- مرنے پر بھی تو چھٹکارا نہیں۔ جم کا دربار ہے۔ جم دُوت ہیں۔ نرک ہے۔ اس سے اچھی جگہ جانا تو ہماری تمہاری قسمت میں نہیں ماس کے علاوہ دوسرے جنم میں کبھی تو اسی دنیا میں آنا پڑے گا۔ پھر برہمن کے گھر پیدا ہوں گے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ بلکہ اس میں بھی شک ہے کہ انسان ہونگے یا کیا؟ اس سے تو جتنے دن زندہ رہیں وہی اچھا ہے۔ اس سے سوائے فائدہ کے نقصان ہی کیا ہے؟ یہاں کے جھگڑے بکھیڑے کے تو ہم لوگ عادی ہو گئے ہیں نئے جنم کے نئے نئے جھگڑے کیا حاصل؟

نوارن نے دانت نکال کر کہا:- سچ کہتے ہو خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ آخر تمہاری راج بُدھی ہے تاہم دھرم کی کمی دیکھ کر دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے ابھی کل کی بات ہے کہ بین میرے گھر گیا تھا۔ اُس نے کہا میں مرغی کھاتا ہوں گوشت کھاتا ہوں۔ مسلمانوں کا جُوٹھا کھاتا ہوں۔ رام رام! یہ سب سُنکر بخار نہیں آجاتا۔ تو کیا؟ تمہیں بتاؤ۔

ہری بہاری نے اس سوال کا جواب دیکر پوچھا: کیوں؟ کیوں؟ بپن آج یکایک تمہارے گھر گیا!

نوارن نے چٹکی بجاتے بجاتے کہا:- بھائی! بہت سی باتیں ہیں۔ یہی کہنے کے لئے تو آیا تھا۔ بھائی اُس نے مجھ سے جا کر کہا:- کہ میں تو بابو جی سے کہہ نہیں سکتا۔ آپ ہی اُن سے کہدیجئے۔ کہ میں اس شادی سے متفق نہیں۔ میں مالتی سے شادی کروں گا۔ یہی میں نے طے کیا ہے۔ میں نے کہا۔ اے پاگل بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے۔ ہری بہاری بابو نے قول دیدیا۔ اب عین وقت پر یہ پاگل پن کرنا اچھا نہیں۔ اِس پر اُس نے غصّہ سے کہا:-

آپ بابو جی سے ایک بار کہئے تو سہی۔ اگر وہ نہ سنینگے تو میں دیکھ لوں گا۔ یہ بھی کہا
جس شادی میں برج کشور ہمرتی رتن پروہت نہ ہوں گے۔ نوکشور براتی نہ ہو گا
میں ایسی شادی ہرگز ہرگز نہ ہونے دوں گا۔ میں ہرنش بابو کو گمنام خط لکھ دوں گا۔ کہ
میں گوشت کھاتا ہوں مسلمانوں کا جوٹھا کھاتا ہوں۔ مجبوراً مجھے اُس وقت
اُس سے یہ کہنا پڑا۔ کہ میں تم سے سب کچھ کہوں گا۔ پھر وہ کسی قدر ٹھنڈا ہو کر
بھٹاچاریہ بولے گھر چلا گیا۔ اب میں تمہیں خبردار کئے دیتا ہوں۔ تم جانو تمہارا
کام جانے۔ اس میں ضرور ہی بھٹاچاریہ کی مدد ہے اس کے علاوہ یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ مالتی پر بہن شیفتہ ہے۔ دیکھو! کہیں آخر میں اُسی کے ساتھ
نہ شادی کر بیٹھے۔

ہری بہاری نے متفکر ہو کر لاپرواہی سے کہا۔ بیٹے تو تمہیں اس لئے بلا نا
چاہتا تھا کہ تم سے کہوں گا۔ جس طرح ہو سکے۔ بھٹاچاریہ جی کو ذات میں ملا لو
مگر یہ جو ایک کھٹکا تم نے پیدا کر دیا ہے۔ اس سے طبیعت پریشان ہو گئی ہے
بس سب اسی کشور کی کرامات ہے۔ بولو! اب تم کیا کہتے ہو؟
مگر اس وقت انہیں برادری میں ملانا کسی طرح مناسب نہیں۔
پھر پروہت کا کیا ہو گا؟
اس کے لئے کیا فکر ہے بھاٹ پاڑا میں ہزاروں پروہت موجود ہیں۔
ہاں! ہاں!! یہ تو ٹھیک کہا۔ تم ہی دیوان جی سے اس بارہ میں مشورہ
کر کے انتظام کر لو۔

خیر! یہ تو میں کر ہی لوں گا۔ اس کے لئے تم فکر نہ کرو۔ میرا فرض ہے۔
ہری بہاری یہ دیکھ کر خوش ہوئے۔ کہ اُنہیں کسی قسم کی کوئی فکر نہ کرنی
پڑے گی مگر ذرا دیر بعد ہی بولے۔ بہن کی نسبت کیا کیا جائے؟
کوارن نے کہا۔ بہن کو بلا کر تم خوب دھمکا دو۔ چھوٹی رانی اور مالتی کو

وفاکی

یہاں سے کہیں اور بھیجدو۔ یہ سب چھوٹی رانی کی کارسازی ہے مگر خبردار! یہ بات کسی کے کانوں تک نہ پہونچنے پائے کہ میں نے تمہیں سکھایا پڑھایا ہے۔ اگر کسی طرح یہ معلوم ہو گیا۔ تو یقیناً میری جان کی خیر نہیں۔ اور ایک کام کرو مجھے وشنوپور بھیجدو۔ میں وہاں بیٹھے بیٹھے سب ٹھیک کر دوں گا۔

ہری بہاری نے خوش ہو کر کہا۔ تمہاری یہ صلاح نہایت مفید اور ٹھیک ہے۔ تم دیوان جی سے سو روپے لیکر کل ہی چلے جاؤ۔ میں دیوان جی کو خط لکھے دیتا ہوں۔

ہری بہاری نے ایک رقعہ لکھ دیا۔ ہری ہری! جو مرضی تمہاری! پیکر اور ایک گہرا سانس لیکر نوازن ایک ہی ڈھیلے میں کتنے ہی پرندے مار کر خوش خوش روانہ ہوئے۔

نوازن کے چلے جانے پر ہری بہاری بابو نے کہا:۔ رام دھن! جا ذرا بپن کو تو بلا لا!

رام دھن بپن کو بلا لایا۔

بپن کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ بابو جی! آپ نے بلایا ہے؟

ہاں! یہ سب کیا طفلانہ حرکت ہو رہی ہے۔ شادی نہ کرے گا۔ ہڈی پڈی توڑ دوں گا۔ یہ سب کیا؟

بپن خاموش! ہری بہاری کہنے لگے۔ جو شادی تجویز کی گئی ہے وہ تو کرنی ہی پڑے گی۔ اس کے بعد تجھے اختیار ہے کون منع کرنے والا بیٹھا ہے۔

بپن نے کہا۔ یہ شادی میں کسی طرح نہیں کر سکوں گا۔

ہری بہاری بابو غصہ میں آکر بولے۔ سُنا ہے تو چھوٹی بہو کی بہن کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہے۔ سمجھ گیا یہ تمام چھوٹی بہو کی کارسازی ہے۔ بہت اچھا۔ میں ابھی انہیں اس گھر سے ...

بپن نے کہا۔ آپ نے چاچی جی کا سب کچھ چھین لیا۔ اب اُن کی عاقبت بھی بگاڑنے پر آمادہ نظر آرہے ہیں۔ میں آپ کو ایسی بے انصافی ہرگز نہ کرنے دوں گا۔ اگر آپ نے انہیں گھر سے باہر نکالا۔ تو میں بھی اس گھر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہکر انہیں کے ساتھ جاؤں گا۔

ہری بہاری بابو بالکل پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے بول اُٹھے۔ کیا! میرے سامنے!! جا تو میرے گھر سے نکل جا۔ مجھے ڈر کس بات کا دکھاتا ہے آج ہی نکل جا!! ابھاگی بپن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے بھرائی ہوئی آواز سے بولا۔ بہت اچھّا۔ یہی ہو گا۔

(۱۱)

بپن باپ کے پاس سے آکر لائبریری گیا۔ وہاں جا کر اُس نے دیکھا۔ وہاں پنچا سو رہا ہے۔ بپن نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ پنچا دادا۔ پنچا نے چونک کر کہا۔ کیوں بھائی؟

بپن نے کہا۔ میں کلکتہ جاؤں گا۔ میرا تمام سامان ٹھیک کر دے۔

پنچا بپن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی دنگ رہ گیا۔ وہ بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے باہر چلا گیا۔ بپن آرام کرسی پر لیٹ کر زمین آسمان کے قلابے ملانے لگا۔ وہ کہاں جائے گا؟ کیا کریگا؟ کہاں وہ کسی قدر تسلّی پائے گا۔ اسی فکر میں وہ جس قدر غرق ہونے لگا۔ اُسی قدر اُسے معلوم ہونے لگا۔ کہ یہ بحر بے پایاں ہے۔ کنارہ نہیں دکھائی نہیں۔ اُس کا باپ چاچی جی اور مالتی کو گھر سے نکالنا چاہتا ہے۔ صرف اسی کی خاطر بپن سوچتا تھا۔ اگر وہ چلا جائے گا تو ان کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اِسلئے اُسے جانا ہی ہو گا۔

پنچا نے جلدی جلدی جا کر مالکہ سے کہا۔ چھوٹے بابو کو کیا ہوا ہے؟ اُن کا منہ بالکل خشک ہو رہا ہے۔ مجھ سے کہا۔ پنچا دادا! میں کلکتہ جاؤں گا میرا سامان اکٹھا کر دو مالکہ نے متفکر ہو کر کہا۔ کیا ہوا؟ تجھے کچھ بھی خبر نہیں؟

نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئے رام دھن آیا تھا۔ اور وہ مہاراج کے پاس چھوٹے بابو کو بلانے گیا تھا۔ وہاں سے واپس آکر ہی اُنہوں نے مجھ سے یہ کہا ہے۔

ذرا رام دھن کو تو بُلا۔ سُنوں تو سہی کہ کیا ہوا ہے؟

پنچا رام دھن کو بُلا لایا۔ رام دھن نے آکر تمام باتیں سنائیں۔ اُس وقت مالکہ نے کہا۔ بس اب مجھ سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ میری ہی ہڈیوں پر چوٹیں چل رہی ہیں۔ بہو کا کیا ذکر؟ جب بیٹا خود ہی اپنی راہ لے رہا ہے۔ نہ معلوم اس کمبخت مالتی نے کِس بُرے وقت میں قدم رکھا۔ کہ کوئی کام ٹھیک ہوتا ہی نہیں۔ ہر جگہ طرف خرابی ہی خرابی نظر آتی ہے۔ بُری سبز قدم نکلی۔

مالکہ نے لائبریری میں داخل ہو کر پکارا۔ بیٹا ہین!

ہین ماں کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھا اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مالکہ نے اُسے اپنی گود میں کھینچکر بٹھایا۔ ہین ماں کی گود میں مُنہ چھپا کر دُکھ درد سے بچوں کی طرح پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ مالکہ کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی دھار ہین کے سر پر سے ہوتی ہوئی آشیرباد وتسلّی کی شکل میں رواں ہونے لگی۔ کچھ دیر تک رونے کے بعد مالکہ نے کہا۔ بیٹا ہین! تو کیا یہ بچوں کے سے کھیل کر رہا ہے۔ خود بھی تکلیف پا رہا ہے اور دوسروں کو بھی دے رہا ہے تو تُو پہلے کبھی ایسا نہ تھا۔

ہین نے کہا۔ ماں! اب مَیں تمہیں زیادہ دُکھ نہیں دوں گا۔ میں اب زندگی بھر کے لئے جاتا ہُوں۔

رام رام! ایسی بات زبان سے نہ نکال۔ تو خاندان کا چراغ ہے۔ کہاں جائے گا؟ تجھ کو پا کر اس خاندان کا نام روشن ہُوا تھا۔ اور آج تو اس طرح چھوڑ کر جانے کو کہتا ہے

ماں! کیا کروں۔ تمہیں چھوڑ کر بہت دنوں تک کہیں نہیں رہ سکتا۔ پھر بھی رہنا پڑے گا۔ قسمت مجھے زبردستی یہاں سے کھینچے لیجا رہی ہے۔ دل ٹوٹ جائے گا۔ پھر

بھی مجھے رہنا ہو گا۔

جھی! ایسی بات نہ کہو۔ مجھے چھوڑ کر تو کہاں جائے گا؟

ماں! جانا ہی ہو گا۔ بار بار حکم ملا ہے۔ اب رہنے سے بھی تو کوئی فائدہ نہیں۔ میں قدم قدم پر تمہارے لئے مصیبت کا باعث ہو رہا ہوں۔ اس مرتبہ میں جب سے گھر آیا ہوں۔ اُسوقت سے تمہیں دُکھ ہی دُکھ دے رہا ہوں۔ جب آپس میں ایک دوسرے کے خیالات سے مطابقت اور ہم آہنگی نہیں تو میرا دور رہنا ہی اچھا ہے۔

دُور ہوں۔ تیرے دشمن۔ تم عرصہ دراز تک زندہ رہ کر مجھے دُکھ دیتا رہ۔ مجھے اسی میں سُکھ ملے گا۔

یہ محبت کے رس میں شرابور کلمات سُنکر بین کے دل میں ماں کے متعلق کتنے ہی خیالات آئے۔ مگر اُسی وقت اسے خیال آیا۔ گھر میں مالتی ہے۔ اُس وقت تک وہ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔ نہیں ماں! اب اس مکان میں میں نہیں رہ سکوں گا۔ مجھے کہیں اور جانا ہو گا۔

مالکہ لڑکے کے استقلال کو دیکھ کر خائفانہ انداز سے بولیں۔ بین! تیرا مُنہ دیکھ کر ہی میں لڑکے کا غم بھُولی تھی۔ میرے رونے پر تو خود روتا ہے۔ اس لئے میں دل کھول کر کبھی نہیں روئی۔ اگر تو مجھے رُلا کر جانا چاہتا ہے۔ تو جا۔ تو جہاں رہے گا میرے آشیرباد سے تیرا منگل ہو گا...... اگر تیری طبیعت خراب ہے۔ تو نہ ہو۔ تھوڑے دن کے لئے کہیں اور چلا جا۔ مگر اس پوس کے مہینے میں کوئی کہیں گھر سے باہر جاتا ہے لوگ کُتے بلّے کو بھی گھر سے باہر نہیں نکالتے۔ جھاڑو بھی نہیں پھینکتے اور تُو گھر کا لڑکا ہو کر گھر چھوڑ جائے گا؟

ماں! جو خود ہی سبز قدم ہے اُسے پوتھی پترہ دیکھ کر جانے کی کیا ضرورت ہے میں اب نہیں رہ سکتا۔

جو جی میں آئے کر۔ اگر تو میرے پیٹ کا لڑکا ہوتا تو کبھی اس طرح دُکھ نہ دیتا

یہ کہکر مالکہ درد مند دل سے آنسو پونچھنے لگیں۔ بپن اکیلا بیٹھا بیٹھا آنسو بہانے لگا۔

اتنے میں جنگل کے آگ کی طرح یہ خبر گھر بھر میں پھیل گئی۔ کہ بپن کالکتہ جا رہا ہے گھر کی عورتیں لاعلم خوف سے اپنا اپنا کام جہاں کا تہاں چھوڑ کر آپس میں بات چیت کر رہی تھیں۔ مالکہ نے جب آنسو پونچھتے پونچھتے بیوقت کمرے میں جا کر بستر کا سہارا لیا۔ اُس وقت چاچی جی۔ رو ہنی اور مالتی بپن کے پاس چلیں۔

چاچی جی نے آکر دیکھا۔ بپن چپ چاپ سنجیدگی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اُنہوں نے کہا۔ بیٹا بپن! ہم لوگوں کو چھوڑ کر تم کہاں جاؤ گے؟

بپن نے مایوس ہنسی ہنسکر کہا۔ چاچی جی! اب میرا یہاں رہنا مناسب نہیں

یہ کیا بیٹا! تمہارا مکان۔ تمہارا گھر۔ سب کچھ تمہارا ہی ہے یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تمہارے جانے پر ہم سب کس کے بھروسہ پر رہیں گی۔ مجھ جیسی بدنصیب کی بات کیا تم نے ایک بار بھی نہیں سوچی!

سوچا ہے۔ چاچی جی! میرے آنے کی وجہ سے ہی یہ تمام فساد اُٹھے ہیں۔ میرے جاتے ہی سب جھگڑے فرد ہو جائیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو میرے پاس چلی آنا تمہارے لئے ہر وقت میرا دروازہ کھلا ہے۔

مگر بیٹا! تم کس بات کا بُرا کیوں مانتے ہو۔ وہ بھی تو تمہاری ماں ہیں۔

چاچی جی! میں اپنی ماں کے مزاج سے بخوبی واقف ہوں۔ پھر بھی جانا ہوگا۔

رہنا کیا اس قدر مشکل کام ہے۔

ہاں چاچی جی! بابا جی نے کہا ہے کہ وشنو پور میں شادی کرنی ہوگی۔ ورنہ اس گھر سے نکل جانا ہوگا۔

وشنو پور میں شادی کرنا کیا اس قدر سخت ہے؟

ہاں چاچی جی! جس کام میں دل خود بخود نہ دوڑے اس کام کا کرنا اچھا نہیں ہے صرف ماں باپ کی ضد کی وجہ سے ایک بالکل نابالغ لڑکی کا ستیاناس نہیں کر سکتا

مجھے کیا حق ہے؟

جیٹھ جی سے تم سمجھا کر کہو۔ کہ وہ تمہارے حسب پسند لڑکی تلاش کریں۔

بپن نے ہنسکر کہا۔ چاچی جی! یہ ہونا مشکل ہے۔ میری جیسی پسند ہے اُس کے مطابق میں نے ایک لڑکی بھی دیکھ لی ہے جسے میں پسند کروں گا۔ اُسے وہ بھی پسند کریں گے۔ یہ تو کسی طرح ممکن نہیں نظر آتا۔ اسی وجہ سے میں نے ان سب باتوں کا خیال چھوڑ دیا ہے۔

چاچی جی نے کہا:- لڑکی کیلئے پسند یا ناپسند کا جھگڑا کیا؟

بپن نے ہنس کر کہا؛ اسی لئے تو برابر میرے ساتھ مخالفت ہوتی چلی آئی ہے تم لوگ عورتوں کو انسان نہیں سمجھتیں۔ مگر اُن میں بھی بُرے بھلے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ بھی آنکھیں رکھتی ہیں۔ پسند ناپسند ہے۔ اُن میں بھی جان ہے۔

کیا جانوں بیٹا؛ تمہاری طرح تو ہم سب پنڈت نہیں۔ جو مناسب سمجھو۔ کرو تمہارے جیسے لڑکے کو کوئی لڑکی پسند نہ آئے گی۔ کیا کوئی ایسی لڑکی بھی بنگال میں ہے۔ جس نے بہت بڑی تپسیا کی ہے۔ وہی تمہارے گلے میں جے مال ڈالے ہے۔ یہ کہکر چاچی ایک گہرا سانس لیتی ہوئیں وہاں سے چل دیں!

پاس کے کمرے میں بیٹھی ہوئی مالتی سب سُن رہی تھی۔

عین اسی وقت روہنی نے آکر دانت نکالتے ہوئے دبی آواز سے کہا؛ دیدی جی! سُنا ہے۔ بپن دادا کلکتہ جا رہے ہیں!!

مالتی نے تیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کرخت لہجہ میں کہا۔ ہاں! سُنا ہے۔ جاتے ہیں۔ تو مجھے کیا؟

روہنی نے گالوں پر ہاتھ رکھ کر منمناتے ہوئے کہا۔ اوماں! ہمارے بپن دادا کتنے خوب صورت ہیں۔ جو خاندان کا چراغ ہے۔ وہی گھر سے چلا جا رہا ہے۔ اس سے تمہیں تکلیف نہ ہوگی؟

مالتی نے استقلال آمیز انداز سے کہا۔ نہیں۔ تمہارے دادا میرے کون ہیں؟ میں نے انہیں بہت دنوں سے نہ تو دیکھا ہے اور نہ اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ جو مجھے تکلیف ہوگی۔ ایک شخص گھر والوں سے ناراض ہو کر باہر جا رہا ہے۔ اس بات کا ضرور افسوس ہے اور برا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

روہنی بالکل نا امید ہو کر پڑ رہی۔ وہ بہت امید کر کے آئی تھی۔ کہ مالتی کو زار زار رلاؤں گی۔ وہ خود ہی پریشان ہوگی۔ اور لوکری کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہوگی۔ مگر اس قسم کے تو کوئی آثار نظر نہ آئے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر روہنی کی اب تک کی تمام پرورش کردہ تمناؤں کی لوکری جیسے الٹ پلٹ گئیں۔ وہ بالکل مایوس ہو کر بیدلی سے چلی گئی۔

پاس کے کمرے میں سے جوں جوں اسباب وغیرہ باندھنے کی آواز آتی تھی۔ توں توں مالتی کا دل اندر ہی اندر جیسے رہ رہ کر کوئی مسوس دیتا تھا۔ آج وہ پھر اپنے آپ کو بیکس۔ بے بس اور لاچار سمجھنے لگی۔ آنسوؤں پر بھی کسی طرح اس کا بس نہ چلتا تھا۔ کہ وہ انہیں روکے۔ رفتہ رفتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کی طرح گرانبار ہو اٹھی۔ پانی کے بہاؤ میں جیسے بند باندھنے سے اور بھی زیادہ تیز جوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے دل میں درد و تکلیف کی ترنگیں زور شور سے اچھل پڑنے لگیں۔ باتیں کرتے ہوئے اس کی آواز کانپتی تھی۔ اور گلا رُندھ رُندھ جاتا تھا۔ شام کے وقت جب پتی کے سفر کی قریباً تمام تیاریاں ہو گئیں۔ اس وقت وہ اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکی۔ بالآخر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ جوں جوں آنسو پونچھ کر اپنے آپ پر ضبط کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ توں توں اس کا دل اور بھی بھر آتا تھا۔ اور جیسے کوئی اسے بلو رہا تھا۔

شام کے وقت روہنی کمرے میں چراغ رکھنے آئی۔ مالتی جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھ کر سنبھل بیٹھی۔ روہنی نے دیکھا۔ مالتی کا چہرہ شام کے کمل کی طرح پژمردہ گیا ہے

ہوئے ہے۔ اُس پر چراغ کی روشنی کی سنہری جھلک جیسے آفتاب کی شعاعوں کی طرح تھرک رہی ہے۔ روہنی از خود رفتہ نگاہوں سے یہی دیکھنے لگی۔ وہ چراغ رکھنا بھی بھول گئی۔ تھوڑی دیر تک دیکھتے دیکھتے اُس کا دل ہمدردی و دلسوزی سے بھرپور ہو اُٹھا۔ طمانیت آمیز لہجہ میں بولی۔ ویدی جی! تم فکر نہ کرو۔ شاید بپن دادا کا جانا نہیں ہوگا۔ رانی ماں راجہ بابو سے کہنے گئی ہیں۔

مالتی اور اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکی۔ اُس کا دل بھر آیا۔ رونے لگی۔ روہنی کے سامنے اُس کی یہ کمزوری ظاہر ہو کر وہ جُوں جُوں شرم محسوس کرنے لگی۔ توُں توُں اُس کے لیئے ضبط کرنا محال ہو گیا۔ اُس نے روتے روتے کہا۔ کمبخت! تو میرے سامنے سے دُور ہو۔ مجھے اس طرح جلانے تڑپانے سے تجھے کیا حاصل؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ میں تیرے دادا ویدی کی باتیں نہیں سُننا چاہتی۔ میری بے عزتی نہ کر۔ تیرے پاؤں پڑتی ہوں۔ تو یہاں سے جا۔

روہنی متحیر ہو کر تھوڑی دیر تک دیکھتے دیکھتے چراغ رکھ چلی گئی۔ وہ قطعی نہ سمجھ سکی۔ کہ مالتی کے اس سلوک کا کیا مطلب ہے؟ مالتی کی یہ حالت دیکھ کر اس پر تمسخر اُڑانا ٹھیک نہیں [illegible] سکتی ہے۔ رو سکتی ہے۔ ایسی پُر اسرار اور داؤں پیچ والی عورت تو اُس نے باپ نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ اُس نے بغیر کسی حیل و حجت کے قبول کر لیا۔

مالتی نے جب یہ سُنا کہ بپن کے سفر میں بہت سی باتیں سدِّ راہ ہیں۔ اور سب اپنی اپنی انتہائی کوشش سے کام لے رہے ہیں۔ اُس وقت اُس کے دل میں مسرت کی لہریں اُمنڈ نے لگیں۔ جب وہ اُس دلی خطّہ اور روحانی سُرور کو نہ روک سکی۔ تو وہ گلے میں آنچل ڈال کر ہاتھ جوڑ کر نیم باز آنکھوں سے اوپر دیکھتی ہوئی بار بار التجا کرنے لگی۔ ہے بھگوان! جیسے وہ یہاں نہ رہیں۔ اُن کے دل میں بل دو۔ کہ وہ تمام رکاوٹوں اور بندشوں پر غالب آسکیں۔ ہے پربھو! میرے پاس سے اُنہیں کہیں دور لیجاؤ۔

عین اسی وقت ہری بہاری بابو کے کھڑاؤں کی آواز کے ساتھ ساتھ مالکہ کے پازیب کی جھنکار سنائی دی۔

مالکہ بیٹے سے ہار کر شوہر کے پاس جا کر رونے لگیں۔ انہوں نے شوہر سے کہا۔ میرے بپن کو تم ہیں گھر سے نکلے دے رہے ہو۔ میں اس سنسان محل میں کیونکر رہ سکونگی؟ مجھے بھی بھیج دو۔

ہری بہاری نے کہا۔ اس قدر پریشانی اور سراسیمگی کی کیا ضرورت ہے؟ بپن کہاں جائے گا؟ کہیں بھی نہ جائے گا۔ تم بے فکر رہو!

ہری بہاری کسی قدر متفکر ہو کر بولے۔ چلو! میں ایک بات ہی سے اُسے ایسا لاجواب کر دوں گا۔ کہ وہ جانے کا نام بھی نہیں لے گا۔

مالکہ خوش اور مطمئن ہو کر شوہر کے ساتھ دروازے تک آئیں۔ اُس کا دل اُمید اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ شوہر اور بیٹے کے درمیان کیا باتیں ہونگی؟ مالکہ دل ہی دل میں اسی بات کی فکر کرنے لگیں۔

ہری بہاری نے کہا۔ بپن! تم میرے اوپر ناراض ہو کر جا رہے ہو۔ مگر میری تمام چیزوں سے بہت محبت اور کشش ہے۔ میں یہ کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ تم میری کوئی چیز بھی نہیں لے جا سکتے۔ یہ میں تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں

بپن نے متحیر آمیز انداز سے باپ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: بہت اچھا یہی ہوگا۔ میں یونہی جاؤں گا۔

ہری بہاری نے سوچا تھا۔ کہ اُن کی یہ زمیندارانہ چال کام کر جائے گی۔ بپن گھر سے باہر قدم رکھنے کا نام بھی نہ لے گا۔ مگر بپن کا یہ استقلال و استحکام دیکھ کر اُن کا یہ ہوائی قلعہ مسمار ہو گیا۔ اس قدر باتیں ہو جانے کے بعد اب لڑکے کو گھر رہنے کی درخواست کرنا بھی مناسب نہیں۔ بس بیٹے کی نگاہوں میں شکست فاش کھا کر اور مالکہ کی نگاہوں میں ذلیل و بے عزت ہونے کے خوف سے ہری بہاری

وہاں سے بغیر کچھ کہنے سننے چلے گئے۔ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

مالکہ فوراً آ کر۔ بپن کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگیں۔ بپن بھی آنسو بہانے لگا بہت دیر تک آنسو بہاتے بہاتے مالکہ نے کہا۔ اُن کی تو عقل ماری گئی ہے۔ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ اس کا ٹھیک نہیں جلدی جلدی آئے تھے۔ میں نے سوچا تھا تسکین و تشفی دینے آ رہے ہیں...... اب اُن کی عقل کو کیا کہوں پتھر پڑیں اس عقل پر۔ تجھے میرے سر کی قسم ناراض نہ ہو وہ تو تیرے باپ ہیں۔ اگر غصّہ میں کچھ کہہ دیا ہے تو بُرا ماننے کی ضرورت نہیں۔ وہ نہیں۔ تو میں تجھ سے معافی مانگتی ہوں۔

بپن نے آنسو پونچھ کر کہا۔ ماں! تم یہ کیا کہتی ہو؟ مجھے کانٹوں میں گھسیٹو اس میں سراسر میرا نقصان ہے۔ بابو جی نے جو کچھ کہا ہے بجا کہا ہے۔ مگر ماں! اس گھر کی کوئی چیز اب میں اپنے استعمال میں نہ لا سکوں گا۔ محبت کی چیز ناقابل کو بھی قابل بنا دیتی ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ اُس وقت وہ قطعی ناقابل و حقیر ہوتا ہے مگر ماں کا دودھ پی کر اس کی خدمتوں سے محبت سے بڑا ہوتا ہے۔ اگر کوئی پیار بھی کرے اور مغرور بھی ہو تو وہ انسانیت میں بٹہ لگا دیتا ہے

تو کیا باپ کی موروثی جائداد چھوڑ دیگا؟

ہاں! اگر وہ موروثی ہے تو ہونے دو۔ میں اس سے لاپرواہ ہوں۔ جہاں محبت کا تعلق ٹوٹتے ہوئے لین دین کا جمع خرچ ہوتا ہے۔ وہاں دُھن* دِش* ہو جاتا ہے۔ جائداد پر میرا کوئی استحقاق نہیں۔ میں اپنا حصّہ بہن کے نام لکھ پڑھ کر نجات حاصل کر لوں گا۔

بھی! بیٹا! تو یہ کیسی پاگل پن کی باتیں کر رہا ہے۔ جا کچھ دن کشمیر میں گھوم پھر آ۔ سیر سے میں یا در کوئی ملاقات ہو جائے کام نہ ہوگی۔ تو کیا تو کل ہی جائے گا؟ تجھے

* دھن یعنی دولت سے دِش یعنی زہر۔ مطلب یہ ہے کہ دولت زہر ہو جاتی ہے
مصنف کی لفظی رعایت نے لطف دوبالا کر دیا ہے۔

کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ بتا۔ سب مُہیا کر دوں۔

ہاں! کل ہی جاؤں گا۔ مگر کسی سامان کی ضرورت نہیں۔ بس! یہی جو ایک کپڑا جسم پر ہے۔ کافی ہے۔ اس گھر کی کسی چیز کو ہاتھ لگانا میرے لئے پاپ ہے۔

پھر تو وہی پاگل پن کی بات کرتا ہے۔ اچھا تو اپنے باپ کی چیز نہ لے۔ میری چیز تو لے سکے گا۔ یہ تمام چیزیں میں تجھے اپنے استری دھن سے دیتی ہوں۔ یہ سمجھو نیز اس کے علاوہ تیرے خاص نام کی بھی تو جائداد ہے۔

ہاں! وہ تو میں نے لوکشور کی پاٹھ شالا کے لئے دان کر دی ہے۔

کیسی تباہی! انہوں نے اس قدر جائداد اور زمین کیا پاٹھ شالا کے لئے دی تھی؟ تیرے جوتی میں تجھے کو نحوست کے تمام آثار نظر آ رہے ہیں۔ میں کیا کروں۔

تو نے تو خود بخود اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری۔ لڑکے کی یہ ہمت و حوصلہ اور خود مختاری دیکھ کر مالکن متحیر رہ گئیں۔ غصہ میں بھری ہوئیں وہاں سے چل دیں۔

بچپا نے پوچھا:۔ کل ہی جانے کی تیاری ہے؟

بپن نے کہا:۔ ہاں پنچ دادا!

بچپا پھر پوٹلی وغیرہ باندھنے میں مصروف ہوا۔ بپن نے کہا۔ پنچ دادا۔ کوئی چیز باندھنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاؤں گا۔

بچپا نے کچھ باندھتے باندھتے کہا۔ تمہیں ضرورت نہیں۔ مگر مجھے تو پڑے گی۔

بپن نے کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ تجھے نہیں جانا ہو گا۔ میں تو تنہا جاؤں گا۔

مجھے جانا ہو گا یا نہیں یہ تو تم سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ تمہیں اتنا بڑا کس نے کیا۔ جس دن پنچ دادا کی موت ہو گی۔ اُسی دن تمہارا ساتھ چھوٹے گا۔ اس پر پنیر نہیں ملا

بپن محبت کا یہ دعوٰی دیکھ کر خاموش بیٹھا رہا۔

عین اسی وقت بینی دوڑتی ہوئی آکر بپن کی گود میں گر پڑی۔ اور رو رو کے دادا ان کہتی تھیں۔ تم کلکتہ بھاگنے والے ہو۔ ہاں ردتی ہیں نہیں تمہیں نہیں دونگی

یہ کہکر بنسی لنے بپن کا گلا پکڑ لیا۔ بپن بھی اُسے سینہ سے لگا کر رونے لگا۔ ماں رو رہی تھی یہ بھی لنے وہاں یہ دیکھا تھا۔ اور یہاں آکر دیکھا۔ کہ بھائی رو رہا ہے۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بپن آنسو پونچھتے ہوئے اُسے تسلی دینے بیٹھ گیا۔ لڑکی پھوٹ پھوٹ کر روتے روتے اس کے سینہ پر ہی سو گئی۔

پاس کے کمرے میں متفکر بیٹھی ہوئی مالتی نے جس وقت یہ سُنا کہ بپن کا جانا نہیں ہو گا۔ اس وقت تو دُکھ اور خوشی دونوں کی کشمکش پذیر چوٹ سے اس کا دل ٹوٹ کر چُور چُور ہو رہا تھا۔ اُس نے تمام رات روتے روتے آنکھیں اور منہ لال کر لیا۔ اس وقت اس کے دل میں بار بار یہی خیال آ رہا تھا۔ کہ بپن اُسی کے لئے دلیس تیاگی ہو رہا ہے تمام رات انہیں پریشان کن خیالات میں بیدار رہ کر مالتی علے الصبح کمرے کے باہر آکر کھڑی ہو گئی۔

اس وقت بھی دیوکنیا اوشا دیوی نے آسمانی صحن سے ہوتے ہوئے رات کے تمام ستاروں کی محفل برخاست کر کے اچھی طرح اپنا اقتدار نہیں جمایا تھا۔ تالاب کے کنارے دو رویہ پیپل اور اشوک کے درختوں کی شاخوں پر بلبل۔ بھنگ۔ شیاما۔ اپنی زمزمہ سنجیوں سے خوابیدہ دنیا کو بیدار کر رہی تھیں اور مادرِ قدرت ردائے نُہر زیب تن کئے ہوئے چپ چاپ محوِ خواب تھی۔ تالاب کا صاف شفاف پانی سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ محوِ رقص نہیں تھا۔ بلکہ وہ لمبا چوڑا تالاب بن دیوی کے مجلا آئینہ کی طرح رکھا ہوا تھا۔ ہر چہار جانب کا سبزہ زار دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دھان رنگ کے چوکھٹے میں ایک آئینہ جڑا ہوا ہے۔ مصفا نیلگوں آسمان اس وقت بھی نیند میں مدہوش نظر آتا تھا۔ ستاروں کی آب و تاب اور ٹمٹماہٹ اس کے حرکت پذیر دل کا نظارہ دکھا رہی تھی۔ مغربی حصہ کے آخیر میں کنول کے رنگ کی طرح بادبان کشتی نما چاند کے تلاطم خیز سمندر میں غوطے کھاتا معلوم ہوتا تھا۔ عین اُسی وقت ضعیف مگر رنگین مزاج دوبے جی تالاب کے کنارے باغیچہ میں پھول چُن رہے تھے

اور نہائیت ہی شیریں و دلکش سُروں میں گا رہے تھے۔

مالتی سینہ پر ہاتھ رکھ کر وہی گیت سُننے لگی۔ بپن پاس کے کمرے میں اپنے جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ مالتی آہستہ آہستہ قدم جاتی ہوئی بپن کے کمرے کی طرف جاتی تھی اور رُک جاتی تھی۔ بہت کوشش کرنے کے بعد وہ بپن کے کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ بپن اُسے تحیرانہ نگاہوں سے تکنے لگا۔

مالتی نے حجاب آلود لہجہ میں کہا۔ آپ کے جانے کی تیاری قطعی ہوگئی۔

بپن نے سنجیدگی سے کہا۔ ہاں۔

کب واپس آئیں گے؟

اس گھر میں اب میری واپسی کی اُمید نہیں۔ یہ میرا آخری سفر ہے۔

مالتی نے سر نیچا کر کے آہستہ سے کہا۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلونگی۔

بپن نے متحیر ہو کر کہا۔ مالتی! تم کہاں جاؤ گی؟

جہاں لے چلو گے!

بپن نے مالتی کی طرف دیکھتے دیکھتے قدم بڑھا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ تو کل تم نے مجھے اِس طرح دُکھ کیوں دیا تھا۔

مالتی نے آہستہ سے کہا۔ شائید آپ کو محض میری وجہ سے بابوجی کو چھوڑنا پڑے۔

بپن نے کہا۔ تو آج میں نے سب کچھ چھوڑ کر تمہیں پایا ہے۔ اتنے دنوں تک میں تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکا۔

مالتی جُھک کر بپن کو پرنام کرنے جا رہی تھی۔ بپن نے اُسے اپنے سینہ سے پھول کی طرح لپٹا کر اُس کے نازک رخساروں کو بار بار چُوما۔ اسوقت شرم و حیا نے مالتی کی دونوں آنکھیں بند کر دیں۔ جیسے چھوئی موئی تھی۔ کنول اسے لمس سے خمیدہ ہو گئی گویا صدف نے اپنے آپ میں موتی چھپا لیا۔ یا غروب آفتاب کی آخری کرنیں کمل کے سینہ میں پناہ گزین ہوئیں۔ شفق کی زرّیں کرنوں نے تمام مکان کو کاشانہ عشرت کی

طرح اپنے رنگ سے مزین کر دیا۔ مالتی کی ہنسی کی مانند وہ شفق پذیر سُرخی چمن کے اندر و باہر غرض ہر جگہ ہوائی ہوئی شادی کے رنگ میں شرابور کر کے چمن کی ناقابل بیان آرزوؤں و اُمنگوں میں سُنہری ملمع کر رہی تھی۔

قسمت نے تکلیف و درد کی زبردستی سے خو شادی بن کر اپنے آپ کو نثار کرنے کے لئے مالتی کی مدہوشی کا پردہ اُٹھا دیا تھا۔ گرانبہا رتن پا کر چمن کی مسرت نے اُسے از خود رفتہ بنا دیا تھا۔ یکایک اُس کے سُکھ کا مزہ اُڑ گیا۔ اُن لوگوں نے دیکھا۔ مالکہ و چاچی جی دونوں آکر دروازے کے پاس ششدر و متحیر کھڑی ہوئیں اُنہیں کی جانب سخت نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔

چمن نے مالتی کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں کو مخاطب کر کے پرنام کیا۔

مالکہ چلا کر بولیں۔ پھوپھی جی! ہُوا کیا اسی طرح انتقام لیا جاتا ہے؟

چاچی جی نے اُس بات کی طرف توجہ نہ دیکر چمن سے کرخت لہجہ میں کہا۔ چمن! تمہارے اوپر مجھے بڑا اعتقاد تھا۔ مگر تم دونوں باپ بیٹوں نے مل ملا کر میری دولت عزت سب خاک میں ملا دی!

چمن نے کہا۔ چاچی جی! تم یہ غلط نہ سمجھو۔ مالتی میری بیوی ہے۔ میں اُس کے ساتھ شادی کروں گا۔

چاچی جی نے مالکہ کی طرف رُخ کر کے کہا۔ سیٹھ جی سے کہکر مجھے کاشی بھجوا دو میں اب اس گھر میں نہ رہوں گی۔

مالکہ گرج کر بول اُٹھیں۔ اب تو تمام آرزوئیں پوری ہوئیں۔ اب کیوں رہو گی؟ دیکھتے دیکھتے گھر کی تمام عورتیں وہاں آگئیں۔ بھیڑ لگ گئی۔ ہری بہاری تیزی سے قدم رکھتے ہوئے وہاں پہونچکر بولے۔ پالکی آگئی ہے۔ تم لوگ سب ہٹ جاؤ۔ تم لوگوں نے یہ سوچا تھا۔ کہ اس ڈھنگ سے ہری بہاری کو نیچا دکھاؤ گی۔ مگر میں ایسا شخص نہیں۔ بس اب تم لوگ ہٹو۔

عین اسی وقت آقا کے گھریلو حالات سے ناواقف دوبے جی گوسائیں تلسی داس جی کی رامائن پڑھ رہے تھے۔

پرمودیت پُر نر ناری سب سبھیں سُو منگل چار
ایک پربھ نہیں ایک نرگھیں بھیر بھوپ دربار

ہری بہاری اُسی چال سے چلے گئے۔

ماں! اس گھر میں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی۔ اسلئے اب ہم لوگ جاتے ہیں۔ رخصت یہ کہکر پتن نے تالتی کو ساتھ لیکر بھرپال کو پرنام کیا۔ اس کے بعد چاچی جی نے بھی روتے روتے پرنام کرکے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ دیدی! میں جنم بھر کے لئے تمہارے چرنوں کو چھوڑ چلی۔ میرے لئے تمہیں طرح طرح کی تکالیف اُٹھانی پڑیں۔ خواہ کچھ ہی کسی طرح ہو۔ خوشی سے یا ناخوشی سے تمہارے حضور میں مجھ سے جو قصور ہوئے ہیں ان سب کو معاف فرما کر مجھے رخصت دو۔

مالک نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیکر کھنچی ہوئی کمان کی طرح گنگنا کر کہا میرا بھی جو ستیاناس کئے جا رہی ہو۔ اُس سے بھلا نہ ہوگا۔ لوک پرلوک دونوں غارت ہو جائیں گے۔ بھگوان سب دیکھتے ہیں!

چاچی جی نے کہا۔ ہاں دیدی! بھگوان تو سب دیکھتے ہیں۔ اگر میں نے کبھی تمہارا بُرا سوچا ہو۔ تو میرا یہ لوک اور پرلوک دونوں خراب جائیں۔ یہ بات میں تیرتھ جاترا کرتے ہوئے تیرتھ کی طرف مُنہ کئے ہوئے کہتی ہوں۔ بابا وشیشور مجھے اپنے چرنوں میں جگہ نہ دیں!

مالک نے کوئی بات نہیں کی۔ بیٹے کی جدائی کے لئے اُن کی آنکھوں میں ذرا بھی آنسو نہ آئے۔ دو چار لوٹے لئے چھوٹے بڑے بھلے کلمے بھی نہ نکلے۔ بیٹے کے بار بار سرکش اور قابل اعتراض چال چلن ماں کے دل میں ایک مخالفانہ خیال چکر لگا رہا تھا بیوہ سے شادی! اتنا بڑا ظلم اور اتیاچار کسی نے کبھی نہ تو دیکھا نہ سُنا۔ آج اپنی آنکھوں

سے صریحاً دیکھ کر گھر کے سب لوگ دنگ رہ گئے۔

عین اسی وقت بنی نے آکر مالتی کا ہاتھ پکڑ کر معصومانہ انداز سے کہا: مالتی ویدی! تیلا بیاہ ؟ مجھے دادا کے چھاتھ۔ تو چھچھلال وائی ہے ؟ میں بھی تیلے چھاتھ چھچھلال داؤں گی۔

یہ کہکر وہ مالتی کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ مالتی نے اُسے گود میں اٹھا کر آنسو بہاتے ہوئے مُنہ چوم لیا۔

ننھا ونود ٹپکتے جھپکتے آکر۔ مالتی ویدی! تم میری بھاوج ہو۔ میں بھاوج کا شہبالا ہوں! یہ کہکر وہ چلاتے چلاتے مالتی و بین کے ارد گرد گھومنے لگا۔

ہائے! بچے بے چارے کیا جانیں! کہ یہ شادی ہنسی خوشی سے نہیں ہوئی۔ بلکہ دکھ درد سے اس شادی میں خوشی کا سنکھ نہیں بجا۔ کسی نے بہو اور بر کا خیر مقدم نہیں کیا آشیرباد تک نہیں دی۔ مگر تاہم یہ شادی تھی!

پالکی کے پاس آکر مالتی نے بنی کو گود سے اُتارا۔ اور بیٹھ گئی۔ بنی بھی دوڑ کر پالکی میں چڑھنا چاہتی تھی۔ مگر روہنی نے پکڑ کر اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ ونود کو ننّو کی ماں نے پکڑ لیا۔ بنی ونود داسیوں کی گود میں قید ہو کر آزادی کے لئے تڑپ رہے تھے۔ شور مچانے لگے۔ میں جاؤں گا۔ بنی کہتی تھی۔ میں کسی طرح یہاں نہ رہونگی دادا کی شادی دیکھنے جاؤں گی۔

پالکی پر مالتی و چاچی جی سوار ہوئیں۔ بین ہاتھی پر چڑھے گا۔ اتنے میں نولکشور نے آکر کہا:۔ بین! بھائی اچھے موقعہ پر آگیا۔

اُن لوگوں نے سفر کیا۔ دوپہر کے وقت پوس کے مہینے میں بیچارگی کی حالت میں ان لوگوں نے گھر سے منہ موڑا۔ مگر اُن کی طرف کسی نے آنکھ بھر کر بھی دیکھنا گوارا نہ کیا۔ سب ڈرتے تھے کہ پاپی کا کام آنکھ سے دیکھنا پاپ ہے۔ وہ لوگ دُکھی دل سے روانہ ہوئے۔ سب خاموش و بے حس و حرکت! اُسوقت تمام دُنیا دوپہر کے

کے وقت آرام کر رہی تھی۔ صرف جھینی اور جھنود کی آواز ہر چہار طرف گونجتی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی مدھم سے مدھم تر ہو کر منقطع تعلقات کی کمزور یاد کی طرح صفحۂ ہستی سے اپنا نشان مٹا گئی۔ اس وقت ہیں و مالتی سوچ رہے تھے۔ یہ ہماری شادی ہے! کیسا خوفناک اور دردانگیز جلسہ!

(۱۲)

ریلوے سٹیشن پر آ کر ہین نے چاچی جی سے کہا:۔ چاچی جی! میرے ساتھ تم بھی کلکتہ چلو۔ ہم لوگوں کی گرہستی بنا کر پھر تم کاشی چلے جانا۔

چاچی نے پُر استقلال لہجہ میں کہا:۔ میں اب گھر گرہستی کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتی۔ بغیر کاشی پہونچے ہوئے میں ایک بوند پانی بھی منہ میں ڈالونگی

نوکشور نے کہا:۔ تو چاچی جی! اُس پلیٹ فارم پر چلو۔ کاشی کی گاڑی آنے کا وقت ہو گیا۔

چاچی جی اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ہین و مالتی دونوں نے سربسجود ہو کر نہیں پرنام کیا۔ اور اُن کے قدموں کی خاک پیشانی سے لگائی۔

اس رخصت کے وقت چاچی جی کی تمام سخت دلی آنکھوں کے آنسوؤں میں غرق ہو گئی۔ اُنہوں نے ہین و مالتی کی ٹھوڑی پیار سے پکڑ کر چومی۔ اس کے بعد ہین کے ہاتھ پر مالتی کا ہاتھ رکھ کر آنسو بہاتے بہاتے بولیں۔ بیٹا! میں نے اپنی تمام عزت اور اپنا سب کچھ تمہارے ہاتھ سونپ دیا۔ اب تم اس کی مریاد قائم رکھنا۔

ہین و مالتی کی آنکھوں نے بھی تحمل سے کام نہیں لیا۔ ہین نے کہا۔ چاچی جی! اماں نے تو مجھے آشیرباد دیا ہی نہیں۔ کیا تم بھی ہم لوگوں کو چھوڑ کر جاتے ہوئے ایسی ہی چلی جاؤ گی۔

چاچی جی کچھ دیر تک خاموش رہ کر بولیں۔ میں آشیرباد دیتی ہوں۔ کہ میں نے

جس طرح دُکھ اُٹھایا ہے۔ تم اُس طرح سُکھی ہو۔

پاپا جی اور کچھ نہ کہہ سکیں۔ روتے روتے نوکشور کے ساتھ روانہ ہوئیں بین و مالتی دونوں سہم کر تباہ کن بددعا کی طرح خوفناک آشیرباد کی بات سوچنے لگے۔

(۳۳)

بین و مالتی کلکتہ پہونچکر تارک کے گھر ٹھہرے۔ اور نوکشور کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں مالتی دوسرے کے گھر میں تھی۔ وہاں جا کر بین اُس کے ساتھ بات نہیں کر سکتا تھا۔ نوکشور بھی پاس نہیں۔ اُس کے دل میں ایک تسکین بخش نُورانی دبستان و ایک ممکن مکان کے سُکھ کا خیال رہ رہ کر چوٹ پہنچاتا تھا۔ اُس کو ہر دم بے چین کر دیا تھا۔ اس حالت میں نوکشور کے بغیر مالتی اور بین دونوں کو کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ اِس کے علاوہ تمام دن تارک سے بحث مباحثہ کرتے کرتے اُس کا دل برداشتہ خاطر ہو جاتا تھا۔ تارک اسے حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔ کہ بدھوا بواہ! ہمارے دیس کبھی رائج نہ تھا۔ بلکہ یہ غیر ممالک کی شے ہے۔ جس دیس میں بدھوا کا آخری ایڈیل جل مرنا ہے۔ جس ملک میں بدھوا کو تقدس مآب برہمچارنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اُس دیس میں بدھوا بواہ سراسر بے انصافی اور خلاف آئین ہے۔

بین نے ایک دن جھنجھلا کر اور شرما کر کہا۔ بھائی! معاف کرو۔ میں تمہارے ساتھ بحث مباحثہ نہیں کرتا۔ بحث مباحثہ صرف نوکشور تک ہی محدود رکھو۔ اسی کے ساتھ زیب دیتا ہے۔ میں تو صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ عورتوں کے معاملہ میں کیوں اس قدر سخت گیری سے کام لیتے ہو۔ مردوں کے لئے اُس اصُول اور سخت گیری کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہو۔ مرد اگر دس شادیاں بھی کرے۔ تو کوئی بات نہیں۔ تمام باتیں صرف غریب بیوہ کے لئے ہی سوجھتی ہیں۔

بحث و مباحثہ کا موقع پا کر تارک نہائت جوش میں آ گیا۔ سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا
مرد و عورت برابر نہیں۔ قدرت نے خود ان میں تمیز پیدا کر دی ہے۔ جو عورت ولاد
پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اُس کے لئے کیا سخت گیری کی ضرورت نہیں۔
مانتا ہوں۔ مگر بیوہ کی شادی ہونے سے اُس میں کوئی خرابی نہیں آ جاتی
بالخصوص جو بیوہ غیر شادی شدہ لڑکی کی طرح اپنے دل و جان سے کسی ایک
شخص کے پیار و محبت کا عرصے سے انتظار کرتی ہے اور اُس شمع منور پر اپنے آپکو
پروانہ وار نثار کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے اس قدر ظلم و سخت گیری کیوں روا
رکھی جائے؟
ہاں! یقیناً!! قوانین قدرت کیا کبھی کسی آزاد شخص کے لئے مختلف ہو سکتے
ہیں۔ قانون قانون ہی ہے۔ اُس شخص کو اپنی حالت قانون کے نیچے رکھ کر
اُسی کے مطابق بنانی ہوگی۔ اُسے کمزور کہکر تو نجات نہیں حاصل ہو سکتی
آیڈیل تو ہمیشہ سے بلند و بالا ہے اور رہیگا۔ انسان کا دل ہمیشہ سے تبدیلی پسند
ہے اور رہیگا۔ مگر اس کے ساتھ کشمکش و جدوجہد کر کے اُسے اُسی بلند و بالا
عظیم الشان آیڈیل کے زیر سایہ پہونچانا ہوگا۔ اِسی میں اُس کی اہمیت ہے۔
یہ تو قدرت کا قانون نہیں۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا نظام ہے۔ سب کو زور زبردستی
آدرش تک پہونچانے میں کیا انجام ہوتا ہے۔ یہ تو سوسائٹی میں ہم روز دیکھتے
ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچو جو بیکس و بے بس ہیں۔ جو اچھی طرح اپنی
زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں مگر اُن مظلوموں کو سہولیت نہیں۔ اُنکے لئے کیا تدبیر
ہے؟
تارک نے زور دیکر کہا۔ جن کا سہارا نہیں۔ اُن کے لئے بھی نہیں۔ یہ
کیا؟ ہمارے دیس کے سنیاسی کیا یکبارگی اس درجہ کو حاصل کر لیتے ہیں
آہستہ آہستہ سب ہوتا ہے۔ میں تمہیں رفتہ رفتہ دکھاؤں گا۔ کہ جن کے لئے

کہیں سہارا نہیں۔ وہ سچی سادھوی ہیں۔ بدھوا سادھوی سنیاسی کسے کہتے ہیں .... تم نے شری شری سوامی پریم آنند جی کا بھی نام سنا ہے وہ مجسّم دیوتا ہیں۔ شری شری کرشن چیتن سوامی کے اوتار ہیں آج ہی تمہیں ان کا درشن کرانے کے لئے لے چلوں گا اور دکھاؤں گا کہ وہ کس خوبی اور اصُول سے یہی کام کر رہے ہیں۔ میں نے اُنہیں سے فیض پایا ہے اور وہ میرے گورو ہیں!

یہ کہکر تارک نے اپنے گوشت و پوست سے خالی ہڈیوں کو جوڑ کر سر جُھکایا۔ گوروجی کے تصوّر میں تارک نے بحث بند کی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ گوروجی کے درشن کرنے چلو گے؟

بپن نے پُوچھا:۔ وہ کہاں ہیں؟

اُن کا آشرم گنگا کے کنارے ہے نام بھی آنند آشرم اور کام بھی آنند آشرم کا سا۔ وہ جگہ کیسی دلکش اور تقدیس سے بھری ہوئی ہے۔ وہاں پہونچکر دل میں یہی خواہش ہوتی ہے کہ تمام دنیاوی سکھوں کی اسی گنگا میں تلانجلی دیکر صرف اُنہیں کے چرنوں کے تصوّر میں محو ہو جائیں اور اپنی پاپ تاپ سے بھری ہوئی کشتیٔ حیات کو چُپ چاپ اسی آشرم کے کنارے کسی ساحل سے باندھ دیں۔

بپن نے ہنس کر کہا:۔ جب دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو ایسی جگہ قدم رکھنا بھی مناسب نہیں ہو گا۔

تارک نے متانت آمیز لہجہ میں کہا: دنیا کی مایا ممتا کیا اتنی جلدی چھوڑنے کو طبیعت چاہتی ہے؟ نجات کا راستہ اتنا آسان نہیں جب تک گورو کی آپا ریا نہ ہو۔ اُس وقت تک اُن کے چرنوں میں پناہ نہیں ملتی۔

بپن نے ہنس کر کہا:۔ اگر اس اَدھم کے اوپر اُن کی دیا درشٹی ہو جائے۔ تو؟

تمہارے ایسے نصیب کہاں؟ خوف نہیں۔

سچ! اور اگر ایسا ہُوا۔ تو اس کے ذمّہ وار تم ہو گے!

ہاں! ہاں!! اس وقت چلو۔ یہ کہکر تارک بین کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھینچنے لگا۔ بین نے ہنستے ہنستے اپنی تیاری کی۔ اور تارک کے گوروجی کا درشن کرنے چلا۔ تارک اپنے بحث ومباحثے کے تیروں سے چرکے لگا کر بین کے قدیم سنسکاروں کو اُکسا رہا تھا۔ اور اُسے گو مگو و حیص بیص میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنے پریشان دل کو نئے نظارے دکھانے کے لئے خوشی سے تیار ہوگیا۔

(۳۴)

اہیری ٹولہ گھاٹ سے ایک چھوٹی سی کشتی کرایہ کی گئی۔ تارک اور بین دونو گنگا کے گھاٹ کے کنارے آئے۔ وہ لمبا چوڑا گھاٹ سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ پانی کی سطح تک سیڑھیاں تھیں۔ برف کی طرح صاف شفاف سیڑھیاں گنگا کے آبِ مصفا میں تیرتی ہوئیں پانی کے ساتھ ایک پُر لطف رقص کا نظارہ دکھا رہی تھیں اُس کی روانی میں غضب کی دلآویزی اور بانکپن تھی۔ پاس ہی اوپر بین نے دیکھا ایک نہائیت دلکش اور پھولوں سے لدا ہوا وسیع باغیچہ ہے۔ اُس میں کہیں کہیں کدم کے بکثرت درخت تھے اور کہیں مولسری کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ جا بجا سبزہ زار کی کیاریاں تھیں۔ بیچ بیچ میں گلاب۔ بیلا۔ چنبیلی۔ مالتی وغیرہ کے خوشبودار تختہ تھے کیوڑوں کے پھولوں سے لدی ہوئی روشں نے ہر چہار طرف ایک عنبر بیز طراوت پھیلا دی تھی۔ ایک طرف گھنی بیل پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں داخل ہوتے ہوئے ایک سنگ مرمر کا چبوترہ تھا۔ اُسی چبوترہ سے ملا ہوا نہائیت عمدہ دروازہ تھا۔ اُس پر سنہری حرفوں میں لکھا ہوا تھا "کیلی کُنج"۔ بیچ بیچ میں اُن بیلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے درختوں کو دیکھ کر دل میں مسرت کی بے روک تھام لہر دوڑ جاتی تھی پاؤں میں جھانجھ اور گلے میں گھنگرو پہنے ہوئے دو ہرن شوخی سے اِدھر اُدھر دوڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ بھون مال کنج میں کتنے ہی مور جگ رہے تھے۔ اُس پر سکون اور خاموش آشرم بائکا میں سینکڑوں شیریں نوا پرندوں کا ملا جلا نغمہ دلکش رہ رہ کر

اپنی زمزمہ سنجیوں سے دل میں روحانی حظ پیدا کر دیتا تھا۔ فواروں سے نکلتی ہوئی پانی کی بوندیں جواہرات اور سفید موتیوں کے ہار کی طرح سینہ پر لوٹی جا رہی تھیں۔ اتنے بڑے باغیچہ میں کہیں بھی کوئی غیر ضروری گھاس نہیں تھی۔ کسی خشک پتہ کا نام نہیں گویا ایک لا مثال تصویر کا تصویر کا تختہ تھا۔ اسی وسیع اور کشادہ باغیچہ میں ایک نہایت مختصر مکان تصویر کی طرح نظر آتا تھا۔ جو بیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ مکان ذرا سا مختصر تھا۔ مگر اندر سے نہائیت وسیع و کشادہ اُس مکان کے سامنے لکھا ہوا تھا۔ "گوکل دھام" اُس کے آگے ایک کمرہ تھا۔ جو آنے جانے والوں کے جُوتے رکھنے کیلئے مخصوص تھا۔ اسی کمرے کے ساتھ ایک حوض بھی تھا۔ اُس میں پتھر کی نہایت خوبصورت مچھلی بنی ہوئی تھی۔ اُسی کے مُنہ سے پانی گرتا تھا۔ سنہری حروفوں میں رقم تھا "تیرتی" اور بھی کتنے ہی حوض تھے۔ اُن کے نام "گومتی" "نرمدا" "اور شت دھارا" "بھوگ وتی" "مندا کنی" "الک نندا" وغیرہ تھے۔

بین و تارک جُوتے اُتار کر بیٹری میں پاؤں میں دھو کر اوپر چڑھے تمام فرش سنگ مرمر اور سیاہ پتھر کا تھا۔ اُس میں جا بجا گُلِ صد برگ کا جو نقشہ پتھروں کی ترتیب سے دکھایا گیا تھا۔ اُسے دیکھ کر غنچۂ دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ جا بجا کمروں میں لوگ پوتھیوں کا پاٹ کر رہے تھے۔ بعض بعض دھرم کے مضمون پر گفتگو کر رہے تھے مگر وہ بحث مباحثہ نہیں بلکہ طمانیت کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہو رہا تھا۔

بین و تارک دونوں دوسری منزل میں آئے۔ اسی میں پُوجا گھر تھا۔ گنگا کی روانی کا نظارہ وہاں سے صاف دکھائی دیتا تھا اور بہت دلکشی لئے ہوئے تھا۔ پوجا گھر کے سامنے لکھا ہوا تھا۔ "بیکنٹھ" بہت سے لوگ آرتی کا سامان کر رہے تھے۔ مگر وہ بھی خاموش تھے۔ سب کے بُشرے سے روحانی تسکین اور طمانیت کا اظہار ہوتا تھا تارک نے پجاری جی کو پرنام کیا۔ دیکھا دیکھی بین نے بھی سر جُھکایا۔ وہ اس سکون پذیر خوبصورت آشرم میں اپنے سرکش خیالات کو قایم نہ رکھ سکا۔

وہاں سے تارک چن کو گورو مہاراج کے درشنوں کو لے چلا۔ ایک تو گورو اس پہ سنیاسی اکوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

چن نے جا کر دیکھا ایک وسیع کمرہ ہے۔ تمام فرش پر زری کا قالین بچھا ہوا ہے۔ چھت سے خوبصورت جھاڑ فانوس لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر پھولوں کا قرینے سے بنائے گئے تھے۔ گویا وہ ابھی شگفتہ ہوئے ہیں۔ اور فی الحقیقت شاخ سے لٹکے ہوئے ہیں۔ مصور کا قلم چوم لینے کو طبیعت چاہتی تھی۔ انہیں کے درمیان زمانہ قدیم کی تصاویر تھیں۔ گوپال جنہی جشودا کی بھی ایک تصویر تھی۔ مہابھارت رامائن اور پورانوں کے عہد کے بھی مرقعے تھے۔ ایک کنارے ایک پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ بستر اور مسہری دونوں نہایت فوق البھڑک اور قیمتی تھے۔ دروازوں پر شال کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ پاس کے کمرے میں ایک نہایت بڑی لائبریری تھی جس میں مختلف زبانوں کی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ کمرے کے بیچوں بیچ میں ایک قالین پر گورو جی مسند نشین تھے سامنے کتنے ہی آدمی تھے۔

اُن لوگوں میں سے کوئی نہایت ہی مغموم و متفکر تھا۔ کوئی دُنیا کے پیچیدہ جالوں میں اُلجھا ہوا نظر آتا تھا۔ بعض مفلس وہ اپنے دل کو تسکین و تشفی دینے کی غرض سے یہاں آئے تھے۔ کوئی رُوح۔ لوک۔ پرلوک۔ پُنر جنم اور تصوف وغیرہ کے مسائل پہ روشنی ڈالنے کی غرض سے جمع کر بیٹھے ہوئے تھے۔ گورو مہاراج مسکراتے ہوئے ہر شخص سے گفتگو کر رہے تھے۔ کتنے ہی اشخاص کتنے ہی عجیب و غریب سوالات کر رہے تھے۔ پھر بھی وہ جھنجھلاتے نہیں تھے۔ اُن کا چہرہ ہر وقت خنداں در نرگس کی طرح شگفتہ معلوم ہوتا تھا۔

مہاراج جی کی عمر تقریباً چالیس تھی بلکہ اس سے بھی کم۔ رنگ گورا سفیدی مائل۔ نہایت ہی خوبصورت اور شانت مورتی۔ داڑھی مونچھ اور سر کے بال منڈے ہوئے۔ چہرے پر ملاحت زیادہ تھی۔ جسم پہ گیروے رنگ کی ایک چھوٹی تھا اور سر پہ

پگڑی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور نہایت ہی دلفریب اُن میں غضب کی کشش تھی۔ صوفیے صاف یاسمن کی طرح تمام جسم بالکل صاف شفاف نظر آرہا تھا۔ ایسی پُرسکون اور جلالی و جمالی شکل دیکھ کر بپن کا رانو ٹے ارادت تہ ہوگیا۔ اُس نے سوچا یہ مہا کشتات گورو ہیں۔ فرطِ عقیدت سے اُس نے چرنوں پر سر جھکا دیا۔

ان تمام پر تکلف اور عیش و عشرت کے سامان نے بپن کے دل میں کسی قسم کا شک نہیں پیدا کیا۔ اُس کے دل میں بار بار یہی آنے لگا کہ اگر یہ تمام لوازمات اور تکلفات گرد و پیش رہ کر شان اور حُسن میں اضافہ نہ کرتے تو اچھا نہ ہوتا۔

گورو مہاراج نے مسکراتے ہوئے سر جھکا کر انہیں مخاطب کر کے تارک سے پوچھا: سنسار انند! یہ کون ہیں؟

تارک نے نہایت ہی لجاجت آمیز انداز سے کہا: یہ میرے ایک معزز دوست ہیں۔ نام بپن بہاری رائے چودھری ایم اے پاس ہیں۔ آپ کا درشن کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔

گورو جی نے کہا: میں ایم اے۔ بی۔ اے سے سخت گھبراتا ہوں۔ وہ صرف بحث مباحثہ کرنے کی غرض سے ہی آتے ہیں۔ ..... بپن بابو! آپ سے پہلے ہی کہے دیتا ہوں۔ یہ تمام لوگ مجھے یہی کہتے ہیں۔ کہ میں ایک زبردست اوتار ہوں اور بھگوان ہوں۔ میں یہ بات کبھی نہیں مانتا۔ مگر یہ لوگ پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ لیلا ہے ..... ان تمام باتوں پر آپ ہرگز یقین نہ کیجئے گا۔ میں آپ ہی کی طرح ایک نہایت معمولی شخص ہوں۔ پاپ پُنیہ کی لالچ سے ویراگ لے لینا ایک معمولی سی بات ہے ..... پھر بھی ہر انسان غور و خوض کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے تجربات سے دوسروں کو فیض پہنچا سکتا ہے۔ مجھے جو تجربہ ہوا اور جو سچ معلوم ہوا وہی میں لوگوں کو سمجھا دیتا ہوں۔ کوئی مانے کوئی نہیں مانتے۔ عیسےٰ نے کہا ہے

You shall know the truth and the truth shall make you free.

یہ سچ ہے اور کس طرح سچ ہے۔ یہ بھی اُنہوں نے صاف صاف فرمایا ہے۔

ان فقروں میں جو سُرورِ حقیقی مضمر ہے۔ اُس سے میرا عضو عضو سرشار ہو اُٹھا ہے میں اُس سے فائدہ اُٹھا کر اپنے بھائیوں کو بھی مستفیض کرنا چاہتا ہوں۔ اس پاک تعلیم کو پھیلانے کے سوا میرا اور کوئی مقصد نہیں۔ میں سنسار تیاگی نہیں ہوں۔ مگر نہایت ہی کنجوس اور خسیس دُنیادار ہوں۔ یہ مدِ نظر رکھتے ہُوئے گفتگو کیجئے گا۔

ایسا معلوم ہُوا۔ گویا مہاراج کی ودمے معرفت سے سرشار آنکھیں دنیادار دل کی طرف دیکھ کر ہنس رہی ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی تقدس مآب اور خنداں پیشانی شخصیت نہیں دیکھی تھی۔ چہرہ کا ہر ایک نشان گویا اُن کے دل کا سنجیدہ گیان تھا۔ دل کی سادہ لوحی، فراست و جُودت اور طور و اطوار کا استحکام رہ رہ کر زبانِ حال سے اپنی عظمت ظاہر کر رہی تھی۔ میں نے جوشِ عقیدت سے کہا۔ پُوجنیہ میں جاہل ہوں! میں کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو کھو چکا ہوں۔ مجھ میں ذرا بھی گیان نہیں۔ میں بحث مباحثہ کرنے نہیں آیا۔ شاگرد کی طرح حقیقت کا متلاشی بنکر آیا ہوں۔ مہربانی فرما کر مجھے بتا دیجئے۔ کہ انسانی فرائض کیا ہیں؟ دھرم کیا ہے میں کن اُصولوں کی پابندی سے قدرتی انسان بن سکوں گا۔۔۔۔ اور مہربانی فرما کر مجھے "آپ" کہکر مخاطب نہ کیجئے۔

گرو جی ہنستے ہنستے انسانی فرائض اور انسانی دھرم کی توضیح کرنے لگے۔

الفاظ میں بھی کیسی زبردست طاقت اور سحر نگاری موجود ہے۔ خیالات کے اظہار کا طرز کس قدر مؤثر اور دلکش ہے۔ لفظ لفظ میں کیسی متانت اور قوت ہے زبردست اور سمجھ میں نہ آنے والے دقیق مسائل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے کیسا آئینہ کی طرح صاف کر دیتے ہیں۔ غضب کی قابلیت ہے۔ اس کے علاوہ تمام سوالات کا ایک جواب نغمہ میں ڈوبی ہوئی دلربا تان کی طرح دل کے تاروں سے ٹکرا کر ایک ایسا لطف پیدا کرتی ہے جو یقیناً ناقابل بیان ہے۔ بپن مفتوں و بیخود ہو کر یہی غور کرنے لگا۔ وہ غور سے ہر ایک بات سُن رہا تھا۔ مگر افسوس! حقیقت کی تہ تک جیسا پہونچنا چاہیئے نہ پہونچ سکتا تھا۔ وہ صرف ان نغمات کو سُن رہا تھا جو سازِ دل پر الفاظ کی شکل میں آ کر ٹکراتے تھے۔ دیکھا۔ صرف اُن کے لاثانی حُسن و جمال میں شرابور ہنسی کو۔

آرتی شروع ہونے سے پیشتر شنکھ کی آواز کانوں میں گونج اٹھی۔ گوروجی خاموش ہوئے۔ سب کولے کر وہ رادھا کانت کی آرتی دیکھنے گئے۔ بپن کی آنکھوں کے سامنے آرتی کے پنچ پردیپ کی روشنی گورو مہاراج کی آنکھوں کے نُور کے روبرو بالکل مدھم اور ٹمٹماتی ہوئی نظر آتی تھی۔ جب آرتی ختم ہوئی۔ تو سوامی جی نے نیم باز نگاہوں سے نہائیت ہی عقیدت سے گانا شروع کیا۔

بپن محو ہو کر سُننے لگا۔ وہ آواز کیسی بلند اور تیز تھی۔ اُس میں کتنی دلکشی تھی ایک ایک پد میں۔ پردے پردے میں جذبات میں ہلچل مچا دینے والی ترنگیں موجزن ہو رہی تھیں۔ وہ سُر کہیں تو اپنی خوش قسمتی سے دل میں ایک سرور پیدا کر دیتا تھا کہیں ارمانوں و آرزوؤں میں جان گداز اثر ڈالتا تھا اور کہیں بینتی کے رس میں شرابور معلوم ہوتا تھا۔ اُس نغمے کے رس کی دھار تمام مندر اور مکان کی اندرونی سطح کو شاداب و سیراب کرتی ہوئی آسمان۔ فضا غرض شش جہت میں پھیلی جاتی تھی اُس شام کی آرتی اور بندنا کے گیت میں گنگا تال دیتی دیتی لہروں سے ہچکولے

کھاتی کھاتی نہ معلوم کس سے وصل ہونے جارہی تھی۔

گانا ختم کرنے کے بعد سوامی جی نے ساشٹانگ پرنام کیا۔ اُن کے ساتھ ساتھ ہی سب نے سربسجود ہوکر متھا ٹیکا۔ بین کے دل میں آتا تھا۔ یہ پرنام جیسے ناکافی ہے۔ آپ کو ہمہ تن اُن پر نثار کردے۔ اس کے بعد مہاراج نے اپنے ہاتھ سے ہی سب کو پرشاد تقسیم کیا۔ بین کی آنکھوں میں عقیدت سے آنسو بھر آئے۔ اور اُس کی خواہش ہونے لگی۔ کہ آنسوؤں کا یہ سیلاب مجھے بھی اپنے آپ میں کیوں نہیں ملا لیتا۔

خواب میں محو شخص کی طرح تارک بین کو گھر لایا۔ وہ گھر آکر دل میں سوچنے لگا گورو جی نے کیا کہا ہے؟ خواب نوشین کا لطف چلے جانے پر جیسے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ تمام واقعات جیسے سایہ کی طرح نظر آتے ہیں۔ سوچنے پر بھی یاد نہیں آتا کوشش کرکے کبھی اگر اُسے یاد کیا جائے۔ تو بائیسکوپ کی طرح عہد گزشتہ کی تصاویر موجودہ تصویر کے سامنے غائب ہو جاتی ہے۔ بین کسی بات کو بھی بالترتیب اور سلسلہ سوچ نہ سکا۔ یادگار کے بیوند جوڑ کر اُس نے صرف اس قدر سمجھا۔ کہ سوامی جی نے فرمایا ہے۔ ویراگ محبت انسان دھرم ہے۔ انسان کو کنوئیں کے مینڈک کی طرح کسی خاص جگہ میں رہ کر اپنے آپ کو مقید نہ کر دینا چاہیئے۔ اُسے یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ تمام کائنات اُس کا مکان ہے۔ گزشتہ اور مستقبل ہر ایک شے کے ساتھ اُسے پیار کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اُس میں فراخدلی آئے گی۔ اور وہ ویراگ کے درجہ کو پہنچیگا۔ انسان سب یکساں ہیں اُن میں کوئی فرق نہیں۔ تمام قومیں اور فرقے اُسی لاثانی مشغل کے عجیب غریب نور ہیں۔ غرور سے موہ پیدا ہوتا ہے۔ عورت بہشتی شے ہے۔ انکی پرستش کرنی چاہیئے نہ کہ عیش پرستی سے اُسے ناپاک کر دینا! یہ دیوی ہیں اور حسن کا منبع بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اُسی آفتاب حسن کی منور شعاعیں ہیں۔ ہم چونکہ انہیں بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ محض اسی وجہ سے وہ ہمیں تعشق کے رنگ میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں

مگر واقعی بات تو یہ ہے کہ یہ نہائیت صاف شفاف اور تقدس مآب ہیں۔ عورت و مرد دونوں پیار کرنے کے قابل ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کو یکساں طور پر پیار نہ کریں تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ہمارا دل ناپاک ہے اصلی محبت جیو آتما اور پرماتما میں ہے جیو آتما رادھا ہے اور پرماتما سری کرشن! اسی لئے سری کرشن کا دوسرا نام رادھا کانت ہے دِل کے سٹیج پر ان کے میل و ملاپ کا تماشہ بلاناغہ ہوتا رہتا ہے اور طرح طرح سے خاص خاص دنوں میں اُن کے میل و ملاپ کی جھلک ہمیں نظر آتی ہے جو اُنہیں کی طرح اپنے دل ہی دل میں ایسے کھیل کھیل سکتے ہیں۔ وہی سمجھیں گے کہ راس لیلا۔ جھولا اور ہولی وغیرہ وغیرہ بیرونی اور کسی خاص وقت کے تہوار نہیں ہیں ایسے ایسے تماشے اُن کے دل میں آئے دن ہوا کرتے ہیں۔ جیو آتما اور پرماتما کا یہ پریم انسان کو کائنات کے پیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بہن سوچنے لگا۔ تو کیا کائنات کی نیرنگیاں اور دلچسپیاں سب فضول و جھوٹی ہیں۔ بالتی میری کوئی نہیں۔ ہم سب کائنات کی میراث ہیں۔ کائنات ہماری جدائی میں آنسو بہا رہی ہے۔ نوکشور کے واپس آنے سے پیشتر ہی سوامی جی سے تمام حالات مِن وعَن کہنا ہوگا۔ دیکھوں اِدہ کیا فرماتے ہیں؟ نوکشور تو اپنی جسمانی طاقت سے سب کچھ قبول کرانا چاہتا ہے۔ مگر سوامی جی کیسی خاموشی اور اطمینان سے اصلیت کے معنی و مطالب ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ مگر نوکشور سے ابھی تمام حالات کہدینے مناسب نہیں۔ ورنہ وہ بحث مباحثہ کا جھگڑا بپا کر دیگا۔ اور اس سے بات سے مسئلوں پر روشنی پڑنے سے رہ جائیگی۔

ہر چہار طرف کی چوٹیں سہتے سہتے زمیندار کا لڑکا بہن اپنے آپ میں ایک بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ کنگارو کے بچے کی طرح ماں کے پیٹ سے نکلکر بھی پیٹ کے باہر ہی تھیلی میں رہنے کی جسے عادت پڑ گئی تھی۔ بعرصہ دراز سے جگہ دو مہر اولوں پر لپیٹے آپ کو سکڑ کر رکھتا تھا۔ پھر دو مہر تکی سے کہ جسے خود اپنی آرام تو ذہنیت نہ تھی

اُسے جب اپنی حالت پر غور خوض کرنے کا موقع ملا اور جا بجا چکر لگانے کی نوبت آئی تو اسی وقت اُس کی آخری دوستہارے کشور و مالتی کے ساتھ سے محروم ہو کر بپن اپنے آپ کو بیکس و تن تنہا محسوس کرنے لگا۔ عین اسی حالت میں پریم آنند سوامی کی زبردست تقریر کے اثر سے اُس کے دل میں امید کی تجلّی رُونما ہوئی۔ اور اُس نے اس وسیع کائنات میں اپنے لئے بھی تھوڑی سی جگہ دیکھی۔ جان میں جان آئی۔ اُس دن سے وہ بلا ناغہ ہر روز سوامی جی کے پاس جانے لگا۔ سوامی جی آج بیڈن گارڈن کل ٹون ہال اور پرسوں تھیٹر میں تقریر کرتے تھے۔ اور بپن ان کی شمع عقیدت کا پروانہ بن کر ہزاروں مفتونوں و بیخود حاسدوں کی نظروں میں کھٹکتا ہُوا سایہ کی طرح انکے پیچھے پیچھے گھومتا پھرتا تھا۔

ایک دن سوامی جی کو تن تنہا پا کر بپن نے اپنا تمام قصہ شروع سے اخیر تک کہہ سُنایا۔ سوامی جی نے آنکھیں بند کر کے چُپ چاپ تمام حالات سُنے۔ کچھ دیر بعد رادھا کانت کہکر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ بپن کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ وتس! میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا۔ کہ پریم ہی دھرم ہے۔ تم مالک کے سچے بھگت اور اس کے پیار کی شے ہو۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے تمہیں اپنا پریم دیا ہے۔ تم اُس پریم کو عیش و عشرت کی تموج خیز دھاریں بہا رہے ہو۔ اس سے نہ تمہیں کوئی فائدہ ہے اور نہ دُنیا کا؟ اُسی پریم کی دھار کو اپنے ہمالہ رُوپی دل سے گنگا کی ہزاروں دھاروں کی طرح کیوں نہیں بہا دیتے جانے دو تاکہ وہ دنیا کے مہا ساگر میں مل جائے۔ زندگی کا مقصد پورا ہو۔ اور تم ایک مبارک ہستی ثابت ہو۔ میں جہاں تک دیکھتا ہوں۔ مالتی۔ ساکشات رادھا رانی کا اوتار معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے تمام کلنک اور خرابیوں کا ٹیکا اپنے سر پہ لگا کر تمہیں جو منتخب اور قبول کیا ہے۔ اُس کی وہ لاثانی اور پاک محبت کیا صرف تمہارے خاص بھوگ بلاس سے ناپاک کرنے کے لئے ہے؟ نہیں نہیں۔ کبھی نہیں تم روحانی محبت کا ساغر پُر سرُور

نوش کروگے۔ دنیا تمہاری محبت کا پرشاد پاکر اپنے آپ کو مُبارک سمجھے گی۔ یہی تُم لوگوں کا راستہ ہے۔ صرف آتما ہی سب کچھ ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ آتما پریم گیان اور آنند کی کان ہے۔ پرتھوی نے کتنے جُگ جگانتر کی ریاضت سے آتما کو پایا ہے۔ آتما دنیا کی تاریکی کی روشنی ہے۔ ریگستان کا اویسس آتما کو پاکر پرتھوی کے ضائع شدہ حسن میں دلکشی آگئی ہے۔ اور وہ بدل گئی ہے۔ دُنیا کے دھن دولت کا بھوگ ایک طرف اور آتما ایک طرف۔ آتما کے مقابلہ میں حظوظ نفسانی کی مشابہت خاک کے برابر بھی نہیں۔ ویدانت شاستر کہتا ہے کہ آتما استی بھاتی اور پریہ ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ ست۔ چت۔ آنند ہے انہیں تین سادھنوں کا دھن ایک آتما کے آدھار پر ہے۔ استی کا نام ہے ہستی مطلق ذات مطلق اور واجب الوجود۔ بھاتی کا نام ہے گیان۔ علم اور ادراک کا۔ پریہ کہتے ہیں سُرور۔ آنند اور خوشی کو۔ اِسی وجہ سے ہندو دھرم شاستر میں آتما کا درجہ افضل ترین ہے۔ پہلے آتما کا علم حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے بعد آتما کو پیار کرنا سیکھنا واجب ہے جسم کو نہیں۔ اپنے حظوظ نفسانی کے لئے خواہشات کو پیار کرنا غلطی ہے۔ جس طرح تالاب کے پانی میں سوار اور کائی جمنے سے اُس کا پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے اُسی طرح لذّات نفسانی کے لیپ سے روح کی پاکیزگی آب وتاب جاتی رہتی ہے۔ گندہ تالاب کو صاف کرنے کے بعد جیسے اُس کا پانی کوّے کی آنکھ کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گیان ویراگ اور خود ضبطی سے روح کی تمام کدورت وناپاکی دور کر دینی چاہئے۔ ورنہ روح شاغل کے کسی کام نہیں آسکتی۔ اور روحانی لذّت سے بے بہرہ رہے گی۔ اپنے آپ پر قناعت کرنا سب سے بہتر ہے۔ جیسے زبان میں عُروض۔ قافیہ نظم۔ لٹریچر اور صنائع بدائع شامل رہتے ہیں۔ اُسی طرح آتما میں ہر قسم کا گیان آنند اور ہستی سب کچھ موجود ہے۔ کسی زبان کی پوری طرح تکمیل کرنے میں جیسے پہلے پہل قواعد سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اگر اُسے خشک اور بے رس سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا جائے اور شاعری کے میدان میں یکبارگی کرتب دکھانے لگیں تو ظاہر ہے کہ اُسے کچھ بھی نہ

آئیگا۔ شاعری کی سمجھ تو بغیر قواعد کے کسی طرح آ ہی نہیں سکتی۔ بالکل اُسی طرح سادھن کے ذریعہ سے روح کی اصلی ماہیت نہ حاصل کی جائے۔ تو وہ محبّت ضائع ہو جاتی ہے .... اگر تم مالتی کو فی الحقیقت پیار کرنا چاہتے ہو۔ تو اوس سے روحانی محبّت پیدا کرو۔ لذّات نفسانی ترک کرو..... تم خوش نصیب ہو! یقیناً خوش نصیب ہو قربانی سے تمہارے ہاتھ جو اصل الاصول آیا ہے۔ اُسے مالک کے چرنوں میں ارپن کر کے مبارک ہو۔

گورو جی نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور تصوّر میں محو ہو گئے۔ بپن چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ سوامی جی کی یہ فلسفہ آمیز تقریر اُس کی خیالی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان میں ایک پُر شور ہلچل اور انقلاب پیدا کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد سوامی جی نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ وتس! موقع پا کر تم ان باتوں پر غور و خوض کر کے دیکھنا۔

بپن نے سوامی جی کے قدموں کی خاک اپنی پیشانی پر لگائی اور روانہ ہوا اُس کے دل پر سوامی جی کی یہ پُر اثر تقریر سحر و افسون کا کام کر رہی تھی۔ سوامی جی نے مالتی کو چھوڑنے کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ متانت اور سنجیدگی سے اُنہوں نے قدرتی پیار و محبّت کو بہر طور ترجیح دی ہے ماسی بات نے اُس کے دل کو اور بھی از خود رفتہ کر لیا۔ اُس کے دل میں بار بار یہی خیال آنے لگا فی الحقیقت دلیس ولیس کے نوشتہ جات میں اور شاعری کی کتابوں میں یہی بات نظر آتی ہے۔ حُسن اور محبّت دونوں جہاں مل ملا کر تمام چیزوں پر پردہ ڈال کر خواہشات کے محدود دائرہ میں چکر لگاتا رہتا ہے اور کسی کارِ خیر و عظیم الشان کام میں اپنے آپ کو نہیں شامل کرتا۔ اسکی جگہ بالآخر دُکھ درد کی سخت اور تباہ کن چوٹ ہے ماس زبردست محبّت کا جال تار تار ہو جاتا ہے۔ اگر عیش و نشاط کا سر کائنات کے نغمہ کے سُر پر پردہ ڈالکر خود ہی زور سے ترنّم ریز ہو۔ تو اُس عیش و عشرت کو موت کا دوسرا نام سمجھنا چاہئے

بپن سوچنے لگا۔ اگر فی الحقیقت وہ مالتی کو پیار کرنا چاہتا ہے تو اُسے پاک وصاف اور تقدس مآب بنا کر ہی پیار کرنا پڑے گا۔ اپنی خواہشات کی کدورت سے وہ اُس کی روح کو ناپاک نہیں کرے گا...... مگر مالتی نہائیت حسین اور زہرہ جبین ہے یہ اٹھارہ سالہ ہار کیا ایک دن کے لئے بھی سینہ سے لگانے میں کوئی بے انصافی ہو گی؟ جو ملنے کی بے چینی موت کی شکل میں آئی ہوئی ہے کیا وہ ناکامی کا مُنہ دیکھنے کو تیار زندگی میں جو اُلجھن پڑ گئی ہیں۔ کیا وہ کسی طرح نہیں سُلجھیں گی؟ نہیں۔ نہیں۔ اس مضمون پر اور کچھ سوچنا فضول ہے۔

بپن نے راستہ چلتے چلتے آنکھیں بند کر کے کہا۔ گورودیو! گورودیو!! جو جہالت کی تاریکی میں گمراہ ہو رہا ہے۔ اُسے رستہ دکھاؤ۔

(۳۵)

بپن پرمانند سوامی کی مقناطیسی طاقت سے منتر کے بس میں آئے ہوئے شخص کی طرح کائنات کو بھول رہا تھا۔ مگر دُنیا اُس وقت بھی اُسے نہیں بھُولی تھی۔

جب بپن مالتی کو لے کر چلا آیا۔ اُس وقت ہری بہاری بابو اور مالکہ دونوں بیٹے کی اس ہیبتناک تبدیلی کو دیکھ کر بے چین ہو اُٹھے تھے۔ مالکہ ہر وقت منتیں مانتی رہتی تھیں۔ اور لڑکا کسی طرح واپس آئے۔ اُنہوں نے رام لال اچاریہ کو بُلا کر کہا اچاریہ جی! کوئی ایسی منتر جپو۔ کہ جس سے بپن کا دل مالتی کی طرف سے ہٹ جائے اچاریہ ٹھاکر نے موقع دیکھ کر جو لمبی چوڑی فرد پیش کی۔ اُس میں سے کوئی پانچ سو روپے کے تو صرف جواہرات نافہ اور عطریات وغیرہ تھے یہ سب چیزیں مہیا ہونے لگیں۔

ہری بہاری نے نوارن ٹھکر جی کو بلا کر مشورہ پوچھا۔ نوارن نے صلاح دی کہ مالتی کے سُسرال میں اور بپن کے پاس خطوط بھیجے جائیں۔ مالتی کے جیٹھ کو لکھا جائے کہ بدھوا بواہ "کل تیاگ" میں شامل ہے۔ اسلئے اب اُن کے کُل میں کلنک

لگ گیا۔ خاندان کی بے عزّتی ہوتی ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اسے روکیں۔ جو کچھ روپیہ لگے گا۔ وہ ہری بہاری دیں گے۔ اور بپن کو اس مضمون کا خط لکھا جائے کہ ما لتی کو اگر وہ پیار کرتا ہے تو کوئی ہرج نہیں۔ اسی کے پاس رہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ شادی نہ کر سکے گا۔ اگر اُس نے شادی کی۔ تو وہ اپنے آپ کو موروثی حقوق سے محروم تصوّر کرے۔

ہری بہاری کو یہ رائے پسند آئی۔ اُنہوں نے دونوں جگہ خطوط لکھے اور بپن کے خط میں اُنہوں نے اپنی عقل سے اچھّی طرح کام لے کر اور بھی ایک سطر ایزاد کر دی۔ کہ اگر بپن جلد ہی گھر نہ آئے گا۔ تو نوارن کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ بنی کی شادی کر دی جائے گی۔

بپن کا دل جس وقت دنیا و سنیاس کے پُرپیچ جال میں اُلجھ رہا تھا عین اسی وقت اُس نے یہ خط پایا۔ ایک تو وہ یونہی نہایت ہی پُرجوش فطرت کا شخص تھا۔ اس پر یہ یما نند کی زبردست تقریر نے اُسے متوالا و بے خود بنا دیا۔ اُس نے یہ خط پا کر نفرت و شرم سے بالکل پاگل سا ہو گیا۔ اُس نے اُس حالت میں باپ کو جو خط لکھّا۔ اُسے پڑھ کر ہری بہاری جیسے متحمّل مزاج شخص نے وکیل کو بُلا کر اُس سے بپن کو موروثی جائداد سے محروم کرنے کا مشورہ کیا۔

بپن اپنے خاندان سے تمام تعلقات منقطع کر کے کسی قدر بے فکر ہؤا۔ کبھی کبھی اُس کا دل ماں کے لئے نہ معلوم کیسا ہو جاتا تھا۔ مگر وہ ان خیالات کو دبا کر گورو جی کے ست سنگ سے متواتر فائدہ اٹھاتا تھا۔ اور سوامی جی رفتہ رفتہ اُس کے تمام شکوک و بندھن دور کرتے جا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو چلے تھے۔ کبھی کبھی بنی کی بابت سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا تھا۔ مگر وہ سوچتا تھا۔ کہ جب اُس کے ماں باپ خود ہی اُس کی تکلیف کے درپے ہیں تو وہ کب تک اسکی حفاظت کر سکے گا۔ نہیں نہیں

یہ سب فکر افکار سے اُسے کیا تعلق؟ اِن سے سوائے بے اطمینانی اور دُکھ درد کے کچھ حاصل حصُول نہیں ہے۔

مالتی کا جیٹھ اتنے دنوں تک اپنے بھائی کی بیوی کی طرف سے بالکل بے پرواہ اور بے فکر تھا۔ مگر اُس وقت جب بہاری بابو کا یہ خط پہونچا۔ کہ خواہ کتنا ہی روپیہ کیوں نہ لگے۔ تو اُس کے دل کی حالت بدل گئی۔ اسے اپنی خاندانی عزّت کا خیال پیدا ہُوا۔ اُس نے سُراغ لگاتے لگاتے تارک کے گھر کا پتہ لگا لیا۔ شام کے وقت گیروے رنگ کی چادر زیب تن کئے دروازے کے پاس ایک بنچ پر بیٹھا ہُوا تارک مالا جپ رہا تھا۔ عین اسی وقت مالتی کا جیٹھ مُکند ایک سیاہ کشمیرے کا کوٹ پہنے سر پر چادر لپیٹے تارک کے پاس آیا اور پوچھا: مہاشے! کیا یہ تارک بابو کا مکان ہے؟

تارک نے کہا: ہاں! آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ؟

آپ مجھے نہیں پہچان سکینگے؟ میں دور سے آ رہا ہوں۔ آپ سے کچھ کام ہے یہ کہکر مُکند بے تکلفی سے اُسی بنچ پر بیٹھ گیا۔ تارک نے بے چینی سے پوچھا:۔ آپ کیا کرتے ہیں؟

مُکند نے کہا:۔ کیوں؟ آپ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟

تارک نے کہا:۔ آپ دیکھتے نہیں۔ میں مالا جپ رہا ہوں۔۔۔

تو اس سے کیا؟ میں تو برہمن ہوں۔

برہمن ہیں۔ تو کیا ہُوا؟ پاؤں میں جوتا تو ہے؟ جوتا پہنے میری مالا چھو لینگے؟ اچھا نہ چھوؤں گا۔ میری بات بہت مختصر ہے۔ میں نے سُنا ہے متھرا بابو کے زمیندار کے لڑکے بپن بابو یہاں آئے ہیں؟

ہاں!

اُن کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔

ہاں! اُس کا نام مالتی ہے۔ بپن اُس سے شادی کرے گا۔
میں اُسی مالتی کا جیٹھ ہُوں۔ میں نے اپنی بھائی کی بہو کو خود اپنے گھر کیوں نہیں نہیں رکھا۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ کیا میں اُسے کھانا نہیں دے سکتا تھا۔ کیا میں ایسا قصائی ہُوں؟ مگر اُس کا شریف کے گھر رہنا اچھا نہیں۔ وہ ایسی ہے اب تو آپ کسی قدر سمجھ گئے ہوں گے؟
تارک کی مالا ہاتھ ہی میں رہ گئی۔ اُس نے متحیّر ہو کر کہا۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ تو دیکھنے میں ستی لکشمی معلوم ہوتی ہے! اب آپ کیا چاہتے ہیں؟
میں نے جب یہ سُنا۔ کہ وہ آپ کے یہاں آئی ہے۔ اُس وقت میں نے سوچا۔ کہ یقیناً آپ اُس کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ورنہ اُسے جگہ نہ دیتے کیونکہ اس میں سراسر آپکی بے عزّتی ہے ....
تارک فوراً بول اُٹھا۔ نہیں۔ نہیں۔ آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ اس طرح کب تک کھڑے رہینگے۔ بیٹھئے۔ بیٹھئے۔ اس بنچ پر بیٹھ جائیے۔ میں تو اس وقت مالا نہیں جپُوں گا..... تو میں بپن سے کہوں گا۔
مکند نے بنچ پر بیٹھ کر کہا:۔ صرف کہئے ہی نہیں۔ بلکہ لڑکی کو گھر سے نکال دیجئے اب میں آپ سے ایک پوشیدہ بات کہتا ہُوں۔ اگر آپ سے نہ کہوں گا۔ تو آپ شریف شخص ہو کر مصیبت میں پڑیں گے۔
مصیبت کا نام سنکر بے چین ہو کر تارک نے دانت باہر نکال کر کہا۔ میں نہایت شریف شخص ہُوں۔ دُنیا کے داؤں پیچ سے قطعی ناواقف ا مصیبت کی بات کیا کہتے ہیں۔ سُنکر میرا دل کانپ اُٹھا ہے۔ آپ کا نام نہیں جانتا..... مالتی کے جیٹھ مہاشے! مجھے بچائیے!
مکند نے سنجیدہ ہو کر کہا اسی لئے تو میں اتنا خرچ کر کے یہاں آیا ہُوں سنئیے:۔
میں نے پولیس میں نالش کی ہے۔ کہ بپن میرے بھائی کی بہو سکھا پڑھا کر لیگیا ہے

اور ہائی کورٹ میں درخواست دی ہے کہ جس سے شادی فسق ہو جائے۔ اور مالتی میرے گھر چلی جائے۔ ہزار ہو۔ پھر بھی وہ میرے خاندان کی بہو ہے۔ لوگ تو یہی کہیں گے۔ کہ یہ مکند معظم دار کے بھائی کی بیوی ہے۔ اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ آپ کے گھر میں یہ فساد مناسب نہیں۔

تارک نے پولیس اور ہائی کورٹ کا نام سُنکر مکند کا ہاتھ پکڑ کر کہا:۔ نہیں نہیں، بڑے بھائی صاحب! دہائی آپ کی۔ آپ تو برہمن ہیں۔ اپنے چرنوں کی خاک دیجئے۔ میرے مکان میں پولیس کا ہنگامہ برپا ہو۔ میں آج ہی رات اُنہیں نکال دونگا۔

مکند نے کہا:۔ ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں۔ مگر تاہم آپ شریف النسب شخص ہیں۔ آپ کو اور بھی ایک کام کرنا ہوگا۔ وہ کہاں جائیں گے۔ اس کی خبر بھی آپ کو رکھنی ہوگی۔ ورنہ جب پولیس اُن کا پتہ لگانے میں ناکامیاب ہوگی تو میں صاف کہدونگا۔ کہ آپ نے اُنہیں کہیں چھُپا دیا ہے۔ سمجھ گئے نہ؟

تارک نے کہا۔ ہاں ہاں! خوب سمجھ گیا۔ میں ضرور اُن کی خبر رکھوں گا۔

مکند اُٹھ کھڑا ہؤا۔ تارک بھی اُٹھا۔ مکند نے کہا۔ میں پھر آؤں گا۔ اِس وقت جاتا ہوں۔

تارک نے دل ہی دل میں کہا۔ اب آپ نہ آئیں۔ تو ہی اچھا ہو۔ بظاہر بولا۔ بہت بہتر۔ اچھا پرنام!

دروازہ بند کر کے اور قفل لگا کر تارک نے بیوی کو آواز دی۔ تارک کی بیوی روٹی پکا رہی تھی۔ مالتی روٹی بیل رہی تھی۔ گھر میں تمام بچے شور مچا رہے تھے تارک کی آواز سنکر بیوی نے لڑکوں کو خوب دھمکایا۔ ڈرایا۔

پھر وہی آواز سنائی دی۔ مالتی نے کہا۔ تارک بابو بُلا رہے ہیں۔

دیندتا لی ہوئیں آئیں۔ اُن کا پھوہڑپن دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آجاتی۔ تارک نے کہا۔ یہ جو بہو بیٹی کے ساتھ آئی ہے۔ اس کا جیٹھ آیا ہے۔ یہ کہکر اُس نے

تمام قصہ سُنایا اور کہا۔ کہ اُسے فوراً گھر سے نکالو۔

تارک کی بیوی کو کچھ کہنا سُننا نہ پڑا۔ مالتی خود سب سن رہی تھی۔ ایک غیر شخص کے مُنہ سے اپنی بے حُرمتی کی بات سُنکر مالتی کی آنکھوں سے شرارے برسنے لگے۔ چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور ماگھ مہینے کی اس سرد رات میں اُس کے عضو عضو سے پسینہ نکلنے لگا۔

تارک کی بیوی نے گالوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اوماں! کیا دوسروں کے لئے اب میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑیں گی۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے لے کر میں کہاں کھڑی ہوں گی؟ کیوں جی! تم تو بڑی خراب نکلیں۔ میرے مکان سے اسی وقت نکل جاؤ۔ مالتی کو بار بار گھر سے نکالنے لگی۔ مالتی ایسی نہیں تھی۔ کہ وہ اتنی سی بات میں گھبرا جائے۔ وہ کتنے دنوں سے اِس مکان میں تھی۔ مگر تارک نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ آواز نہیں سُنی۔ آج یہ ذلت دیکھ کر وہ پاؤں کے تلے آئی ہوئی ناگن کی طرح باہر آکر شرربار لہجہ میں بولی:۔

آپ کو کسی قسم کا خوف نہیں۔ بپن بابو آجائیں۔ تو میں یہاں دم بھر بھی نہ ٹھہروں گی۔

یہ کہہ کر مالتی دوسری منزل میں جاکر اپنا اور بپن کا تمام اسباب باندھنے لگی۔ تارک باہر بیٹھا ہوا کانپتے کانپتے بپن کا انتظار کرنے لگا۔

بہت رات گئے بپن نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تارک نے زنجیر کھولی۔ اور بغیر کسی قسم کی تمہید کے بول اُٹھا۔ یہ تمہاری بڑی بے انصافی ہے۔

بپن نے کہا:۔ ہاں بھائی۔ ذرا رات ہو گئی۔ گورو جی کے ساتھ آج نہایت عمدہ باتیں ہوئیں۔ کھا پی کر تمہیں سناؤں گا۔

تارک نے غصہ آمیز لہجہ میں کہا۔ نہیں نہیں۔ تقریر سننے کیلئے مجھے نیند نہیں آتی۔ یہ بات نہیں۔

بپن نے متحیر ہو کر کہا۔ تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کیا بے انصافی کی؟
میرے مکان میں تم نے ایک آوارہ مزاج بازاری عورت لا کر رکھی۔
بپن نے دانت پیس کر گرجتے ہوئے کہا۔ دیکھ تارک راکھشسی! ایک ہی گھونسے میں تیری یہ بتیسی زمین پر آ رہے گی۔ شریف آدمیوں سے اس طرح بات کی جاتی ہے۔
تارک نے روتے روتے کہا:۔ میں تو سخت مصیبت میں پڑ گیا۔ مالتی کا جیٹھ کہتا ہے تمہیں پولیس کے سپرد کردوں گا اور تم گھونسا دکھاتے ہو۔
بپن نے پوچھا:۔ مالتی کا جیٹھ؟

ہاں! وہی تو آ کر یہ سب کہہ گیا ہے۔
کیا کہہ گیا ہے۔ کہو۔ یہ کہکر بپن نے تارک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مار کے سامنے بھوت بھاگتا ہے۔ تارک نے سب اُگل دیا۔ بپن نے چُپ چاپ سب سُنا۔ وہ متفکر ہو کر سوچ رہا تھا۔ عین اُسی وقت مالتی نے آکر کہا۔ بپن بابُو۔ ابھی گاڑی بلاؤ اس گھر میں اب بھی آپ کھڑے ہیں۔
بپن سوچ رہا تھا۔ جس میں ذرا بھی خودداری اور غیرت ہے۔ اُس کا اس گھر میں دم بھر کے لئے بھی ٹھہرنا مناسب نہیں۔ مگر وہ اتنی رات کو ایسی گُل اندام کو لے کر کہاں جائے؟ بپن ایک ایسے بحرِ بیکراں میں غوطے کھا رہا تھا۔ جس کا کنارہ نہیں وہ دُنیاوی تعلقات کی قطعی سمجھ بُوجھ نہیں رکھتا قطعی بے بس دردمند نگاہوں سے مالتی کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ مالتی کی دونوں بڑی بڑی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اُس نے کہا۔ چُپ چاپ کیا سوچ رہے ہو؟ چلو۔
بپن نے مایوسانہ انداز سے کہا۔ مالتی! کہاں جاؤ گی؟
مالتی نے زور دیکر کہا:۔ یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ آپ گاڑی بلائیے گھنٹے

کے حساب سے گاڑی کرایہ کیجئے۔ گاڑی رستہ رستہ گھومیگی۔ اُسی وقت جو مناسب ہو گا طے کر لیا جائے گا۔

بپن مشین کی پتلی کی طرح خود بھی گاڑی لانے کے لئے باہر نکلا۔ اُس کا نہائیت قدیم نوکر پاس کے کمرے میں بے خبری کی نیند سو رہا تھا۔ یہ بات بھی اُس وقت اس کے خیال میں نہ آئی۔ گھر سے باہر نکل کر بپن کے دل میں خیال آیا جیسے آج کلکتہ کی تمام روشنی دھوئیں اور کہُر کی چادر لپیٹے محو خواب ہے۔ اجگر کی طرح رستہ گمراہ کرنے کے لئے جیسی بیشمار شاخیں پیدا کئے ہوئے ہے۔ بڑے بڑے مکانات کی قطار اپنے دروازے بند کئے دوخانہ بدوش عورت و مرد کی خرابی دیکھنے کے لئے چُپ چاپ کھڑے تھے۔ بپن نے ایک سیکنڈ کلاس گاڑی گھنٹہ کے حساب سے کرایہ پر لی۔ اس نے اپنا تمام اسباب تارک کے ایک کمرے میں مقفل کر کے صرف ایک بستر اور کپڑوں کا صندوق ساتھ لے کر سوار ہوئے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کھانا کھا جاتے۔ تو اچھّا تھا۔ اتنی روٹیاں یونہی خراب ہوئیں تارک کی بیوی انگارہ کی طرح مُنہ سرخ کر کے بچّوں پر غصّہ اتارنے لگیں۔ گھر میں مہا بھارت مچ گیا۔

اس گول مال میں پنچیا کی آنکھ کھُل گئی۔ وہ اپنے آقا کو گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے دیکھ بغیر کچھ کہے سُنے بغل میں اپنی پوٹلی دبائے کوچ بکس پر آ بیٹھا

تارک نے پوچھا۔ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟

بپن نے کہا۔ جہنم کے گھر!

تارک نے سوچا۔ اس جگہ کا پتہ لگانا تو پولیس کے خوف سے بھی کہیں مشکل تر ہے۔ وہ بہت پریشان ہُوا

گاڑی والا دروازہ بند کرنے آیا۔ تو اُس نے پوچھا۔ بابو جی کہاں جانا ہو گا؟

بپن نے کہا۔ جہاں تمہاری خوشی ہو۔ رستہ رستہ گھومو۔

گاڑی جاں بلب مریض کی طرح اس رستہ اُس رستہ میں بے مطلب گھومنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ساڑھے نو بجے کی توپ چلی۔ اور اُس توپ کی آواز سُنکر گھر گھر میں لوگ "بم کالی" کہہ کر چونک اُٹھے۔ گاڑی والے نے کہا۔ بابو جی! اور کتنی دیر گھومو گے؟

رتن و مالتی دونوں اب تک بحرِ خیالات میں غوطہ زن تھے۔ توپ کی آواز اور گاڑی والے کے سوال کو سنکر رتن نے متحیر اور ششدر شخص کی طرح کہا۔ کہاں جاؤں گا؟

مالتی نے کہا: سُنا ہے۔ کلکتہ میں جا بجا ہوٹل ہیں وہیں چلو نہ؟

رتن نے مصیبت زدہ لہجہ میں کہا۔ ہوٹل؟ ہاں! ہیں تو! مگر کہاں؟ یہ معلوم نہیں۔

گاڑی والے سے کہو۔ وہ تلاش کر کے کہیں پہونچا آئے گا۔

کہیں بے جانی پہچانی جگہ جانے سے نہ معلوم بالآخر کس مصیبت کا سامنا ہو؟ یہ سوچنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ کہیں نہ کہیں تو جانا ہی ہوگا۔ تمام رات تو گاڑی میں گھومنے سے کام نہیں چلے گا۔

رتن نے کسی قدر متفکر ہو کر کہا: چاچی جی کے پاس چلنا چاہیئے۔ مگر اُن کا تو پتہ بھی معلوم نہیں۔ بالآخر کیا کاشی جی کے بدمعاشوں کے ہاتھ پڑنا ہوگا... ایک جگہ تو مجھے نظر آئی... گورو جی کے آشرم میں چلو۔

مالتی نے متحیر ہو کر کہا: گورو جی! آپ کے گورو جی کون؟ اُن کا آشرم کہاں ہے؟

اُن کا آشرم گنگا کے کنارے ہے۔ اُن کا نام شری پریم آنند سوامی ہے۔ وہ سنیاسی ہیں۔ مہاپُرش۔ غیر معمولی شخصیت!

مالتی نے کہا: پریمانند! مانا کہ وہ پریمانند ہیں۔ مہاپُرش ہیں۔ مگر سنیاسی کے آشرم میں ہم لوگ کیوں جائیں گے؟

بپن اس سوال سے کسی قدر شرما کر کہنے لگا۔ دیکھو مالتی! معلوم ہوتا ہے۔ میرا اور تمہارا دنیاوی میل و ملاپ ایشور کی مرضی کے برخلاف ہے۔ ورنہ ان بیہودہ واقعات کا ظہور کیوں ہوتا؟ گورو جی مہاراج نے فرمایا ہے۔ تمہارے ساتھ میرا دنیاوی میل و ملاپ راحت بخش نہیں ہوگا۔ چلو ہم دونوں سنیاس دھرم قبول کریں۔ خواہشات کو چھوڑ کر دونوں روحانی طور پر ملیں گے۔ دونوں پاس پاس رہ کر اور محبت کے استوار و غیر متزلزل تسلط کو مد نظر رکھ کر دنیا کی خدمت کریں گے۔ میں آج دن ہی دل میں کئی دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں۔ میں خواہشات سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ایشور مجھ پر پتھر برسا رہا ہے۔ اور راستہ راستہ میں آوارہ گردی کی نوبت آ گئی ہے۔ دنیا کے تمام مکانات کا دروازہ ہم لوگوں کے لئے بند ہے۔ صرف اسی ذات پاک کے آشرم میں کسی قسم کی بندش نہیں۔ چلو ہم لوگ وہاں ہی چلیں۔ سنیاس ہی ہمارا آخری سہارا ہے۔ قدرت اپنے گوناگوں اشاروں سے ہمیں بھی سبق دے رہی ہے۔

بپن کی یہ باتیں مالتی کے دل میں سلاخ کی طرح چبھنے لگیں۔ وہ اتنی بے عزتی اتنی لعنت ملامت اور اس قدر مصیبتیں اپنے سر پر لے کر جو بپن کے ساتھ بحر بے پایاں میں ڈوبی تھی۔ کیا اسی کے لئے؟ وہ ہندو بنگالی گھر کی بہو ہے کتنی زبردست محبت کشش اور تاثر کے محدود دائرہ کو پار کر کے بپن کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوئی تھی۔ اس تیاگ اور اس محبت عمیق کی وسعت بپن نے نہیں سمجھی۔ وہ آج ایک مشکل اور عدم سہولیت دیکھ کر ما وجہ زندگی کو بدلنے کی بات زبان پر لایا۔ ایک بار بھی سوچ کر نہ دیکھا کہ مالتی نے اس کے لئے کیسی کیسی قربانیاں کی ہیں اور کس قدر تکلیفیں اٹھا کر اس کے لئے سب کچھ تیاگ کیا ہے۔ اس نے متانت پذیر لہجہ میں کہا: جو آپ کی مرضی کیجئے گا۔ مگر جب تک تو کشور بابو واپس نہ آ جائیں۔ اس وقت تک صبر کیجئے۔ ان کا انتظار کرنا ہر طور مناسب ہے۔ آج ہوٹل ہی چلئے۔

پھر تو کشور کا نام ہی بپن کے اوپر مالتی کو [illegible] کی کیسی محبت [illegible] ہو گیا

ہوگیا

اسی کا نام محبت ہے ؟ نوکشور ہی اگر اس کا بڑا خیر خواہ ہے۔ تو وہ نوکشور کے ساتھ ہی حساب کتاب کرے۔ بین کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہ رہے۔ یہی اچھا ہے۔ بین تو یہی چاہتا ہے۔ ایشور کے نظر نہ آنے والے ہاتھ اُس کے تمام بندھن کھولے دیے ہیں۔ یہ گورو دیو کی کرپا کا پھل ہے۔ کیا اسے وہ نہیں سمجھتا؟ بہت اچھا یہی ہوگا مالتی کو نوکشور کے ہاتھوں میں سونپ کر ہی بین آزاد ہوگا۔

یہ سوچ کر بین نے گاڑی والے کو کسی ہوٹل میں لے چلنے کا حکم دیا۔ گاڑی بان نے بہت تلاش کر کے اُنہیں ایک ہندو ہوٹل میں اُتارا۔ بہت کچھ پکارنے اور دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد ہوٹل کے نوکر آئے اور اندر لے گئے۔ گاڑی والے کو کرایہ دے کر دردمنددل سے بین و مالتی نے ہوٹل کے دو کمروں میں بستر بچھا کر آرام کیا۔ پنچا نے اپنا کمبل لے کر مالتی کے کمرے کے دروازے کے سامنے ڈیرا لگایا۔

(۳۶)

صبح ہوتے ہی کلکتہ میں بدستور وہی شور و شر جاری ہوا۔ سیٹیاں بجنی شروع ہوئیں۔ فقیر کھڑتال بجا بجا کر بھیک مانگنے لگے۔ پھیری والے اپنے سودے کی ہانک لگانے لگے۔ اتنے پر بھی جس کی آنکھ نہیں کھلی، وہ کُنبھ کرن نہیں تو اور کیا ہے؟ بین اور مالتی بھی بیدار ہوئے۔

بین نوکشور کے خط کے انتظار میں ایک مرتبہ تارک کے گھر گیا۔ کوئی خط نہیں آیا تارک نے کہا۔ چلو تمہاری قیام گاہ دیکھ آؤں۔ خط آنے پر میں پہونچا دوں گا۔ نکنو کو خبر دینی ہوگی۔ اس لئے تارک نے یہ اصرار کیا۔

قیام گاہ میں واپس آتے ہوئے بین نے اپنے آپ کو بہت پریشان محسوس کیا۔ ماں کے اس قدر پیار کی دولت بین دوسروں کی کوشش و ہمت کی وجہ سے بالکل نکما سا ہو گیا تھا۔ اُس وقت اُس کا اگر کوئی سہارا تھا۔ تو وہ نوکشور کی زبردست اور بے لاگ محنت کا تھا۔ آج اس ناواقف جگہ قیام میں تمام انتظام کا بار اُسی پر پڑا۔ اُس نے

اس سے پہلے کبھی کسی آرام یا اپنی سہولیت کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ آج سب کام ہی کو کرنے ہوں گے۔ آج اسے کھانے پینے کی تمام چیزوں کا انتظام کرنا ہوگا۔

وہ تلاش کر کے سب چیزیں مہیا کرنے والا شخص نہیں تھا۔ اور یہ تمام کام شیکسپیئر گیٹے بنکم چندر اور رابندر ناتھ کو بھول کر کرنے ہوں گے۔ یہی سوچ کر اُس کا دل نا تُشفی اور تکان سے چور چور اُٹھا۔ گھر آنے کے لئے اُس کے پاؤں نہ اُٹھتے تھے۔ وہ رہ رہ کر دل میں یہی سوچتا تھا۔ ولائیت میں جیسے بعض بعض خاندان تمام زندگی ہوٹل میں ہی گزار دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح اپنے آپ کو بنائے گا۔ گرہستی کے کاروبار کا بار اپنے سر پر نہ لے گا۔ سب سے زیادہ سہولیت تو اسی میں ہے کہ اگر وہ سوامی جی مہاراج کے آشرم میں پہونچ جائے۔ اسی فکر میں وہ اُلجھ گیا۔

جب بپن بے فکر ہونے کے لئے بیچین ہو اُٹھا تھا۔ اُس وقت مالتی رہنے سہنے کا ٹھکانہ پا کر بھی بے چین تھی۔ اسے کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔

مالتی آج اس گھر کی ایک طرح یہ مالکہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ دُکھ میں بھی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے نہانے دھونے کے بعد ہی کہا۔ پنچا دادا! ہوٹل کا یہ ناپاک اور چھوت کھانا ٹھیک نہیں۔ تم مینیجر سے اجازت لے آؤ اور بازار سے سب سامان لے آؤ۔ میں خود ہی کھانا پکاؤں گی۔

پنچا چلا گیا۔ مالتی تیار ہو کر سب کام میں مصروف ہو گئی۔ بپن نے آ کر دیکھا کہ اُس کے لئے کوئی کام باقی نہیں۔ مالتی نے خود ہی ہر چیز کا انتظام کر لیا ہے۔ بپن کی جان میں جان آئی۔ گھر گرہستی کے کاموں میں ہی عورتوں کی سہولیت پسند طبیعتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ بپن مالتی کا یہ حُسن انتظام دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ایک ناواقف مقام میں اُس نے ساکشات کلیانی اَن پورنا کا جلوہ مالتی کی شکل میں دیکھا۔ اس سے پیشتر مالتی کا یہ روپ اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آج مالتی کے اس روپ نے بپن کے دل میں ایک نئی حلوہ گری کر دی۔ یہ بانند کا مرہ اُس کے دل میں جو فاصلہ پیدا کر

رہا تھا۔ مالتی کا یہ حُسنِ سلوک اور طرزِ معاشرت کا انداز دیکھ کر تمام انفعال جاتا رہا۔
اتنے دن تمام دُنیا اور گھر والوں کو بھول کر سب کچھ دے کر بپن نے جسے چاہا تھا اُسے آج پایا۔ آج دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ آج بپن کی خوش نصیبی کا مبارک دن تھا۔ مگر آج کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہونے پر بھی میل و ملاپ میں ہچکچاہٹ تھی۔ آج بپن اپنے راستہ میں خود ہی رکاوٹ ثابت ہو رہا تھا!

دو دن گزر گئے۔ مالتی کو اکیلے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ اور جا نہیں سکا یہ فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کے میل ملاپ سے بھی نہ ٹوٹا۔ بپن بیٹھا بیٹھا صرف سوامی جی کی بات کہتا تھا اور سوچتا تھا اور مالتی سوچتی تھی۔ مردوں کی ذات کیسی ہوتی ہے۔ ذرا بھی استقلال، استحکام اور سکون نہیں۔ دم دم پر نئے نئے مزے لینا چاہتا ہے وہ بار بار یہی خیال کرتی تھی۔ بپن کے دل میں سنیاس کا جو سودا سمایا ہے وہ صرف اسے چھوڑ کر آزادی حاصل کر سکنے کے لئے۔ سچ ہے۔ زمیندار کا لڑکا بپن رفتہ رفتہ چوٹ پر چوٹ کھا کر بھاگ جائے گا۔ اس میں تعجب نہیں۔ مگر کیا وہ ہر قسم کا دُکھ صرف مالتی کے لئے اٹھا رہا ہے۔ کیا مالتی نے بپن کے لئے کوئی تکلیف نہیں اٹھائی؟ وہ ہندو بنگالی گھرانے کی لڑکی ہے بیوہ ہو کر اُس نے شادی کرنا قبول کیا ہے۔ اس میں جس قدر شرم، نندا، ملامت نفرت ہے اُس نے بخوشی تمام برداشت کیا اور کر رہی ہے۔ یہ تو اگنی پریکشا سے بھی کہیں زیادہ خوفناک ہے۔ کیا ان سب کی کوئی حقیقت نہیں۔ اُسی آزمائش میں اُس نے جس کا مُنہ دیکھ کر بغیر کسی رکاوٹ کے قبول و منظور کر لیا تھا۔ وہی آج اُس کا تمام تسکین و سہارا ضائع کر کے بیکسی و بےبسی کی حالت میں ترک کرنے کے لئے تیار ہوئی ہے؟ اس سے زیادہ بے عزتی اُس نے زمیندار کے گھر میں بھی محسوس نہیں کی تھی۔ جتنی آج بپن کے اس سلوک سے کر رہی تھی۔

مالتی برآمدے کے ایک سمت بیٹھی ہوئی دیکھتی تھی کتنے دولت و ہم و دماغ [illegible]

اور خیرہ بخش روشنی میں شادی کرنے جاتے تھے۔ کتنی بہوئیں شادی کی رنگین و دلفریب لباس سے مزین ہو کر اُس منہ لئے ناواقف شوہر کے ساتھ سسرال جا رہی ہیں دیکھ دیکھ کر وہ گھر سے سانس بھرتی تھی۔ اپنی بدقسمتی کو یاد کر کے شرم اور بے عزتی سے دل کی تمام اندرونی طاقتیں اُسے لعنت و ملامت کرتی تھیں۔

بپن کے ساتھ ایک آخری تقریر و گفتگو کی ضرورت لاحق ہوتی تھی۔ اگر بپن اُس سے شادی نہ کرے۔ تو اُس کے ساتھ اُس کا دم بھر بھی ٹھہرنا مناسب نہیں۔ گلی گلی میں بھیک مانگنا اس سے کہیں زیادہ باعزت کام ہے۔ اور یہ اس سے کہیں زیادہ اس میں سکھ ہے۔ اگر اس وقت وکشور موجود ہوتا۔ تو بہت اچھا تھا۔ لیکن اگر کوئی مددگار نہیں تو اُسے خود ہی نوشتۂ قسمت کو آیت ناطقہ سمجھنی ہوگی۔ عورتوں کے لئے یہ بڑے شرم کی بات ہے مگر اب کوئی دوسرا نہیں!

جب مالتی عہد کر کے بپن سے یہ سب باتیں کہنے گئی۔ اُس وقت وہ باتیں زبان پر لانے سے پیشتر ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

حسین عورتوں کی آنکھوں کے آنسو دیکھنے میں نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔ بمشکل بپن بیٹھا بیٹھا آرزومندانہ نگاہوں سے یہی دیکھنے لگا۔ یکایک اُس کے دل میں آیا۔ نہیں۔ نہیں یہ سب موہ ہے۔ یہ محض ایک دنیوی جال ہے۔ اس وقت اُس نے اپنی طاقتوں کو جمع کر کے ایک پُر اثر تقریر کے ذریعہ سے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ کہ خواہشات کے چکر میں سراسر سرگردانی ہے۔ یہ تو معمولی سی بات ہے۔ اس سے کہیں زیادہ الجھنیں اور پریشانیاں سد راہ ہو نگی۔ اصلی راحت روحانی میل ملاپ میں ہے۔ سوامی جی مہاراج کی کرپا اور دیا سے وہ راحت نصیب ہو گی۔ عین اسی وقت تارک مکند کو ساتھ لئے ہوئے ہوٹل میں آیا۔ اور پولیس کی عدالت دیانی کورٹ میں مقدمہ پیش کرنے کی بات بھی مالتی و بپن کو سمجھا کر سنا گیا۔

پن نے کہا۔ دیکھو مالتی! قدرت کی بہت سی رکاوٹیں ہمارے میل ملاپ کے راستہ میں سدِّ راہ ہو رہی ہیں۔ چلو ہم سوامی جی کے آشرم میں پناہ لیں۔

مالتی نے لجاجت آمیز لہجہ میں کہا۔ کچھ دن اور ٹھہر جئے۔ نوکشور بابو کو [illegible]

پھر نوکشور! مالتی سوچ رہی تھی۔ کہ بھیّا کی یہ کمزوری تو نوکشور کو پاتے ہی دور ہو جائے گی۔ اس زبردست سیلاب میں یہ سب خس و خاشاک کی طرح بہ جائینگی نوکشور میں ایک ایسی طاقت ہے۔ کہ وہ تمام رکاوٹوں کا باندھ توڑ کر ساحل کے کنارے پہونچا دیگا۔ وہ ایشور کے روبرو ہاتھ جوڑ کر درخواست کرنے لگی بھگوان! نوکشور کو جس قدر جلد ہو سکے بھیجو!

ادھر نوکشور پر مالتی کا اعتقاد اور بھروسہ دیکھ کر اس نے یہ سوچا۔ کہ مالتی نوکشور پر لٹو ہو گئی ہے اس وجہ سے اس کا دل نوکشور کی جانب سے متنفر ہو گیا

پن کو اس کے درمیان شروع سے اخیر تک اپنے دوست کا مطلبی کھیل نظر آیا اس نے دیکھا۔ کہ اس کا دوست نوکشور پن کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کر کے نوجوانوں کے ریفارمر کے نام سے مشہور ہونا چاہتا ہے۔ اُف! کس قدر خوفناک ٹھگ بازی ہے! پن کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس کی تباہی میں کسر ہی کیا اٹھا رکھی ہے؟ پاٹ شالا کا بانی کر کے اس کی اتنی بڑی جائداد اپنے ہاتھوں میں کر لی ہے۔ موجودہ زمینداری اور ماں باپ کی محبت سے صرف اسی کیلئے اس نے ہاتھ دھو دیئے۔ بالآخر مالتی کا دل بھی چھیننے کے لئے اس نے جال بچھایا۔ یہ جال کیا ہے؟ اس کی نسبت واضح طور پر علم حاصل نہ ہو سکنے پر بھی اس میں کوئی نہ کوئی اسرار ضرور ہے۔ ورنہ مالتی اس کے لئے اس قدر پریشان کیوں ہوتی؟ اس جال کی ماہیت پن کی سمجھ میں بخوبی نہ آئی تھی۔ تو بھی اُسے وہ خوفناک سمجھتا تھا۔ سوامی جی مہاراج کی دیا سے اس کی گیان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اُسے خوب ذہن نشین ہو گیا تھا۔ کہ تمام سنسار مایا کا چکر ہے۔ پن اس مایا میں پھنسا نہیں چاہتا تھا۔

اس طرح اور بھی دو دن گزرے۔ اس کے بعد تیسرے دن نو کشور یکایک آ موجود ہوا۔ وہ تارک سے کتنی ہی باتیں سنکر آیا تھا۔ ہوٹل میں آتے ہی اُس نے بین سے کہا۔ "اچھے آدمی ہو۔ اتنے دنوں سے ہوٹل میں پڑے ہو۔ ایک مکان کرایہ پر لے لیا ہوتا۔ لو اُٹھو!

بین کے کمزور دل میں نو کشور کے اس سادہ مگر زبردست سلوک نے بین کو شرم سے پانی پانی کر دیا۔ اُس نے رنجیدہ لہجہ میں پوچھا۔ کیوں؟ کہاں جاؤں گی؟

میں مکان ٹھیک کرا آیا ہوں گاڑی دروازے پر تیار کھڑی ہے۔ دوپہر ہو گئی ہے اب حضور تشریف لے چلیں۔ یہاں کوئی منع کرنے والا نہیں۔ رہنے نہ دوں گا۔ یہ کہنے والا میں حاضر ہوں۔ اُٹھو۔ اُٹھو!!

بین نے متحیر ہو کر مشکوک لہجہ میں کہا:۔ تم کب آئے اور کب مکان کرایہ پر لیا؟

میں صبح پنجاب میل میں آیا ہوں۔ تارک سے تمام حالات سنکر میں نے سب سے پہلے مکان کرایہ پر لیا۔ اس کے بعد تمام انتظام کر کے اب یہاں آ رہا ہوں۔

بین نے چہرہ کو حتی المقدور سنجیدہ بنا کر کہا۔ سُنا ہے۔ عدالت میں نالش کی گئی ہے

نو کشور نے بے پروائی سے کہا: اچھا! اس کے لئے کچھ فکر نہ کرو۔ مالتی بالغ ہے اس کی جو خوشی ہو۔ کر سکتی ہے۔ جہاں جی چاہے۔ رہ سکتی ہے۔ اُس کے جیٹھ میں یہ طاقت نہیں۔ کہ اُسے شادی سے روکے۔ اور یا اُسے واپس لے جائے۔

نو کشور کی اس حوصلہ بخش گفتگو سے بین کا جی خوش نہ ہوا۔ اُس نے جو سوچا تھا وہ نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا یہ کئی دن کسی طرح مالتی نے مغموم و متفکر ہو کر کاٹے ہیں۔ آج وہ خوش ہو کر نو کشور کی ایک ایک بات نہایت یکسوئی سے سُن رہی ہے اُس کا چہرہ اور آنکھیں ہنسی سے بھرپور ہیں اور عضو عضو سے گویا خوشی ٹپکی پڑتی ہے

مگر نو کشور نے بین کی طرف نہ دیکھ کر شادی کے گھر میں منتظم شخص کی طرح جو منہ میں آیا بکنے لگا۔ عدالت کا جھگڑا ختم ہوتے ہی فوراً شادی کرنی ہوگی۔ مگر کیسے بھی

ایک مشکل کا سامنا ہوگا۔ میں خود آج کئی دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں۔

مالتی نے بے چینی سے آنکھیں پھاڑ کر نوکشور کے چہرے کی طرف دیکھا بپن نے جلدی سے پوچھا۔ کیا؟

نوکشور کہنے لگا۔ سوچ رہا ہوں۔ کہ شادی کس طریقہ پر ہوگی۔ موجودہ رسم و رواج کے مطابق اگر شادی کی گئی۔ تو اگنی کو بھگوان اور شلا کو سالگ رام قبول کر کے شادی کرنی ہوگی۔ مگر جب ہم اُسے اپنے عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اُس پر اعتبار نہیں کرتے۔ تو اُس کی پیروی فضول ہے۔ اور سالگ رام و اگنی کا ہون نہ کرنے پر شادی قانون کے مطابق جائز نہ قرار دی جائے گی۔ قانون کے مطابق اگر رجسٹری کرا کر شادی کی جائے تو ٹھیک ہے۔ مگر اُس کارروائی سے پھر ہم اپنے آپ کو ہندو نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ قبول کرنے کے لئے ہم ہرگز تیار نہیں۔ ہم ہندو ہیں ہزار بار ہندو ہیں۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ہم اپنے آپ کو غیر ہندو ماننے کے لئے تیار نہیں ... خیر! شادی کے لئے تم لوگ فکر نہ کرو۔ کوئی نہ کوئی تدبیر غور و خوض کر کے ہم نکال ہی لینگے۔ اس وقت چلو۔

سب اپنا اسباب وغیرہ لیکر گھر آئے۔ نوکشور بابو کوئی نہ کوئی مناسب تدبیر عمل میں لائیں گے۔ اسی وجہ سے مالتی بے فکری ہوگئی تھی۔ اُس کی تمام فکر جاتی رہی تھی۔ صرف بپن سوچتا تھا۔ نوکشور حد سے زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ بھی شائد اُس کی کوئی چال ہے۔ جس میں مالتی کے ساتھ میری شادی نہ ہو۔ یہ اُسی کے لئے جال پھیلائے گئے ہیں!

بپن نوکشور پر پہلے کی طرح کھلے دل سے یقین نہ کرتا تھا۔ اُدھر اُس کا کمزور دل نوکشور پر دل کھول کر اظہار ناراضگی بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ دل ہی دل میں نوکشور کی جانب سے کچھ متنفر سا تھا۔ تاہم اُس کی ہمت گوارا نہ کرتی تھی۔ کہ وہ اپنی زبان سے کچھ بُرا بھلا کہے۔ اسی وجہ سے اُس کا دلی غصہ اُسے اندر ہی اندر

خاک کئے دے رہا تھا۔

(۳۷)

مقدمہ ختم ہو چکا تھا۔ بپن اس وقت مالتی سے بآسانی شادی کر سکتا تھا مگر اُس کی طبیعت ان مزخرفات کی وجہ سے دُنیا سے اور بھی مکدّر ہو گئی تھی۔ روز روز عدالت میں آنے جانے عورت کے متعلق کورٹ میں سب کے سامنے کھڑے ہونے کی شرم اور ناظرین کی تحیّر و مضحکہ خیز نگاہوں کی چوٹ اور سب سے زیادہ فریق مخالف کے وکلا کی جرح سوالات پر سوالات نے بپن کو پاگلوں سے بھی بدتر بنا دیا اُس نے ان تمام باتوں میں مالک کے الطاف و اکرام پوشیدہ دیکھے۔ ادھر مالتی ڈاکٹر کے عمر کے امتحان وکلا کی جرح و تمسخر آمیز گفتگو کے تیروں کی بارش صرف اس وجہ سے برداشت کر رہی تھی کہ اس قدر بے عزتی لعنت ملامت کے بعد وہ بپن کے پیار و محبت کی بہار دل کھول کر لوٹ سکے گی۔ اسی امید پر وہ سب کچھ سہہ رہی تھی۔

جتنے دنوں تک مقدمہ چلتا رہا اتنے دنوں تک سر پٹکنے پر بھی نوکشور نے شادی کرنے کی کوئی تجویز باوجود تلاش بسیار نہ پائی۔ کسی سے دھرم کی رکاوٹ اور کسی سے قانون کی خلاف ورزی۔ شادی کا رجسٹری شدہ قانون ایسا کیوں ہوا اتنے دنوں سے برابر یہ قانون جاری ہے مگر کسی کے خیال میں بھول کر بھی یہ بات نہ آئی۔ مگر جو نہیں ہوا۔ اُس کے لئے دُکھ کرنا بے سود ہے۔ اس وقت تدبیر؟ اُس کی سمجھ میں کوئی تدبیر بھی نہیں آئی۔ تو کیا اس کی شادی نہ ہوگی۔ فیصلہ کرنے کی قابلیت نوکشور میں کہاں؟

جس وقت نوکشور بپن کی شادی اور اُن کی گھر گرہستی کا انتظام کرنے کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ بپن اس وقت اچھا موقع پا کر ہر روز بلاناغہ پریا نند مہاراج کے آشرم میں آنے جانے لگا۔ آنتی خائف ہو گئی۔ شاید بپن مالتی کو

خود غرض یا مکّار سمجھ کر اس سے ناراض ہو۔ اس خوف سے اُس نے بپن سے کبھی کوئی بات نہیں کہی۔ اُدھر اُس کی خواہش یہ بھی تھی۔ کہ پریا نند کے اثر سے اُسے بال بال بچالوں۔ ایک دن اُس نے بہت خائف ہو کر نوکشور کی پناہ لی اُس وقت بپن موجود نہیں تھا۔ مالتی نے نوکشور سے کہا۔ آپ کے دوست آج کل کہاں آیا جایا کرتے ہیں۔ کیا آپ کو کچھ علم ہے؟

مالتی کا مغموم و مایوس چہرہ اور تفکرانہ لہجہ میں دیکھ کر نوکشور نے خائف ہو کر کہا۔ نہیں۔ کیوں؟ وہ کہاں جاتے ہیں؟

سنیاسی کے اکھاڑے میں! وہ سنیاسی ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔۔۔۔

یہ بات سُنتے ہی نوکشور قہقہہ لگا کر ہنس اُٹھا۔ بپن سنیاسی ہو گا۔ تو اُن کے کپڑے رنگنے کے لئے پنج دادا اور صلاح و مشورہ دینے کے لئے مجھے بھی سنیاسی ہونا پڑے گا۔ صرف یہی کیوں۔ تمہیں بھی سنیاسی ہونے کی ضرورت پڑیگی۔

مالتی نوکشور کی ہنسی اور باتوں سے شرما کر کبیدہ خاطر لہجہ میں بولی۔ آپ تو ہنس رہے ہیں۔ مگر مجھے بہت خوف معلوم ہو رہا ہے۔ وہ رات دن سر جھکائے منہ خشک کئے صرف سنیاس کی بات ہی سوچتے رہتے ہیں۔ مجھے بھی سنیاسی ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا یہ میل ملاپ قدرتی اصولوں پر مبنی نہیں اور اُن کے گورو نے اُنہیں ذہن نشین کرادیا ہے۔ کہ اس قسم کا میل دھرم کے مطابق نہیں ہے۔۔۔۔۔

نوکشور نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ گورو! گورو کون؟

اُن کا نام پریا نند۔ گنگا کے کنارے آشرم ہے۔ اُسی آشرم میں وہ روز جاتے ہیں۔ عرصۂ دراز کے لئے جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

پریا نند کا نام سُنکر نوکشور متفکر ہوا۔ اس نے پریا نند کو ایک دن ہی دیکھ کر سمجھ لیا تھا۔ کہ اُن میں ایک غیر معمولی کشش اور اعجاز ہے۔ اور آج کل نئے تعلیم یافتہ

نوجوان بالخصوص پروانہ وار ان کے شمع عقیدت پر نثار ہو رہے ہیں۔ یہ خبر بھی اُن سے پوشیدہ نہ تھی۔ اِسی رنگ میں بپن بھی رنگ گیا ہے۔ اور اس کا اُن کے اکھاڑے میں مل جانا کچھ تعجبات سے نہیں ہے۔

گو نوکشور دل ہی دل میں بہت متفکر ہوا تھا۔ مگر بظاہر اُس نے اُسی خوشدلی سے کہا۔ تم اسی وجہ سے اُداس ہو۔ کہ بپن سنیاسی ہو جائے گا؟ تمہیں کوئی خوف نہیں۔ تمہارے پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کے دونوں پروں میں بہت جلد ہی شادی کی سُنہری زنجیر سے جکڑ کر تمہارے ہاتھ میں دے دوں گا۔ تم بے فکر رہو۔

مالتی کو نوکشور کے ساتھ نہائیت عقیدت تھی۔ وہ تسکین و تشفی کی باتیں سُنکر خوش ہو گئی۔ مگر نوکشور کے آسمان دل پر تباہی آمیز خوف کے سیاہ بادل چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر چھا گئے۔ تاریکی کے سوا روشنی کی ایک دھندلی سی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

نوکشور نے نہائیت متفکر ہو کر طے کیا۔ کہ اب ان دونوں کی شادی میں ایک دن کی دیر بھی مناسب نہیں۔

دوسرے دن ہی نوکشور نے بپن سے کہا۔ بپن! تم کس طریقہ سے شادی کرنا پسند کرتے ہو۔ میں تو سوچ سوچ کر حیران رہ گیا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی اب، تم جس طریقہ سے شادی کرنا چاہو مجھے بتا دو۔ تاکہ میں ویسا انتظام کروں۔

بپن نے سر جھکا کر کہا۔ میں شادی نہیں کروں گا۔

نوکشور اگر زور دے کر شادی کرا دیتا۔ تو میں شاید کوئی رخنہ نہ ڈالتا۔ مگر نوکشور اسی کے اوپر تمام بار ڈال دیا۔ اس وجہ سے اُس نے موقع پا کر کہا۔ میں شادی نہیں کروں گا۔

نوکشور نے یہ جواب سُنکر غصہ سے بادل کی طرح گرج کر کہا۔ تمہیں ایسے الفاظ زبان سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ایک شریف خاندان کی لڑکی کو

تمام ٹھکانہ سے محروم کر کے اتنے دور کھینچ لائے۔ اور آج اُسے اس طرح خراب و خستہ کرنا چاہتے ہو۔ تم نہایت بزدل شخص ہو۔

نوکشور کے غصہ کو دیکھ کر ہپن بھی گرم ہو کر بولا۔ شریف گھرانے کی لڑکی کو جو اتنی دور کھینچ لایا ہوں۔ اُس کے لئے میں ذمہ وار ہوں۔ تم نہیں؟ تمہیں نے تو شروع سے میری خواہشات کے ایندھن میں ہوا کر کے اُس آگ کو خوب مشتعل کر دیا ہے اب تجھے ہوش آیا ہے۔ تم خود مالتی کو پیار کرتے ہو۔ مالتی بھی مجھ سے کہیں زیادہ تمہاری محبت کا دم بھرتی ہے۔ تم ہی اُس سے شادی کر لو۔

اتنے دنوں سے جو شک نفرت کی گرمی ذرا ذرا ہپن کے اندر اُس کی عدم واقفیت میں پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ آج نوکشور کی تذلیل و تحقیر سے یکایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح بھڑک کر ہپن کے منہ سے اُس کے اتنے دنوں کے شکوہ و تسلی کے تمام سرمایہ کو دم بھر میں جلا کر خاک کر دینے کے لئے باہر نکل آئی۔ اس آگ کو بجھانے کے لئے بہت دنوں تک آنکھوں کے آنسوؤں کی ضرورت پڑے گی۔ ضائع شدہ عظمت کو واپس لانے کے لئے سخت کوشش اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

نوکشور ہپن کی ناگوار باتیں سنکر نہایت خفیف ہو گیا۔ مالتی کے سامنے ایسی فضول اور دل سوز باتیں ہپن کی زبان سے کیونکر نکلیں۔ نوکشور اسے سوچ بھی نہ سکا۔ وہ جو مالتی کو کسی قدر پیار کرتا ہے یہ وہ خود بھی قبول نہ کرتا تھا۔ مگر ہپن جب اُس نہایت پوشیدہ خبر کو اپنے دل کی تاریک گپھا سے کھینچ کر باہر لایا اور روشنی میں پھیلا کر رکھا۔ اُس وقت اسی بات کے پردوں میں سچائی کے بیج یکایک جادو گر کے لگائے ہوئے درخت کی طرح پیدا ہو کر بار آور ہو گئے۔

اُس کا ظاہری حسن موہ کے پردوں میں چھپا رکھنا مشکل تر ہو گیا۔ اُس نے اپنے متحیر دل میں پیچھے پھر کر دیکھ لیا۔ اسی موسم بہار کی طرب خیز اور فرحت افزا

شام میں مالتی کے ساتھ پہلی ملاقات کے دن اُس کا وہ بے حجابانہ حوصلہ دیکھ کر وہ مفتون ہو گیا تھا اس کے بعد زمیندار رجہا شے کے مکان میں مالتی کی لعنت ملامت دیکھ کر وہ ہمدردی سے اس کی طرف کھنچ گیا تھا۔ مالتی کو تسکین و تشفی دیکر اُس نے اُس کا وشواس حاصل کیا تھا۔ سب سے آخیر میں جس دن اس کے باپ نے مالتی کو اپنی بہو کی حیثیت میں قبول کرنے پر تیار ہو کر نوکشور کے دل میں دم بھر کے لئے امید و مسرت کا ایک خیالی سرور پیدا کر دیا تھا۔

آج بھی اُن تمام باتوں کی یاد اُس کے دل میں اُسی طرح جیتی جاگتی تھی۔ اتنے دنوں تک وہ برائے نام غنودگی کی حالت میں رہی۔ بپن کے بے رحمی کی چوٹ سے وہ تکلیف شور و شر اور بین و بکا مچاتی ہوئی دم کے دم میں بیدار ہو گئی۔ نوکشور نے اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹول کر مالتی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ دیکھا۔ وہ بپن کی بے شرمی کی چوٹ سے خائف ہو کر لال لال منہ بنائے سر جھکائے کھڑی ہے۔ نوکشور کے دل میں آیا۔ اس بے شرم۔ بزدل کی بے رحم چوٹ سے مالتی کو محفوظ رکھنے کا حق و تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت وہ اپنے جوش کو دبا کر بپن کے چہرے کی طرف دیکھ کر ملامت خیز ہنسی ہنسکر کہا۔ تم بزدل بن کر اگر اسے چھوڑ دو۔ مگر میں نہیں چھوڑ سکوں گا۔ مالتی اگر پسند کرے گی۔ تو میں اُسے ہرگز مایوس نہ کرونگا بس۔ تو آج سے میں نے چھٹی پائی۔ مالتی کے متعلق اب میری کوئی ذمہ واری نہیں۔ میں سبکدوش ہوا۔ یہ کہتے کہتے بپن جلدی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔ مگر بپن کے دل میں یہی خیال آنے لگا۔ ممکن ہے یہ بے رحم الفاظ مالتی کے دل کے نازک ترین حصوں میں تیر کی طرح جا کر چبھے ہیں مگر جو تیر ... اب واپس آسکتا ہے؟

آج مالتی کی ذلت و تحقیر کی حد ہو گئی۔ وہ جسے پیار کر کے اس قدر دُکھ درد برداشت کر رہی تھی۔ آج وہی بلا وجہ اُس کو دوسرے کے ہاتھ میں سپرد کر کے چلا گیا۔ مالتی نوکشور کو اپنا سچا بہی خواہ اور ہمدرد سمجھتی تھی۔ وہ دل سے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کرتی تھی۔ آج اسی نوکشور کی پوشیدہ پیار و محبت اُس کے سامنے بے نقاب ہو کر صفحۂ ہستی سے اُسے نیست و نابود کرنے کی تدبیر کر رہی تھی۔ مالتی کا نوکشور پر دوست کی طرح بھروسہ دیکھ کر نوکشور اور بپن نے اُسے پیار کی بے چینی سمجھ کر اُس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ سلوک مالتی کو چوٹ پر چوٹ پہونچانے لگا۔ ساتھ ہی ان دو مردوں کا یہ تمسخر آمیز مذاق مالتی کو پاگل بنائے دیئے رہا تھا۔ بپن جب کمرے سے باہر گیا۔ اُس وقت مالتی جیسے ایک زبردست چوٹ سے دم بھر کے لئے حواس باختہ سی کھڑی رہی۔ اُس میں کچھ سوچنے سمجھنے کی طاقت بھی باقی نہ رہی۔ اُس کا دل پُر سکون اور خاموش رات کی تاریکی میں ڈوب گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے بڑے بڑے پُر پیچ چاکر رقص کرتے ہوئے دنیا کو گردش میں لا کر اُسے مخوف اور ہیبتناک نگاہوں سے گھور رہے ہیں۔ اور اُن کے درمیان سبز رنگ کے بیشمار آگ کے بگولے پریشان خاطر اور وارفتہ شہد کی مکھیوں کی طرح دیوانہ وار بھنبھنا رہی ہیں۔ اس کے بعد جب ہوش آیا۔ تو ایک پریشان کن اضطراب سے اُس کا دل بھرپور ہو گیا۔ اُسے احساس ہوا کہ جو تھوڑی بہت سہولتیں خوش نصیبی سے اس کے لئے بچی ہوئی تھیں۔ اس شور و شر میں وہ بھی ہمیشہ کے لئے غول بیابانی کی طرح فضا میں مل گئی۔ اُس وقت آنسوؤں کا ایک زبردست سیلاب مالتی کے سینہ سے ٹکریں مارتا ہوا گلے اور آنکھ تک پہونچ کر بے چین کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وسیع اور لامحدود دُنیا میں اسے کوئی اپنا کہنے والا نہیں۔ جو اُس سے ہمدردی اور دلسوزی کا اظہار کرے یا اپنے پُر فضا سایہ میں دم بھر کے لئے بھی اُسے دم لینے دے۔ افسوسناک جذبات اور درد دل بھی کوئی سننے کے لئے تیار نہیں

تو گ

یہ بات توکل اُسے معلوم نہ تھی۔ آج یہ یکایک کیسا تغیر اور انقلاب پیدا ہو گیا؟ اُس کے دل میں رہ رہ کر صرف یہی خیال آرہا تھا۔ بین پر بھی وہ پوری طرح بھروسہ نہیں رکھ سکتی۔ نوکشور بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ اُس کے دل میں اس قسم کے خیالات کیوں آرہے ہیں؟ یہ دُنیا اس قدر وسیع اور بے رحم ہے اور یہ کمسن لڑکی نہایت حقیر کمزور اور بیکس ہے؟

دیکھتے دیکھتے آنسوؤں کے سیلاب سے اُس کا سینہ تربتر ہونے لگا وہ آنسو کتنے عمیق اور دل کے اندرونی حصّوں کو تکلیف پہونچانے والے تھے وہ عالم خیال میں کہنے لگی۔ ہے بھگوان! مجھے کوئی ایسی جگہ دو۔ جہاں میں اپنے آپ کو ان تمام کی نظروں سے بچا کر پوشیدہ رکھ سکوں۔ ہے بھگوان! آؤ! تم موت کی شکل میں آؤ۔ تمام شرم۔ تمام کدورت اور ہر قسم کے دُکھ پر پردہ ڈال دو۔

مالتی کو اس طرح بیتابانہ انداز سے روتے دیکھ کر نوکشور نے سمجھا۔ وہ لہنے جوش میں مالتی کی عدم واقفیت میں گویا ایک زبردست چوٹ لگا بیٹھا ہو اُس وقت وہ اپنے آپ کو مالتی اور بین کے روبرو نہایت قصوروار اور گنہگار سمجھنے لگا۔ اس گناہ کا کفّارہ اُس کے حقوق کی طاقت سے باہر نظر آیا بین خواہ مالتی نے اُس کے اِس سلوک پر اگر پردہ نہ ڈالا یا چارہ سازی نہ کی۔ تو یقیناً وہ بے رحمی اور غلطی اسے ہمیشہ لعنت ملامت کرتی رہے گی۔ نوکشور بیچین ہو اُٹھا اپنی ناکامیابی کے تیر سے وہ اپنے دل جگر کو چھیدنے لگا۔ اُس نے بھی تو بین کے ساتھ مل کر مالتی کی تحقیر اور تذلیل کی ہے۔ اِس روحانی تکلیف اور درد سے بیتاب ہو کر وہ چُپ چاپ بیٹھا ہوا جج کے سامنے ملزم کی طرح سزا کا انتظار کرنے لگا۔ روتی ہوئی درد سے پریشان مالتی کے سامنے وہ تسکین و تشفی کا ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا۔

بپن نے جب دیکھا۔ کہ خیالی باتوں اور حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے تب
اس کا کمزور دل فطرتاً ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی خواہش کرنے لگا۔ جب بپن اپنے
توت بازو پر دُنیا میں کھڑے ہونے کے کمربستہ ہؤا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ وہ بالکل
ناقابل اور بیکس ہے۔ اس نے سمندر کی گود میں کشتی کا رقص دلفریب دیکھ کر سوچا
تھا۔ کہ وہاں مسرت کی لہریں رواں دواں ہیں صرف ہوا کے جھونکے ساتھ ساتھ
نازو انداز سے ناچ رہا ہے اور صرف پانی کو ساتھ لئے کھیل رہا ہے۔ مگر کشتی کی
گود میں پاؤں رکھتے ہی اس نے دیکھا۔ دور سے وہ بہت دلکش نظر آتی ہے
مگر پاس جانے پر چاند میں آبحیات نہیں۔ خیالات اور فرض میں زمین آسمان کا
فرق ہے یہ تو صرف بیٹھے ہوئے جھولا جھولنا نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ہر وقت
نہایت محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا بھی غافل ہونے کی ضرورت
نہیں۔ ایک ہاتھ سے کشتی کا پانی چلانا ہوگا۔ اور دوسرے غیر مشق شدہ ہاتھ سے
زور کے ساتھ ڈانڈ بھی کھینچنا ہوگا۔ ورنہ غرق ہو جانے کا خطرہ ہے۔ سینہ میں چوٹ
لگنے کا احتمال ہے ذراسی غفلت شعاری سے تباہی اور بربادی کا خدشہ ہے
آج اُس کی پناہ کے لئے دنیا میں بہت تنگ جگہ ہے۔ گو اُس جگہ میں کسی وقت
بھی اُس کے لئے کشادگی نہیں تھی۔ تاہم کسی قسم کا خطرہ تو نہیں تھا۔ بےفکری
اور اطمینان تھا۔ اسی وجہ سے تو اُس نے سوچا تھا کہ مالتی کو پاکر اُس کی زندگی
ایک شیریں مقال شاعر کے گیت کی طرح نازک اور آسان بحر میں ڈوب جائیگی
مگر اس وقت اُس نے تجربہ سے دیکھا۔ کہ وہ تو محض سراب ہے۔ اس کے آگے
تمام خوشنما نظارے تو ضرور ہیں مگر وہ محض سراب ہیں فی الحقیقت نہیں۔
اس سکتہ سے تو خاموشی بے تعلقی کہیں بہتر ہے مالتی کو پانے کے شکریہ کا یہ
جو زبردست ہیجل پیدا ہو گئی ہے۔ اُس کا وہی خیالی سمندر کہ جس کا کنارہ نہیں
... کے ... میں یقیناً بے نظری سے پناہ پا سکتی ہے۔ معمولی ... ہمدردی کی

کرنے سے بپن بچ جائے گا۔ مگر مالتی کو دیکھے بغیر اُس کے دل میں ایک زبردست آگ شعلہ زن ہو جائے گی۔ ہونے دو۔ وہ بھی اس تکلیف وہ زندگی کی جدوجہد کشمکش کی نسبت کہیں سہل اور قابل برداشت ہے۔ اور مالتی کی برہ وُدکھ میں تو آنند ہے۔ پیار کرنے سے دل مطمئن اور اس کی فکر میں یکسوئی بھی ہو گی۔ مالتی کو تیاگ کر کے سنیاسی کے آشرم میں رہنے سے بھی مالتی کا پریم اُس کے نزدیک رہیگا۔ کمل رہیگا۔ اس میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور وہی محبت دنیا کی گھس گھس میں پڑ کر قدم قدم پر پامال ہو گی۔ اس کا خطرہ اُسے نہ رہے گا۔

بپن کے تمام تعلقات کے توڑنے میں زبردست رکاوٹ صرف مالتی تھی۔ اُسے بپن کہاں پھینکے گا۔ یہ وہ طے نہ کر سکتا تھا۔ گوروجی کے آشرم میں لے جا سکتا تھا مگر مالتی تو اس بات پر راضی نہ تھی۔ اِسی جگہ بپن چکرا جاتا تھا۔ مگر جب نوکشور نے مالتی کا بار اپنے سَر پہ لیا ہے۔ صرف یہی کیوں؟ مالتی سے شادی کرنے پر بھی راضی ہو گیا ہے۔ تب بپن مالتی کی طرف سے بے فکر ضرور ہوا۔ مگر نوکشور کی خوش قسمتی اور رقابت کی آگ اُسے جلانے لگی۔ مالتی کو اس حالت میں تیاگ کرنے سے اُس پر کسی قسم کی بے انصافی روا رکھتا ہے۔ یہ اُس وقت اُس کے دل میں نہ آیا۔ مالتی نوکشور کو پیار کرتی ہے۔ ممکن ہے۔ وہ بپن سے زیادہ اُسے پیار کرتی ہے۔ نوکشور سے شادی کر کے وہ سکھی ہو سکے گی۔ شادی کے متعلق تو ایک ہی وقت میں کتنے لڑکے تجویز کئے جاتے ہیں۔ بالآخر جس کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہی تو شادکام ہوتا ہے۔ اگر مالتی نے بپن کو کسی قدر پیار کیا ہے تو وہ بُرے خواب کی طرح دو دن میں ہی بھول جائیگی۔

انسان جب کسی کام کو کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اُس وقت اپنے ضمیر کو سمجھانے کے لئے دلیلوں کی کمی نہیں ہوتی۔ جب کوئی بے اطمینانی پیدا ہو جاتی ہے تو لوگ اپنی طرف نہ دیکھ کر تمام الزام دوسروں کے سر تھوپتے ہیں اور اُن کو

کو کوس کر بے فکر اور خاموش ہو جاتے ہیں۔

بپن اتنے دنوں تک ہر ایک رکاوٹ میں ایشور کی طرف سے اشارہ پاتا رہا اس وقت تمام الزام نوکشور پر رکھنے کا موقع پا کر اپنے آپ کو بالکل بے فکر و ذمہ داری سے آزاد سمجھنے لگا۔ وہ نہائت خوشی سے سوامی جی کے آشرم میں جانے کی تدبیر کرنے لگا۔ مگر جُوں جُوں اسباب بندھنے لگا۔ توں توں بپن محسوس کرنے لگا۔ کہ اُس کے دل کے ایک حصہ میں کشمش اور کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ دل تکلیف اور درد سے بے چین ہو رہا ہے۔ جب اُسے جانے میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔ تو رہنے میں بھی شرم دامنگیر ہوئی۔ دل ہی دل میں اُسے زبردست غرور پیدا ہونے لگا کہ نوکشور نے اُس کو لعنت ملامت کر کے اُسے اس حرکت ناز یبا سے نہیں روکا مالتی نے آبدیدہ نگاہوں سے اُس کی منت سماجت نہیں کی۔ تاہم بپن روانہ ہونے میں توقف سے کام لینے لگا۔ اگر اس توقف سے بھی کوئی اُسے واپس لائے۔ مالتی کو چھوڑ جانے سے اُس کی زندگی کے کتنے ہی حصّے بالکل پھیکے اور بے رس ہو جائینگے اُسے بپن رفتہ رفتہ خاص طور پر محسوس کرتا تھا۔

مگر نوکشور یا مالتی اس قسم کے شخص نہیں تھے۔ کہ جہاں اُن کے دلی جذبات کی بے عزتی ہوئی ہو۔ وہاں رحم کی بھیک مانگیں۔ مالتی کی قدر و قیمت اور نوکشور کی شرم اس قدر تیزی پکڑ گئی تھی۔ کہ وہ بپن سے اور کسی قسم کا اصرار نہ کر سکے جب بپن نے دیکھا کہ کسی نے اُس کی خوشامد نہیں کی۔ تو وہ غرور کے زبردست دھکّا سے باہر ہو کر نکل جانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس وقت بھی اُمید اُس کا دامن چھوڑنے پر تیار نہ ہو سکی۔

گاڑی پر اسباب رکھنے کے بعد بپن کے دل میں خیال آیا۔ اس مرتبہ مالتی اُسکے سامنے سے پھسل کر عرصۂ دراز کے لئے اختیار سے باہر ہو کر چلی جا رہی ہے۔ اس وقت بھی خواہش کرنے پر وہ اپنی آغوش پھیلا کر اُسے پکڑ سکتا ہے۔ کچھ دیر تک بپن نے

اسی طرح پس و پیش میں رہکر ایک گہرا سانس لیا۔ اور اسی مہمل امید کو یکبارگی زمین دوز کر کے سوچنے لگا۔ اب گاڑی پر سوار ہونا ہو گا۔ عین اسی وقت مالتی نے آ کر کہا۔ ذرا ٹھہریئے۔ میں بھی جاؤں گی۔

فرطِ مسرت سے ہین کا دل محوِ رقص ہو گیا۔ مالتی خواہش کرنے پر تو کشور سے شادی کر کے آرام و عافیت سے رہ سکتی تھی۔ وہ سکھ چھوڑ کر اس نوکری میں غیر آسودہ خواہشات سینہ میں پال کر اس کا سنیاسی ہونا مناسب نہیں۔ مالتی سے تمام باتیں کہنے کے لئے غرور نے ہین سے کسی قدر اشارہ کیا۔ مگر ہین کی محبت نے اُس کی زبان پر قفلِ سکوت لگا دیا۔ کون جانے۔ بادۂ غرور سے سرشار ہو جاتی مالتی اگر یہ باتیں سنکر اپنے خیالات تبدیل کر لے اور ٹھہر جائے۔ مالتی کے ساتھ ایک ہی آشرم میں سکونت پذیر ہونے سے ملاقات کا لطف تو اُسے حاصل ہو گا اُس کی جھلک تو اس وقت بھی وہ دل میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا۔ مگر شاید بعد میں اس لطف کی خواہش بڑھنے کا باعث بنکر اس کے ویراگ کے راستے میں خلل انداز ہو۔ اس خوف سے ہین چپ چاپ بیٹھا رہا۔

مالتی کا دل کسی حالت میں نا اُمید نہیں ہوتا تھا۔ اُس کا پر جلال دل نا امیدی کے خیالات قبول نہیں کرتا تھا۔ اور امید کو بھی زور سے پکڑ کر یکایک بیچین نہیں ہوتا تھا۔ مالتی نے بھی ٹھیک ہین کی طرح سوچا تھا۔ کہ ہین کو تو اس وقت وہ نہیں پا سکی۔ مگر اُسے آنکھوں سے دیکھنے کا موقع کیوں ہاتھ سے دیدے۔ ہین کا پیار مختلف موافق حالتیں پاکر روانی کو جواب شدہ پا سکتا تھا۔ اگر مالتی اپنی محبت سے نئے شوق کی دھار بہائے۔ تو وہ اپنی ضائع شدہ روانی پھر حاصل کر سکیگا۔ خون سے خالی مریض جیسے دوسرے کا تازہ خون پاکر زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہین کا مُردہ پریم مالتی کے پریم سے ایک روحانی طاقت حاصل کر کے از سر نو زندہ ہو اٹھا۔ اس میں ذرا بھی تعجب نہیں۔ مالتی اسنے اچھی طرح غور و خوض کر کے دیکھا کہ وہ اس راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ نہیں ۔۔

صاف دیکھ رہی تھی۔ خواہ کتنی ہی کشمکش اور جدوجہد سے جنگ آزمائی کیوں نہ کرنی پڑے۔ مگر اُس کی محبّت یقیناً فتح مند ہوگی۔ لیکن اگر کوئی اور راستہ اختیار کیا گیا تو بلاشبہ تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوگا۔

اُسی وقت اپنا ٹرنک اور بستر لیکر مالتی گاڑی پر سوار ہو گئی

جب مالتی نے خود اپنی خوشی سے نوکشور کو چھوڑ کر بین کا ساتھ لیا۔ اُس وقت جیسے نوکشور کی جان میں جان آئی۔ وہ پھر اپنے نظرتی روحانی طاقت کو حتی المقدور ریکسُو کر کے جلالی شکل میں بین و مالتی کے پاس آکر بولا۔ تم لوگ جاتے ہو جاؤ۔ میں اسی مکان میں ہی تم لوگوں کے انتظار میں بیٹھا رہوں گا۔ جس دن طبیعت چاہے واپس آجانا۔ تمہیں واپس تو آنا ہی ہوگا۔ بین ہمارے تمہارے گناہوں کا کفارہ تمہیں کو ادا کرنا ہوگا۔

آخری بات پر نوکشور نے زور دے کر کہا۔ مالتی و بین دونوں جم کر بیٹھے رہے نوکشور کی طرف کسی نے بھی نظر نہیں کی۔ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ دونوں خالی نگاہوں سے گاڑی کی کھڑکی سے راستے کے دونوں اطراف میں شور و غل سے بھرپور مکانات و عالی شان محلات کی طرف دیکھتے رہے۔

اور نوکشور بیکس رنجور ملزم کی طرح خاموشی سے اسی رفتہ رفتہ نظروں سے دور گاڑی کی طرف تاکتا رہا۔ اس کے دل کی تمام طاقت۔ تمام حوصلہ۔ جوش اور یقین گویا یکبارگی ایک دھکے سے زمین پر لوٹ گئے تھے۔ اس کا پرائسچت کس طرح ہوگا یہ وہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔

(۳۸)

جب مالتی و بین کو اپنی گود میں لے کر کشتی گہرے پانی میں چلی۔ اُس وقت مالتی کا دل بھر آیا۔ آنسو نکلنے لگے۔ گھر چھوڑ کر یہ کہاں کا لمبے مقصد سفر ہے! مالتی کشتی میں بیٹھی ہوئی دیکھنے لگی۔ گاؤں کی بہوئیں رات کے واسطے پانی بھرنے کلسی لیکر گھاٹ

پر آئی ہیں۔ کوئی کپڑے دھونے کے لئے پانی میں اُتر رہی ہے۔ محض پانی سے نکل کر بھیگے کپڑے پہنے۔ بغل میں گھڑا دبائے سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے مُنہ پھیر کر گھونگھٹ کی آڑ سے رواں دواں کشتی کی طرف پُر تجسّس نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ اُن سب کے گھر ہے۔ کام ہے۔ اپنا کہہ کر حفاظت کرنے والے آدمی ہیں مگر مالتی کچھ نہیں۔ کوئی نہیں۔ نہیں نہیں!

جس وقت کشتی گنگا کے کنارے آنند آشرم کے سفید پتھروں سے بنے ہوئے گھاٹ کے پاس پہونچی۔ اُس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ دریا کا پانی سُنہری روشنی میں ڈوب کر جیسے ہنستی ہوئی آنکھوں کی طرح صاف شفاف تھا۔ اس پار کنارے کنارے تاریکی نے کاجل کا ایک خط سا کھینچ دیا تھا۔ کنارے پر درختوں کی قطار ابروؤں کی طرح بالکل سیاہ نظر آتی تھی۔ اُس پر شفق پذیر آسمان کے درمیان سُرخ سُورج ایک ایسا منظر پیش کر رہا تھا۔ گویا صاف شفاف پیشانی پر سونے کی ٹیپ لگی ہوئی ہے اور وہ بہت دلآویز اور دلکش ہے آشرم کی کھڑکیوں کے شیشے غروب آفتاب کی سُرخ شعاعوں سے جگمگا رہے تھے۔ سفید پتھروں سے بنے ہوئے گھاٹ کی گود میں صاف شفاف پانی میں روشنی کی سنہری چادر لہرا اٹھتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی لالہ رُو گلفام کے پان کھائے ہوئے ہونٹوں کے دلآویز تبسّم کی جھلک ہے۔

ایک بڑے جہاز کے پیچھے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے بوٹ سُنسناتے ہوئے سنہری لہروں کو چکر میں لاتے۔ کشتیوں کو نچاتے چلے گئے۔ وہ بوٹ وغیرہ لہروں کے بہاؤ میں لاپروائی و بے فکری سے چلے جا رہے۔ گویا وہ نہائت معتبر سنجیدہ اور غیر معمولی ہیں۔ اور انہیں جانے کے لئے کوئی عجلت نہیں۔ مگر جو خود کچھ کام اور حرکت نہیں کرتے۔ دُنیا ان کی تکمیل میں رسی باندھ کر انہیں حرکت میں لاتی ہے۔ جہاز ان بوٹوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے زبان حال سے یہی کہہ رہا تھا۔ دفتر کے بابو لوگوں کی کشتیاں ڈانڈ کے

زور چپّو کے زور سے تیزی کے ساتھ چلی جا رہی تھیں۔ اُن لوگوں میں سے کوئی حقّہ پی رہا تھا۔ کوئی سگرٹ ایک رنگین طبع بابو سر میں چنی ہوئی چادر باندھے ہوئے سُریلی آواز سے گا رہے تھے۔

مالتی کی کشتی دیکھ کر اُن کے گیت کے سُر اور بھی تیز ہو گئے۔ اور ایک بابو بپن کو مخاطب کرکے زور زور سے پکارنے لگا۔ او تنکوڑی۔ او ہری کرشن۔ نریندر۔ پنچانن۔ ہارلوچن تماشہ۔۔۔۔ کون جا رہا ہے؟ ذرا ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہو کر ناچنے لگا گانے کا مزہ جاتا رہا۔

مالتی کشتی کی کھڑکی سے یہ سب دیکھ رہی تھی اور سوچتی تھی۔ مرد تو سب کے سب جانور ہوتے ہیں۔ وہ تو خود عورت تھی۔ اسی لئے دل ہی دل میں وہ اپنے آپ کو مبارک فرقہ محسوس کرنے لگی۔

مگر بپن کی نظر ان سب میں کسی کی جانب نہ تھی۔ ایک خالی کشتی اُسی کی کشتی کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اُس کا ملاح بھی گا رہا تھا۔ بپن کا دل اس پُر سوز مگر جذبات انگیز گیت کے سروں میں ڈوب گیا۔ اس کے دل میں ہزاروں جذبات گنگا کی لہروں میں رواں دواں کشتی کی طرح دل کو بلونے لگے۔ اُس کے جی میں آیا۔ جیسے یہ گیت اُسی کو مخاطب کرکے گایا جا رہا ہے۔

جب کشتی گھاٹ کے کنارے آ لگی۔ اُس وقت بپن کو ہوش آیا۔ دونوں نے کنارے پر آکر دیکھا۔ تارک گھاٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔ تارک نے بھی ان لوگوں کو دیکھا اُسے دیکھتے بپن و مالتی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ تارک شرمندہ ہوا۔ مگر اپنی شرم آلود جذبات کو سنبھالکر دانت نکال کر بولا۔ آئیے۔ بپن بابو ہیں۔ بیوی کے ساتھ سیر کر آئے ہو یہ تو سنیاسی کا آشرم ہے۔ عورتوں کو ساتھ لے کر کھیلنے کا باغ نہیں۔ اُس کے کتّے کی طرح بڑے بڑے صاف شفاف دانتوں پر آفتاب کی شعاعیں جگمگا رہی تھیں اس کا یہ تمسخر آمیز بدتہذیبی دیکھ کر مالتی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے کھونگھٹ

نکال کر سر نیچا کر لیا۔ بین کی خواہش ہوئی۔ اس بندر کو پکڑ کر وہ پانی میں غرق کر دے۔ مگر اس نے وہ جذبہ چھپا کر خشک ہنسی ہنسکر بولا۔ اے دھرم دھوج! خوف نہیں۔ ہم دونوں سنیاس لینے کی غرض سے آئے ہیں۔

تارک نے اُسی انداز سے دانت نکال کر کہا:۔ اچھا یہوی کے ستادھرم کرم کر دئیے۔

مالتی کو شامل کر کے اُس کا یہ تمسخر مالتی کو بہت پریشان کر رہا ہے۔ بین یہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ سنیاسی ہے۔ اُسے تو غصّہ کرنا واجب نہیں۔ اپنا غصّہ پی کر سنجیدہ لہجہ میں بولا۔ ہم نے شادی نہیں کی۔ اور نہ کرینگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کہا تھا۔ میرے سنیاسی ہونے کے تم ذمہ وار ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو آؤ۔ تم بھی آؤ نہیں بھی سنیاس لینا ہوگا۔

تارک مصیبت میں پڑ گیا۔ اُس نے تسین ہو کر کہا۔ تمہاری بڑی خوش نصیبی ہے۔ اسی وجہ سے باسانی گورو کی کرپا سے دنیا کی مایا ممتا چھوڑ کر اسس راستہ میں گام زن ہو رہے ہو۔ ہماری تو یہ زندگی یونہی اکارت گئی۔ میں تمہاری کشتی میں بیٹھ کر واپس جاؤں گا۔ میرے چھوٹے لڑکے کو بمونیہ ہو گیا ہے۔ اُف! کیسی سردی پڑ رہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤ۔ جاؤ۔ تم لوگ دیر نہ کرو گورُوجی پھر آرتی بیٹھیں گے۔ ارے ملّاح! مجھے لے چلے گا۔

بین نے تارک سے زیادہ گفتگو نہ کی۔ وہ مالتی کو لے کر آشرم میں داخل ہوا تارک کی جان میں جان آئی۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا بین سچ مچ سنیاسی ہو گا؟ اُسکی قسمت بہت اچھی ہے میں اتنے دنوں تک گورو مہاراج کے چرنوں میں رہا سیوا کی۔ مگر اُن کی دیا نہ ملی۔ مگر بین چند دنوں میں ہی تر ہو گیا۔ ۔ ۔ ۔ چلوں۔ ورنہ رات ہو جائے گی۔ سردی لگے گی۔ او ملّاح، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۳۹)

پریانند مہاراج دو شمعدان سامنے رکھے۔ تن تنہا بھاگوت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ بپن و مالتی دونوں نے ساتھ ساتھ ہی پرنام کیا۔ کھڑے رہے۔ پریانند کی آنکھ اُٹھتے ہی مالتی کے ساتھ دوچار ہوئی۔ مالتی نے دیکھا۔ سوامی جی کی دونوں آنکھیں ایک اندرونی پُر جوش نور سے منور ہیں! ان کا جسم ایک نہائیت لمبی لاٹھی کی طرح ہے گویا ایک نہائیت پُر جلال بیل آفتاب تک پہونچنے کے لئے بڑی جد وجہد سے اوپر اُٹھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ سُرور ازلی کی شعاعیں اُس کے عضو عضو سے نکل رہی تھیں وہ دیکھنے میں بالکل سادہ لوح بچوں کی طرح تھے۔ جوانی میں بھی بچپن کی صاف اور پاکیزہ ملاحت ان کے چہرے میں موجود ہے۔ اور اُن کے ہر چہار طرف ایک نہائیت زبردست چراغ کی سی نورانی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ . . . یہی پریانند یہاں کے بھی گورو ہیں۔

اور سوامی جی نے دیکھا۔ کئی ملی ہوئی بتیوں کی روشنی مالتی کے چہرے پر پڑکر اُسے مُورتی کی طرح دکھا رہی ہے۔ یہ کیسا بے مثل ولاجواب حُسن ہے۔ یہ تو عالمِ خیال کی محویّت سے بھی کہیں زیادہ دلکش اور خیالات کی لطافت نزاکت و لوچ بھی کہیں حسین تر ہے۔ سُرور ازلی کے غش سے بھی زیادہ سرور بخش۔ چہرے کی نورانی بہشتی شمع کو بھی مات کئے دیتی ہے۔ شاخ گلہائے بہار کی طرح ہلکے۔ پرجاپتی کی طرح آنند۔ چنچل۔ حُسن کی لکشمی کا منوّر اور خیرہ بخش سندر! اسی کو عالمِ خیال میں پیش نظر رکھ کر گویا شاعروں نے اپنے اشعار میں حسن کا مرقّع کھینچا ہے۔ اور اُس میں نزاکت و لطافت اس سے عاریت لیکر بھر دی ہے۔

پریانند کی ان خود رفتہ نگاہوں کو دیکھ کر مالتی نہایت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ جیسے اُس کے دل میں بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ یہ نگاہیں صرف حُسن سے از خود رفتہ نہیں بلکہ اُن میں نفسانیت ہے۔ پھولوں کے خوشنما اور دلفریب ہار

میں کانٹے کی طرح یہ نگاہیں اُس کے سینہ میں چُبھ کر تکلیف پہونچانے لگیں۔

مالتی کی جھجک اور حجاب سے پریشان ہو کر۔ ہوش میں آکر پریمانند نے بہن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ یہی مالتی ؟ . . . . . ساکھشات رادھارانی کی مُورتی! تم لوگوں کو شاگرد کی حیثیت میں پا کر میں اپنے آپ کو مبارک سمجھتا ہُوں تمہارے پریم کی جھلک جیسے میرے دل میں وشو پریم کی جوت جگائے دے رہا ہے . . . اِس وقت چلو۔ آرتی کا وقت ہو گیا۔ آرتی کے بعد پھر تمہارے ساتھ بات چیت ہو گی۔ آج سے تمہارا نام سروپ آنند اور مالتی کا نام رادھارانی ہُوا۔

اس کے بعد پریم آنند نے اونچی آواز سے پکارا۔ شانتی! جوگ آنند!

ایک سنیاسنی اور ایک سنیاسی دونوں آموجود ہوئے۔ پریمانند نے کہا:۔ شانتی! یہ رادھارانی ہیں۔ تمہاری نئی بہن! انہیں لیجاؤ۔ لائبریری کے پاس والے کمرے میں ان کے رہنے کا انتظام کر دو۔ اور جوگانند! ان سے تو تم واقف ہی ہو مگر آج سے یہ بپن بابو نہیں ہیں۔ آج سے یہ تمہارے گورو بھائی سروپانند . . . . جاؤ تم لوگ ہاتھ منہ دھو کر پاک صاف ہو کر ٹھاکر جی کے درشن کیلئے آؤ۔

(۴۰)

مالتی نے شانتی کے ساتھ تجویز شدہ کمرے میں جا کر دیکھا۔ کمرہ گنگا کی طرف ہے۔ وہاں بیٹھ کر گنگا کے نظارے بہت اچھی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اُس وقت بھی اس کمرے سے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی سرخی سے رنگ مرمر کے صاف شفاف فرش پر دودھ میں ملے ہوئے مہاوڑ کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس پر پاؤں رکھتے ہی مالتی کو ہنسی آنے لگی۔ یہی اُس کی شادی ہے! سنیاسی پریمانند پروہت ہیں! بدھو اسنیاسنی شانتی اُس کی گواہ ہے اور موت کی راگنی میں ڈوبتے ہوئے سورج کی گیرُوے رنگ کی چادر لٹکا کر اُس کی نگاہیں چار کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے جسم کی سیاہ پیشانی سے بھی کہیں زیادہ سیاہ ترکُوں کا جُھنڈ گویا اس کے شادی

کے مکان میں بندھن وار باندھ کر اڑتے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے جہاز ملکہ ذی اختیار کی طرح اور چھوٹے چھوٹے بوٹ ادھر اُدھر دوڑتے ہوئے شنکھ بجا کر شادی کے مکان کی ہر جاندار اور بیجان چیز کو متوالا بنائے دے رہے ہیں۔ ذرا دیر بعد ہی اسکے جی میں آیا۔ یہی اس کی تمام ہجوم تمناؤں اور آرزؤں کا کاشانہ ہے یہی گنگا یہیں سب کو لا کر موت کے انتظار میں کنارے پر رکھا ہے۔

اُس کے تخیلات میں رکاوٹ پیدا کر کے شانتی نے درد آلود لہجہ میں آہستہ سے کہا۔ آپ بیٹھئے۔ میں چراغ لے آؤں۔

مالتی نے کہا:- دیدی! چراغ کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی تو ٹھاکر جی کے درشن کرنے جانا ہوگا۔ . . . . . کیا میں اس کمرے میں اکیلی ہی رہونگی؟

مالتی نے دیکھا۔ شانتی کی عمر تقریباً پینتیس سال کی ہے۔ درمیانہ قد اُس میں کہیں کسی شوخی کا نام نہیں۔ چہرہ کسی گہری تکلیف سے پژمُردہ آواز مدّھم اور پُرسوز شانتی نے کہا۔ یہاں اکیلا ہی رہنا پڑتا ہے۔

آپ کس کمرے میں رہتی ہیں؟

میں آپ کے پاس ہی والے کمرے میں ہوں۔

اور کتنی سنیاسنی ہیں؟

پہلے تو ہم چار تھیں۔ اب آپ آگئی ہیں۔ ۴+۱=۵ کبھی کبھی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی کم جہاں کسی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کو جانا ہوتا ہے۔

آپ یہاں کتنے دنوں سے ہیں؟

تقریباً چھ سال ہوئے۔

اگر آپ کچھ بُرا نہ مانیں۔ تو ایک بات پوچھوں۔ . . . . آپ نے یہ رستہ کیوں اختیار کیا؟

شانتی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس نے کہا۔ میں بڑی دُکھنی ہوں۔ طوفان میں کشتی غرق ہو گئی۔ میں نے شوہر اور بیٹے دونوں سے ہاتھ دھوئے۔ اس ابھاگنی کو گورودیو نے پانی سے نکال کر اپنے چرنوں میں جگہ دی ہے۔ اس وقت سے رادھا کانت ہی میرے سب کچھ ہیں۔ وہی شوہر اور وہی بیٹے گورو جی نے کہا ہے۔ جس دن میں بھنگی کے بچے کو بھی اپنی گود سے لپٹا سکوں گی۔ دل میں ذرا بھی نفرت نہ ہو گی۔ اُسی دن میں اپنا کھویا ہوا لعل پاؤں گی۔ بہن! کیا میں ایسا کر سکوں گی؟

مالتی نے آنکھیں پونچھ کر کہا۔ دیدی! میں آپ کی چھوٹی بہن ہوں۔ اسی وجہ سے میں نے تکلیف دی۔ میں بہت دُکھی ہوں۔ آپ نے تو مجھ سے نہیں پوچھا۔ کہ میں کس دُکھ سے آئی ہوں۔

شانتی نے آنسو پونچھ کر کہا۔ مجھے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟ سنیاسنی کو ان باتوں سے کیا غرض؟ جانتی ہوں۔ تمہیں بھی دکھ ہے اور وہ دکھ بہت بڑا دکھ ہے۔ اگر دکھ نہ ہو۔ تو کوئی مالک کے چرنوں کی جانب کیونکر رجوع ہو؟ سب کچھ دے کر تب انسان اُسے پاتا ہے۔ وہ تو گرانبہا رتن ہے۔ اسے کیا قیمت دے کر خریدا جا سکتا ہے؟

مالتی شانتی کی بات سنکر مفتون ہو کر بولی۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں۔ کہ بغیر سنیاسی ہوئے مالک نہیں مل سکتا؟

نہیں۔ سنیاسی ہوئے بغیر اُسے انسان نہیں پا سکتا۔ گیروے کپڑے پہننے سے ہی سنیاسی نہیں ہوتا۔ دنیا چھوڑنے سے بھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں سے بے تعلق رہ کر دل کو ویراگ کے گیروے رنگ سے رنگین کر کے جو رکھے۔ وہی سنیاسی ہے بھگوان نے گیتا میں کہا ہے۔ کرم اور کامناؤں کا ناش کرنا سنیاسی اور گیانیوں کا لکشن ہے۔ تمام کرموں کے پھل کو تیاگ کرنا بھی بہت بڑا گیان ہے

شانتی کے منہ سے گیتا کا شلوک صحت صفائی اور روانی کے ساتھ سُنکر

مالتی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ گوروجی کامت بھی کیا یہی ہے؟

مَیں مُورکھ عورت ہوں۔ مجھے آزاد خیالی کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔ صرف گوردمہاراج کے منہ سے جو سُنا۔ وہ سُنا۔

تو پھر گوروجی دنیا چھوڑ کر باہر کیوں آئے؟

جیسے آنکھوں کے بالکل قریب ترشے رکھی ہوئی نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ذرا دور رہو۔ تو آسانی نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کا علم حاصل کرتے پیار کرتے بے تعلق رہتے ہوئے باہر آکر ٹھہرنا ہوتا ہے۔ گوروجی کہتے ہیں کہ وہ نہایت دنیادار ہیں۔ فی الحقیقت بھی بات ہے۔ دنیادار صرف اپنے چند لڑکے خاندان وغیرہ کو لیکر بے چین رہتے ہیں اور گوروجی تمام کائنات کے لئے متفکر رہتے ہیں جہاں کوئی دردمند بھوکا پیاسا ہوتا ہے۔ وہیں گورو جی اپنے بے چین دل سے ہمدردی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ سب خدمت تو آپ لوگ کرتی ہیں۔ اس میں گوروجی کی کیا بہادری ہے؟

تمام بہادری تو انہیں کی ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ کام کرتے ہیں اور نظر نہ آنے والا دماغ چُپ چاپ ایک جگہ بیٹھا رہتا ہے۔ گوروجی بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ہم کام کرتی ہیں۔

آپ لوگوں کو کیا کیا کرنا ہوتا ہے؟

باری باری سے ٹھاکر جی کی خدمت۔ جانوروں کی [redacted] آشرم کی خدمت اور دکھی آتماؤں کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ گاؤں کے گھر گھر میں جاکر ناقابل گرہستی کے لڑکے بچوں بہو بیٹیوں کو لکھانا پڑھانا پڑتا ہے ... صبح شام ہمیں بھی لکھنا پڑھنا ہوتا ہے۔

آپ لوگ خود ہی پڑھتی ہیں۔ یا کوئی پڑھاتا ہے؟

خود بھی پڑھتی ہیں۔ اور کبھی کبھی گوروجی بھی پڑھاتے ہیں۔ اگر کوئی بہت

لکھا پڑھا شاگرد موجود ہوا۔ تو وہ بھی پڑھا دیتا ہے۔

کونسی کتاب پڑھتی ہیں؟

سب کتابیں۔ کوئی خاص نہیں۔ علم ادب۔ سائینس۔ فلسفہ۔ تواریخ۔ بنگالی انگریزی۔ سنسکرت۔ فارسی جس کی جو خوشی ہو۔ اور جو جو پڑھ سکے۔

یہ سنکر مالتی مطمئن ہوئی۔ پوچھا۔ یہاں کیا بکثرت کتابیں ہیں؟

بہت! اسی پاس والے کمرے میں لائبریری ہے۔

یہاں کتنے مرد ہیں؟

اس وقت تو صرف تین شخص ہیں۔ سب پرچار اور سیوا کرنے باہر گئے ہیں

ایک بات اور آپ سے پوچھوں گی کچھ خیال نہ کیجیئے گا . . . . عورت مرد ایک جگہ ایک مکان میں رہنے کا جو انتظام ہے۔ یہ کیا . . . . .

شانتی ذرا بھی نہ گھبرائی۔ اسی انداز سے بولی۔ مصیبت کا خوف نہ ہو یہ بات نہیں۔ مگر کبھی کوئی خرابی آج تک تو نہیں ہوئی۔ سب دُکھ درد کے ستائے ہوئے لوگ یہاں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ گوروجی کے اُپدیش اور اصولوں کے مطابق رہ کر خوشی سے رہتے سہتے ہیں۔

مالتی نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ مگر کیا عادت یکایک چھوڑی جا سکتی ہے؟

شانتی نے کہا۔ نہیں جانتی۔ کہ چھوڑی جا سکتی ہے یا نہیں۔ مگر گوروجی کہتے ہیں۔ کہ ترک کی جا سکتی ہے۔ یوگ کے ذریعہ سے خود ضبطی بآسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

جب یوگ کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس میں دلیل کی گنجائش نہیں رہتی ایک مشکوک اور غیر فیصلہ شدہ مضمون کو ایک ناواقف مضمون کے پردہ سے ڈھانپنا بہت آسان ہے۔ مالتی لاجواب ہو کر سوچنے لگی۔ شانتی نے کہا چلو آرتی کا وقت آ گیا۔

جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر پاک صاف ہو کر جب مالتی بھاگ کر کے گھر میں گئی۔ اس وقت آرتی ختم ہو گئی تھی۔ اُسوقت گورو جی کیرتن کر رہے تھے۔

مالتی کو گورو جی کے منہ سے وہ گانا اچھا نہ معلوم ہؤا۔ اس کے دل میں صرف یہی سوال اُٹھنے لگا۔ کہ کیا یہ دھرم سنگیت ہے؟

(۴۱)

گانا ختم کرنے کے بعد پریمانند سوامی اپنے کمرے میں آ کر بیٹھے۔ تمام شاگرد اور عورتیں بھی انہیں گھیر کر بیٹھ گئیں۔ پریمانند نے مالتی سے کہا۔ کیوں راہ دھاری تمہیں یہ نئی زندگی کیسی معلوم ہو رہی ہے؟ سادھن کرتے کرتے دیکھو گی کہ تیاگ ہی ایک زبردست شانتی ہے۔ بھوگ بلاس بالکل ہیچ و پوچ اور فضول ہیں۔ برہمچریہ ہی انسان کا دھرم ہے۔ اسی دھرم کی شردھا کے ساتھ پالن کرنے سے جیو آتما کا پرماتما کے ساتھ ملاپ ہوتا ہے۔ یہی شادی ہے۔ اُس کے آنند کی حد نہیں۔ جیو آتما یقینی ہے۔ پرماتما سوامی ہے۔ وہ شری کرشن ہیں ہم سب گوپیاں ہیں۔ جس وقت انسان کو اس کی سمجھ آ گئی۔ اُسوقت وہ مطمئن ہو جاتا ہے یہ طریقہ بہت مشکل اور خشک نہیں ہے۔ ذرا سی محنت کر کے اگر ایک بار اُس نور حقیقت سے اتصال پیدا کرے تو ایک سرور دائمی حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کی نیرنگیاں اور دلچسپیاں نگاہوں میں حقیر اور ناچیز نظر آتی ہیں۔ تم دیکھو گی کہ یہ زندگی ایک سُر اور الاپ سے ملا ہؤا نغمہ ہے۔ وہ ایک طرف جیسے خود ہی آزاد ہے اور دوسری جانب کائنات کی ایک تان اس نغمہ کے ساتھ مل جل کر گتھی ہوئی ہے۔ اگر تم صرف اپنے سُر الاپو گے۔ تو اُس سے کوئی ایسا نغمہ نہ نکلے گا۔ جو ہر طرح مکمل ہو۔ تمہارے دل میں جو محبت کی دُھن گونج رہی ہے اسے راگ میں ادا کرنے کائنات کے دوسرے سُر سے موافقت کے ساتھ ملانا ہوگا کیوں؟ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں تو آتی ہے؟

مالتی چوٹ پر چوٹ کھا کر جھنجھلا اُٹھی تھی۔ بالخصوص جب اس کی خوش قسمتی کی کشتی سات گھاٹ کا پانی پی کر طوفان کی جڑ اکھاڑ کر بندرگاہ سے ملنے جا رہی تھی۔ عین اسی وقت نہ معلوم کہاں کے ایک سنیاسی نے پوشیدہ پہاڑ کی طرح ریت کے دلدل کی مانند یکایک جادوگر کا جال پھیلا کر اُسے روک دیا۔ شاید گھاٹ پر آتے ہی وہ پانی بھر کر ڈوب جائے گی۔ اسی وجہ سے مالتی کا دل پریانند کی جانب سے بہت خوش نہیں تھا۔ وہ پریانند کے سوالات کے جواب میں ترش و لہجہ میں بولی۔ میں آپ کی چیلی ہونے کے قابل نہیں۔ وہ سب باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں تو محض ایک جاہل عورت ہوں۔ میری بکواس کو خاطر میں نہ لائیے گا۔ معاف فرمائیگا میرے دل میں، تو آتا ہے۔ کہ قبل اس کے کہ ہمارے دل میں دنیا کی محبت کا نغمہ گونجنے لگے۔ دلی ساز کے پردوں اور تاروں میں ہم آہنگی ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا۔ تو تمام موسیقی کے راگ اور الاپ بے سُرے معلوم ہوں گے۔ ہم لوگ کسی چیز کو اچھی ہونے کی وجہ سے اچھا نہیں کہتے چونکہ اُسے پسند کرتے ہیں اسی وجہ سے اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر انسان کو پیار کریں۔ تو وہ ہماری آنکھوں میں خوبصورت دکھائی دے گا۔ اس کی تمام غلطیاں نظر انداز کرنے میں سہولیت ہوگی۔

پریانند مالتی کی برجستہ تقریر سُنکر مسرت آمیز لہجہ میں بولے۔ یہ ٹھیک ہے یہی بات تو میں بھی کہتا ہوں۔ سنجم سادھنا کے تاروں سے جس وقت کہ دل کا ستار جکڑ دیا جاتا ہے۔ اس وقت عالم کائنات کا نغمہ بے سُرا نہیں معلوم ہوگا اس وقت یہ نغمہ سب کے دلوں کو مسخر کر لے گا!

مالتی نے کہا۔ نتیجہ کا یہ اثر کیا سنیاس کے علاوہ نہیں آسکتا۔ انسان جب ایک شخص کو پیار کرنا سیکھتا ہے تو تمام دنیا اس کی نگاہوں میں پیاری معلوم ہوتی ہے

پریانند نے کہا۔ رادھا رانی! یہاں تم پریم کو سمجھنے میں غلطی کر رہی ہو۔ میں تمہارے میل وملاپ کے رستہ میں تو مخل نہیں ہوتا۔ صرف تم سے یہی کہتا ہوں

کہ ان تمام نفسانی خواہشات سے بے تعلقی اختیار کر کے اپنے آپ کو روحانی میل و ملاپ کے قابل بنا لو۔

پہلے ایشور کو پیار انسان کو پیار کرنا آسان ہے یا انسان کو پیار کر کے بعد میں ایشور کو پیار کرنا سہل ہے ؟

دونوں یکساں ہیں صرف نام کا فرق ہے۔ جہاں جیو ہے۔ وہیں سیو ہے۔ مگر اس وجہ سے صرف ایک کو سینہ کے ساتھ لگا رکھنا موہ ہے۔ اس سے ایشور نہیں ملتا۔

تو کیا سنسار دھرم کا پالن کرنا بُرا ہے کیا گرہستی رہ کر ایشور کا پانا غیر ممکن ہے

غیر ممکن ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اس کا پانا بہت مشکل ہے۔ جو بالکل خواہشات سے بے تعلق ہیں۔ اور جن کا دل مئے معرفت سے سرشار ہو۔ وہ لوگ پا سکتے ہیں مگر ایسی شخصیتیں عنقا صفت ہیں۔ پانی میں ڈوبیں گے اور بدن پر پانی نہ لگیگا۔ ایسے انسان کروڑوں میں کہیں ایک دو ملیں گے۔

تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایشور نے اس دنیا میں انسان کو صرف تکلیف دینے کے لئے ہی بھیجا ہے۔ اور خود اُن سے دور رہنے کی کوشش کر رہے ہیں ؟ دُنیا ترک کئے بغیر پانا مشکل ہے۔ اُس کو پانا ہی جب انسان کا اعلےٰ مقصد ہے۔ تو پھر سب کو لازم ہے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگل کا راستہ لے۔ تو کیا دنیا کے تباہ کرنے کے لئے ہی ایشور نے اسے بنایا ہے۔

پرمانند نے ہنس کر کہا :۔ اگر دنیا کے تمام انسان برہم کو پانے کی کوشش کریں تو پھر یقیناً دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے تم یہ کہہ سکتی ہو۔ کہ ایشور نے صرف تباہ کرنے کے لئے آفرینش بنائی ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کا سب سے بڑا آئیڈیل دنیا کی تباہی کے درپے ہے بھگوان بُدھ۔ حضرت مسیح وغیرہ وغیرہ کے آئیڈیل تو پیروی کے قابل ہیں۔ لیکن اگر تمام اُن اصولوں کی پیروی کریں۔ تو اس کے تباہ ہونے میں ایک دن کی بھی دیر نہ لگے گی۔ خیر اِنہیں اس سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں

اگر سب کے سب جنگل میں چلے جائیں۔ تو پھر جنگل ہی دنیا بن جائے گا۔ دنیا تو اسی طرح بدستور اپنا کام کرتی رہے گی۔ یہ انسان کے کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے بنائی گئی ہے ہم صرف زبانی یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ مگر فی الحقیقت ہم ترکِ دنیا نہیں کر سکتے۔ ہمیں کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ اور وہی کام ہم میں سے بہتوں کو دنیا میں پھر واپس لے جائے گا۔ دنیا میں ویراگ ہی سب سے بڑی اور پوری خوش نصیبی نہیں ہے۔ بلکہ کسی قدر ہے۔ جب تک ایشور کو نہ پائیں۔ اس وقت تک ٹیڑھا راستہ ہوگا۔ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش ہمیں کرنی پڑے گی۔ ایشور جب خود تمہیں اپنے پاس بلا رہا ہے تو کیا تمہارے لئے یہ مناسب ہے۔ کہ اُس سے کنارہ کشی اختیار کرو...

مالتی نے بحث مباحثہ سے منہ بند کر لیا۔ اس وقت پھر پاپنڈت نے۔ سانکھیہ، میمانسا ویدانت اور درشن وغیرہ کے دقیق مسائل پیش کر کے اپنی قابلیت کا اظہار کرتے ہوئے ایک ایسی کھچڑی تیار کی۔ کہ وہ مالتی کے لئے نہایت ثقیل معلوم ہوئی۔ پن بھی عرصۂ دراز سے شاعری کی خدمت کرتا آرہا تھا۔ درشنوں کا درشن اُس کے مقدر میں تھا اور درشن اس کی نگاہوں کے سامنے سدرشن چکر کی طرح دلفریب نام ہونے پر بھی نہایت خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ گوروجی کو اپنی فاضلانہ قابلیت سے مالتی کو لاجواب کرتے دیکھ کر دل ہی دل میں بہت مطمئن ہوا۔ اس کی نگاہوں سے بھگتی اور عقیدت جیسی ٹپکی پڑتی تھی۔

گوروجی کی تقریر اُس کے روبرو جتنی ہی مشکل دقیق معلوم ہوتی تھی۔ اُسی قدر اُس کے دل میں آتا تھا۔ یہ تمام دلائل بالکل صحیح ہیں۔ مالتی یقیناً گوروجی کی غیر معمولی قابلیت کے سامنے شکست فاش کھا کر مفتون ہو گئی ہے۔

گوروجی نے اپنی زبردست تقریر سے مالتی کا منہ ضرور بند کر دیا تھا۔ مگر اُس کی جانب سے مطمئن ہو کر دل ہی دل میں اس کی تعریف بھی کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ اس طرح آج تک کسی نے بحث نہیں کی تھی۔ جو کوئی اُن کے پاس آیا تھا۔ وہ اُن کے اثر

سے معتقد ہو کر شاگردوں میں مل گیا تھا۔ مگر مالتی بالکل آزاد اور مختلف المزاج تھی۔
اسی لئے پریانند کی نظر میں اس کی غیر معمولی وقعت ہو گئی۔

(۱۴)

دوسرے دن بین اور مالتی کو سوامی جی سنیاس کی تلقین کر کے انہیں پریم یوگ سکھانا شروع
کیا۔ زبان اور دل پر ضبط حاصل کرنے کے لئے انہیں بلا ناغہ ایک لاکھ بار کرشن
کا نام جاپ کرنے کا حکم ہوا۔ وہ جاپ ایک ون مالا کے ذریعہ اور ایک دن کاغذ پر
لکھ کر کرنا ہو گا۔

گوروجی صبح و شام چیلے اور چیلیوں کو پاس بٹھا کر انہیں شاستر کا پاٹھ سناتے
تھے اور تشریح بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد کیرتن ہوتا تھا۔ اس موقع پر شہروز یہ
دیکھنے لگے۔ کہ بین اور مالتی کی مضطربانہ نگاہیں بار بار ایک دوسرے کو چھپ
چھپ کر دیکھا کرتی ہیں اور وہ چار آنکھیں نصف راستہ میں ہی شرم سے جھک
جاتی ہیں۔ وہ کرشن کا نام لکھتے لکھتے کبھی کبھی دونوں ایک دوسرے کا نام
لکھ جاتے تھے۔ اور گوروجی جب انہیں تاڑ لیتے تھے۔ تو شرم سے ایک دوسرے
کی جانب ایسی مسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے جو سرے ناقابل بیان ہے۔
یہ دونوں بے چین ہستیوں کے متحمل اور خاموشی محبت کے کھیل سوامی جی کے
دل میں پہلے تو ایک خوشی کا رس بہانے لگے۔ اور اسی وجہ سے وہ مالتی اور بین کی جانب
اور بھی زیادہ توجہ سے کام لینے لگے۔

بین اور مالتی کی طرف توجہ دینے میں سوامی جی نے یہ دیکھا۔ کہ ان کا اپنا درجہ ان
دونوں میں سے کم از کم ایک سے نیچے ہے۔ یہ واقع اُن کی نگاہوں میں بالکل نیا تھا۔ اور
یہ بھی انہوں نے پہلی بار دیکھا۔ کہ کسی خاص شخص پر ان کی نسبت ایک دوسرے شخص کی
کشش زیادہ ہے۔ ان کے تمام شاگرد ایشور کے آسن پر بٹھا کر ان کی پرستش کرتے
تھے۔ آج جب انہوں نے یہ دیکھا۔ کہ مالتی اور بین کی نگاہوں میں وہ سب سے زیادہ
ذی عزت نہیں۔ تو اُن کا غرور چوٹ پر چوٹ کھاتے کھاتے آخر بے رحمی کا شکار ہوا

خود ضبطی اور حق پرستی کے درمیان اُن کی آنکھیں چار نہ ہوں۔ اس کا انہوں نے معقول انتظام کیا۔

گورو جی نے اپنی عدم واقفیت میں دل کے تمام غرور اور راز خود رفتگی کو اچھی طرح اکٹھا کر کے اپنی دلی چراغ میں رکھ دیا تھا۔ صرف ایک دیا سلائی کی دیر تھی۔ انکی بد نصیبی سے بہن و مالتی چقماق اور لوہے کی طرح اپنی اپنی محبت کی رگڑ سے جو شعلے پھیلا رہے تھے۔ اُس سوامی جی کے اس دلی چراغ کو خوب روشن کر دیا گورو جی کی آنکھیں اس نئے نور سے خیرہ ہو کر بہن اور مالتی کے نظروں میں پردہ ڈالنے کی کوشش کرنے لگیں۔

سوامی جی نے بہن کو سمجھایا۔ کہ ریاضت کی ابتدائی منزل میں مالتی کے ساتھ میل ملاپ ان کی روحانی ترقی کے رستہ میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے اُن کا آپس میں ملنا جلنا نامناسب ہے۔ دل کے یکسو اور مطمئن ہونے پر انہیں بڑی خوشی سے ملاقات مدارات کی اجازت دیدی جائے گی۔ بہن نے سوامی جی کے ارشاد کی بسر و چشم تعمیل کی۔ اور مالتی سے دور رہنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر مالتی نے بہن سے دور رہنے میں کسی قسم کی بے چینی کا اظہار نہ کیا۔ اس کے روحانی راستہ میں تیزی سے قدم بڑھانے میں کچھ کمی زبردست خواہش ہے۔ ایسے آثار اس نے قطعی نہ دکھائے۔

مگر کوشش کرنے پر بھی مالتی اس وقت بہن کو نہیں دیکھ پاتی تھی۔ گورو جی نے اس وقت مرد و عورت دونوں کو علیحدہ علیحدہ تعلیم دینے کا انتظام کیا تھا۔ اور عورت مرد دونوں کا میل ملاپ اس روحانی تکسیب و تعلیم میں سد راہ ہے۔ اب وہ کبھی کبھی کھلے دل سے بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے اپنے اس خیال کا اظہار کر دیتے تھے۔

مالتی بہن کو کم از کم آزادی سے دیکھنے کی لالچ سے ہی اس سنیاسی کے آشرم میں آئی تھی۔ وہ روحانی تعلیم و تکسیب کے خیال سے نہیں آئی تھی۔ اس وقت اسی ایک آخری سکھ سے بھی وہ محروم ہو کر اس آشرم میں رہنا سہنا اس کے لئے قید خانہ سے بھی بدتر ہو گیا۔ وہ موقع تلاش کر کے اگر کبھی بہن کے سامنے آتی۔ تو گورو جی

اسی خوف سے بین اس سے نہیں ملتا تھا۔ یکایک وہ کبھی بین گیروے کپڑے کی جھلک دیکھ کر چونک اٹھتی تھی۔ بین کی یہ دور سے آنے والی آواز کبھی کبھی اس کے دل میں تیر کی طرح چبھتی تھی۔ بین اس سے کس قدر نزدیک ہے۔ اور اس قربت میں بھی کتنی حد فاصل ہے!! اس کی اس بیگسانہ و تشنہ کام زندگی سے کیسی بے دردی سے علیحدہ ہے۔ مالتی کے دن ایک کے بعد دوسرے بوجھ کی طرح اترنے لگے۔ اس کے دل میں یہی خیال آنے لگا۔ وقت جیسے ایک بہت بڑی نظر نہ آنے والی موت کی گولی ہے۔ اور اس گولی سے موت ہمیشہ بے روک ٹوک کھلتا ہوا آ رہا ہے۔

اُس کی حد نہیں۔ اختتام نہیں۔ زندگی کے خاتمہ تک یہ دھندلے تکان پیدا کرنے والے دن اسی طرح مایوسی اور مغموم انداز سے آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ اور مرنے تک اسی تاشر میں رہ کر گوردیجی کے خشک اور سخت اپدیش کا امرت ہضم کرنے کے لئے تکلیف وہ مصیبت اٹھانی پڑے گی۔

مالتی کے دل میں اس کی پہلی حالت کا جو سب مسرت بخش جذبات کا رس جمع ہوا تھا۔ انہیں تمام جذبات کی یاد سے تن تنہا پا کر اس کے دل و دماغ میں گونجنے لگی۔ اس کی کوئی ہمراز سہیلی بھی نہ تھی۔ جو دم بھر اس کے ساتھ باتیں کرتی۔ یا اس سے اپنا درد دل کہتی۔ اور اپنے زخمِ جگر پر مرہم رکھواتی۔ اور دل کی تکلیف کم کرتی۔ اس کا جو کچھ دکھ۔ فکر۔ افکار تھا۔ سب کی وہ واحد مالک تھی۔ اس میں کوئی حصہ دار نہ تھا۔ وہی تمام گذشتہ و آئندہ کے خیال، امید و ناامیدی اور تاریکی کے جال بُن کر اس کے ہر چہار طرف پھیل گئے وہ اُس میں محصور ہو گئی۔ اس جال کی تو حد نہیں۔ خاتمہ نہیں۔ ہر چہار طرف سے پھیل کر اس کی نگاہوں پر پردہ ڈال رہا ہے۔ روشنی نے تاریکی میں مل کر جیسے اس کی سانس روکنے کی تدبیر کی۔ کبھی کبھی اُس کی نگاہ جیسے بے پایاں کی طرح اطراف و جوانب میں پڑ جاتی تھی خوفناک گرج سے کالی کالی لہریں جیسے اسے اپنا لقمہ بنانے کے لئے دوڑ ہی تھیں۔ اس وقت وہ آنکھیں بند کر کے سوچتی۔ اپنے آپ کو نیست و نابود کر دینے کے لئے وہ بہانی سے نہیں بھاگ جائے گی۔ وہ نہ [illegible] وہ بہت دور رہا کی موسیقی

جیسے گرہستی کی مایا موہ تیاگ کر کے۔ . . . . اُن سے بھی کہیں زیادہ دور پرے وہ بھاگ جائے گی۔ وہ بھاگنا عرصۂ دراز اور زندگی بھر کے لئے ہوگا۔ وہاں جائے گی جہاں واپسی کا وہم و گمان بھی نہیں رہے گا۔ ان دھندلے ایام کے درمیان یہ ناقابلِ برداشت مشکل حالت میں اور وہ کبھی واپس نہ آئے گی!!

جس وقت مالتی کو یہ دُکھ دینے والی تنہائی اور بیکسی کی حالت کا احساس ہوتا تھا اُس وقت وہ کبھی کبھی پڑھنے کی خواہش کرتی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اس کے جی میں آتا۔ وہ جیسے اب اس سنیاسی کے آشرم کی مخلوق نہیں۔ جیسے وہ کسی آنند لوک کی رہنے والی ہے مگر کتاب بند کرتے ہی خیال آتا۔ گویا وہ آنند کے مندر کی اونچی چوٹی سے یکبارگی دکھ کے تاریک غار میں گر پڑی ہے۔ اس وقت وہ عموماً ایشور کی اُپاسنا کرنے بیٹھتی۔۔ اور اس کے خاتمہ پر دل میں یہ خیال آتا۔ گویا کھُر کی طرح طرب خیز چندن سے بسے ہوئے چرن امرت سے دل کی تمام آگ بجھ گئی ہے اور اسے طراوت حاصل ہوتی ہے

ادھر بپن کی سوامی جی مہاراج کے چرنوں میں اچل بھکتی اور خود ضبطی سیکھنے میں غیر معمولی کوشش ہونے پر بھی اس کی حالت دن دن قابلِ افسوس ہوتی جارہی ہے۔ بپن دنیا کی متواتر حالات کی چوٹ سے تنگ و بے چین ہو کر کہیں بے فکری سے پناہ لینے کے لئے بیتاب ہو اُٹھا تھا۔ یہاں آ کر اس نے بے فکری سے پناہ لی تھی۔ اور اسی لئے اس وقت اس کا دل مالتی کی کمی خاص طور پر محسوس کرنے لگا تھا۔ روحانی میل ملاپ وغیرہ کی بڑی بڑی دقیق باتیں سننے میں جیسی دلفریب تھیں۔ کارزارِ زندگی میں بپن کو وہ ویسی دلکش نہ معلوم ہوئیں۔ زندگی کے برخلاف چوٹ پر چوٹ لگنے سے چنچل ہو کر بپن کو اپنے خاص پیار و محبت کی طرف دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ اس وقت اُسے بے فکر دیکھ کر مالتی کی جانب اس کی محبت اپنا بال بنا کر زندگی پا کر، بیدار ہو کر نہایت دلپذیر شکل میں آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئی۔ بپن نے شاعری کے صحائف میں محبت کے باب میں جو کچھ پڑھا تھا۔ اس نے دیکھا۔ کہ وہ تمام تر اسی کے دل کی دفیر آواز بازگشت ہے۔ مالتی نے جب آشرم میں آنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اُس وقت

بین کا دل مسرت سے لبریز ہو اٹھا تھا۔ مگر اس وقت اس نے دیکھا۔ مالتی کا یہاں آنا نہ آنا دونوں یکساں ہیں۔ وہ اوپر کے کمرے میں رہتی ہے۔ اور وہ عین اسی کے نیچلے کمرے میں ہے۔ یہاں صرف چھت کی رکاوٹ ہے۔ مگر وہ کتنی دور! مالتی قطب شمالی میں رہے یا یہاں نظر نہ آنے والی حالت میں رہے دونوں یکساں ہیں۔ سر کے اوپر کمرے کے فرش پر کس کے پاؤں کی آواز؟ چیزیں رکھتے اٹھاتے کھٹ کھٹ کی آواز ہوتی ہے۔ شاید یہ سب مالتی کی موجودگی کے نشانات ہیں۔ مگر یہ سب جیسے دل کے اندر یاد کی حرکت ہے۔ دیکھنے کے لئے نہیں۔ صرف محسوس کرنے کے لئے! مالتی کو وہ جس قدر گراں بہا خیال کرنے لگا اسی قدر اس کا حرکت پذیر دل پریشان ہونے کا سامان کرنے لگا۔ رہ رہ کر اس کے دل سے ہوتے ہوئے سامنے اس کے زندگی کے تمام اوراق منتشر ہو کر آ رہے ہیں۔ اس کی غیر آسودہ خانہ بدوشی زندگی۔ کیا اسے وہ اسی طرح نہ کٹنے والے آفت کے جال میں پھنسائے رکھے گا۔ نہیں۔ ایک دن اپنے طاقتور ہاتھوں سے زور کے ہاتھوں سے زور کے ساتھ تمام جال جنجال دور کر کے اپنی بھوک رفع کرے گا۔ اس وقت کو یکبارگی کھونے کے لئے بجلی کی طرح مالتی کے پاؤں کی آواز۔ کاشی کی آواز۔ چابی دیوڑیوں کی جھنکار۔ سایہ کے شکل کی سی متجسس نگاہوں سے بین کا کام ہو گیا تھا۔ مالتی کی موجودگی کے نشان پر سلے کے لئے بین کے عضو عضو میں ہمیشہ جدوجہد اور کشمکش ہوتی تھی اور جب وہ مالتی کی موجودگی کے اننے نشان پا جاتا تھا۔ اُس سے وہ فرطِ مسرت سے گل صد برگ کی طرح شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اس سنسان گنگا کے کنارے دلکش باغیچہ میں کائنات کے نغمہ کے درمیان وہ اپنی اشٹ دیوی کے تصور میں اپنے دل کو دھوپ کی طرح سلگانے لگتا تھا۔ ایک طرف بیٹھے رہتے ہوئے بین اور دیگر اطراف سے عدم توجہ اور بے پرواہ ہو جاتا تھا۔ وہ نام جپ کرتے کرتے اداس بیٹھا رہتا تھا۔ ذرا سی آواز سنتے ہی چونک اٹھتا تھا

مالتی کی حالت بھی بین کی طرح ہو گئی تھی۔ وہ بے فکری سے ذرا دیر تک بھی بستر پر نہ لیٹ سکتی تھی۔ رات کو سب کی نیند اور خواب کے درمیان وہ اکیلی برآمدے میں آ کر گنگا کی طرف دیکھتی دیکھتی سوچتی۔ یہ زندگی تو اسی طرح شہد کے پیٹرے بہاؤ کی طرح بہتی جا سکتی تھی

بہن کو اس نے کس قدر پیار کیا ہے۔ مگر آج ایسی حالت آگئی ہے۔ کہ اس کے لئے تکلیف اٹھانا شرمناک ہو گیا ہے۔ اور وہ بہن کو قصوروار بھی نہ کہہ سکتی تھی۔ کیوں اُس نے دو دن کے لئے ایک آفت ناگہانی کی طرح زمیندار مہاشے کے خاندان میں آگئی تھی۔ وہ بگولہ کی طرح اڑتی ہوئی بہن کے آشیانہ محبت سے اسے نکال کرلے آئی تھی۔ مگر اپنے ساتھ بھی تو اسے نہ ملا سکی۔ اس کی نسبت تو وہ اپنے باپ کی جھونپڑی میں پڑی رہ کر مرتی۔ تو وہ ہزار درجہ بہتر ہوتا۔ جس کا مزہ اس نے زندگی بھر میں کبھی نہیں پایا۔ جس کا جاننا مناسب نہ تھا۔ اُسی کو اگر وہ جان گئی۔ تو وہ مطمئن کیوں نہ ہوگئی۔ اس نے بہن کے روبرو دلی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس کی شرم پردہ کسی طرح پردہ پوشی نہ کرسکتی تھی۔ اس شرم پر پردہ پوشی کرنے سے اگر بہن اس وقت بھی اسے قبول کرے۔ وہ اپنے روبرو صاف طور پر قبول نہ کرنے پر بھی اسے اپنے اندر ہی اندر ایک ملنے کی خواہش بے چین و بیتاب کر رہی تھی۔ اسی طرح اس کا پیار رکاوٹ پاکر باندھ سے روکے ہوئے ندی کے پانی کی طرح اُبل اُبل کر گرج اٹھتا تھا۔ کبھی کبھی تمام باندھ توڑ کر ملنے کے سرکش خیالات ان کے دلوں میں نہیں آئے۔ یہ بات نہیں تھی۔

مگر نئے چیلوں کی روحانی ترقی کے لئے بہت محتاط رہنے والے بے چین گورو ہمیشہ ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے شاگردوں کی اس قدر شوخی اور کسی قدر میل ملاپ کی خواہش بھی گوروجی کی نگاہوں میں پوشیدہ نہ رہتی تھی۔ وہ مالتی اور بہن دونوں کو نئے نئے اصولوں کی پیروی میں جکڑنا چاہتے تھے۔ انہیں سمجھاتے تھے۔ کہ یہ تمام چنچل پن دھرم کے راستہ میں زمانہ قدیم سے رکاوٹ ہو رہا ہے۔ انہیں عیسائی و مسلمان شیطان کا نام دیتے ہیں بھگوان بدھ مار کہتے ہیں۔ مہادیو کی طرح مدن بھسم نہ کرنے سے گوری کو نہیں پاسکتے تنکر کو پانے کے لئے گوری کی بھی تپسیا کرنی ہو گی۔

بہن گوروجی کے احکامات کو بسر وچشم قبول کر کے پھر اپنے آپ پر ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر مالتی اُس جوش و خروش اور شوق سے گوروجی کی نصائح پر عمل پیرا نہ ہوتی تھی۔ اس سرکش عورت کو دیکھ کر گوروجی پریشان ہو اٹھے۔ اگر

اسے کچھ سمجھایا بجھایا جاتا ہے تو وہ بحث کرتی ہے۔ شاستر کی باتیں مانتی نہیں۔ تجویز شدہ احکامات کی پابندی نہیں کرتی۔ ان تمام وجوہات سے گ ... م گرامس ... باز آنے والی چیلی پر بہت زیادہ احتیاط سے پہرہ دینے کی ضرورت پڑ گئی۔

سوامی جی جس قدر یکسوئی سے مالتی کے طور و اطوار کی رکھ پرکھ کرنے لگے۔ اسی قدر وہ اُس جمالی و جلالی زود فہم نوعمر نازنین بہن کی جانب کشش و محبت کی بے چینی دیکھ کر از خود رفتہ ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ پرمانند کے دل میں کسی قدر رقابت نظر آنے لگی۔

سوامی جی کے دل میں صرف یہی آنے لگا۔ کہ ان کے لئے کسی کا دل تو اس قدر بے چین اور حرکت پذیر نہیں ہوا۔ اتنے دنوں تک تعظیم و تکریم اور ادب سے ان کا غرور رخیتہ ہوا اٹھا تھا۔ آج مالتی نے اسی عرصہ دراز کی مشق شدہ زندگی کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا کر کے پرمانند کے دل میں ایک ایسا نیا خیال پیدا کر دیا۔ جس سے وہ کسی طرح اپنے آپ کو بھول سکتے تھے۔ ان کے دل میں رہ رہ کر یہی خیال آنے لگا۔ کہ مالتی کی بھی نہ لوٹنے والی عمر رنگی کے وہی قبضے رہیں۔ بہن نے دھوکا دیکر خود ہی اس پر اپنا قبضہ کر لیا ہے۔

اس وقت مالتی کا دل بہن کی طرف سے یکبارگی برگشتہ کر کے اپنی طرف راغب کرنے کی خاطر گوروئے بہن کی جانب خوب توجہ دی۔ اور سخت تر اصولوں کی پابندی پر زور دیا۔ مگر اس قسم کی حرکت سے وہ دل ہی دل میں اپنے آپ پر لعنت و نفرین بھیجتے تھے۔ اُس وقت وہ طرح طرح کی دلائل سے قایل کر کے اپنے آپ کو سمجھانے لگے۔ کہ وہ کسی قسم کی بے انصافی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ شاگردوں کے کلیان کیلئے گورو کو تو اسی طرح پہرہ دار بننا چاہئے۔ گورو ہونا کیا صرف منہ سے کچھ کہہ دینا ہوتا ہے۔ چیلے کے پاپ کا حصہ دار تو گورو ہی ہے۔

جب انہوں نے اپنے اس کام کو دل ہی دل میں اچھا اور مناسب سمجھ لیا۔ تو گورو جی بڑے خوشی کے ساتھ مالتی کی رکھوالی کے لئے جوش میں آگئے۔

(۴۳)

جس وقت سوامی جی مالتی کے خیال سے اس قدر بے چین ہو اٹھے تھے۔ مالتی خود بھی اپنی حالت سے پریشان ہو رہی تھی۔ پہلے پہلے جب وہ اس آشرم میں آئی تھی تو اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ گنگا کے کنارے ایسا ایک دلکش اور پُر فضا باغیچہ رنگا رنگ پھول سبزہ زار کیاریاں کتنے واقف اور ناواقف درختوں کی حیرت انگیز حسن انواع اقسام کے پرندوں کی زمزمہ سنجیاں موراور ہرنوں کا ناچ گنگا میں روزانہ جوار بھاٹے کا آنا جانا عجیب و غریب کشتیوں و جہازوں کی رفتار و ہلچل۔ صبح شام گنگا میں نورانیت اور سایہ کے کھیل ملاحوں کے گیت ہوا کو چیرتی پھاڑتی جہاز کی سیٹی دیکھ سنکر اس کے دن انہیں نظاروں میں گذر جاتے تھے۔ مالتی متھرا اور میں بہن کے گھر میں سب کے چھوٹے کے خیال سے بالکل بے کام رہ کر جھنجھلا اُٹھی تھی۔ یہاں آکر وہ کھانا پکا کر سب کو کھلاتی تھی۔ ٹھاکر جی کی سیوا کرکے وہ اپنے آپ کو کسی قدر ہلکا سمجھنے لگی مگر گورو کی کرپا سے اُس کو ان سب کاموں سے فراغت مل گئی تھی۔ اُسے ہلنا جلنا بھی نہ پڑتا تھا۔ ایک تنکے تک کو بھی توڑ کر دو ٹکڑے نہ کرنے پڑتے تھے۔ اوپر سے نیچے بھی آنے کا حکم نہیں تھا۔ مگر مالتی کچھ ایسی عجیب الخلقت تھی۔ کہ بھوتوں کی طرح ناریاسی سے کام لے کر وہ گورو کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی بھی نہ تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تمام دن گنگا کی طرف دیکھتی رہتی تھی۔ اس پار کے درختوں میں دھندلی جھاڑیوں کے درمیان مکانات تصویر کی طرح بےحس و حرکت نظر آرہے تھے۔ کسی مکان میں کبھی ایک شخص کی زندگی کے آثار بھی پلٹے جاتے تھے۔ گویا سب مالتی کی طرح بیکام اور بے کار بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یکایک اگر کسی دن مالتی نے دیکھا۔ کہ کسی مکان کی چھت پر کوئی بہو کپڑے خشک کر رہی ہے یا کسی چھت پر ایک رنگین پتنگ کسی نظر نہ آنے والے لڑکے کے دلپذیر لمس سے کانپ رہا ہے۔ بس اسی وقت اس کے تمام جسم اور دل میں ایک نئی زندگی آجاتی تھی۔ اُس زندگی کا نشان بہت جلد مل جاتا تھا۔ اس وقت مالتی دیکھتی تھی۔ دریا کے سینہ میں پانی کا سوتا رواں ہے۔ ختم نہ ہونے والے

سوت کی مانند دریدی کی ساڑی کی طرح عذ نہیں۔ چین نہیں کسی کی پروا نہیں۔ جیسے دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ کسی کی قرضدار نہیں۔ کسی کے دکھ سکھ سے اس کا کچھ بنتا بگڑتا نہیں۔ پانی پر کشتیاں وغیرہ سیاہ سیاہ پرندوں کی طرح سفید بادبان کی مانند ان کے پرخاموشی سے بہے جا رہے تھے۔ جہاز وغیرہ زبردست راج ہنسوں کی طرح تیزی سے چیختے چلاتے پانی کو تموج میں لاتے ہوئے اپنے بازوؤں میں حرکت پیدا کر رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تیزی سے پانی کے سینہ پر رواں دواں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں دفتر کے بابو بیٹھے ہوئے حقہ پیتے اور گالتے بجاتے۔ مگر ان تمام حرکات وسکنات میں کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ کہیں بھی زندگی کے آثار نہ تھے۔ سب میں یکسانیت اور تھی۔ دیکھتے دیکھتے شام ہو گئی۔ پرندوں کی قطار غبار آلود غروب آفتاب کی روشنی سنہری خون کے بہاؤ میں سے ندی کے اوپر بڑے دروازے میں بندھن وار مالا کی طرح نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ مالتی ان سب کو دیکھ کر نہ معلوم کیا کیا سوچتی تھی۔ سر بفلک تال کے درختوں کا سایہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہی پچھم سے آ کر پورب کی طرف رفتہ رفتہ پھیل گیا۔ اُس پار کالے کالے درختوں پر سیاہ تاریکی چھا گئی۔ سب کے سب رفتہ رفتہ یکسانیت میں ڈوب کر سکڑ گئے۔ دور نظر نہیں جاتی تھی۔ اُس وقت بے چاری مالتی کمرے کے ایک کونے میں چُپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ انجام سے خالی موسم سرما کے دن جیسے کسی طرح کاٹے نہیں کٹتی تھی۔

جب اسے کچھ اور اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت مالتی کتاب کھول کر بیٹھ جاتی تھی۔ بہت دیر تک کتاب اس کی گود میں آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی پڑی رہتی تھی مگر اس کا دل بہن کی یاد سے کنارے کنارے چکر لگاتا تھا۔ پژمردہ کمل کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے بھونرے کی طرح فانوس کی قید و بندش سے محصور پروانہ کی طرح کبھی کبھی وہ اپنے دلی غم اندوہ جذبات کو نظم کے پیرائے میں ادا کرنے کی کوشش کرتی کبھی اپنی ناواقفیت میں کچھ کچھ لکھتے لکھتے بہن کا نام لکھ جاتی تھی۔ اسی نام کے الفاظ اور شکل جیسے اُس کے صفحۂ دل پر ایک نہایت ہی دلکش لمس پیدا کر دیتی تھی

جیسے بے حد درد کے رس سے شرابور دونوں آنگوں آنکھوں کی نظر اس کی زبردست تکلیف کے اوپر تسکین و تشفی کا پھاہا رکھ دیتی تھی۔ شیشہ میں دیکھنے سے جیسے باہر کی چیزیں عجیب و غریب رنگ سے رنگی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح عہد گذشتہ کی یاد کے اندر سے مالتی اسی طرح اپنی اس گراں بار زندگی کو رنگین کرکے دیکھنا چاہتی تھی۔

مالتی جو کچھ کرتی تھی۔ گوروجی اسے دروازے کی آڑ سے جھانک کر دیکھا کرتے تھے۔ شکاری ہی کی طرح سوامی جی چپ چاپ قدم چلتے ہوئے دروازے کی آڑ سے مالتی کے تمام حرکات و سکنات پر غور کیا کرتے تھے۔ مالتی نے بار ہا پریانند کی یہ ناجائز حرکت دیکھی تھی۔ مگر وہ اُسے خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ پریانند نے جس وقت اچھی طرح سمجھ لیا کہ مالتی ان کی سراغ رسانی سے واقف ہوگئی ہے۔ اُس وقت ان کا بھی حوصلہ آہستہ آہستہ بڑھ گیا۔

ایک دن مالتی سینہ سے تکیہ لگائے ہوئے پڑی پڑی کوئی نظم لکھ رہی تھی۔ گنگا کے سامنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہوا زور شور سے کتاب کے اوراق فر فر الٹتی الٹتی جاتی تھی۔ مالتی کے کالے کالے بالوں کی لٹیں آنکھوں پر لہرا رہی تھیں۔ عین اسی وقت پریانند چپ چاپ کمرے میں قدم جماتے ہوئے مالتی کے پاس جا کھڑے ہوئے اور پیچھے سے دیکھنے لگے۔ کہ مالتی نظم لکھ رہی ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ جُھک کر انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور کاغذ کھینچ لیا۔

مالتی نظم لکھنے میں کچھ اس قدر محو ہو رہی تھی۔ کہ اُسے کچھ نہ معلوم ہوا۔ چونک کر پیچھے دیکھا۔ پریانند! وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بالوں کو ترتیب دیکر جس وقت اس نے پریانند کی طرف نظر کی۔ اُس وقت اُس کی آنکھوں سے شرارے برس رہے تھے۔

پریانند نے چشم پوشی کرکے ہنستے ہنستے کہا۔ سنیاسی کے برت کا پالن خوب ہو رہا ہے۔ رادھا رانی! سنیاسنی لکھتی تو ہے۔ محبت کے رس میں ڈوبی ہوئی نظم اور غیر شخص کا نام جپ رہی ہے۔ مالتی اگر گوروجی کی جھنجھلا دینے والی تقریر سے چھلنی کی طرح

ہو جاتی۔ اور اپنے غصہ سے اپنے آپ کو جلا کر خاک کر دیتی۔ تو بچ سکتی تھی۔

مالتی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ آپ گورو ہیں یا چور!

پریانند نے ہنسکر کہا۔ میں گورو ہوں۔ چیلا جب چوری کرنا شروع کرتا ہو تو گورو کو بھی مجبوراً اس کے ساتھ چور بن کر گرفتار کرنا پڑتا ہے۔ تم کیا سنیاسی کا دھرم پالن کر رہی ہو۔

مالتی سے اب نہ رہا گیا۔ چلاّ کر بولی! میں سنیاسنی نہیں ہوں۔ میں چلا کر کہتی ہوں ہزار بار کہتی ہوں۔ میں سنیاسنی نہیں۔ آپ میرا خیال دل سے نکال دیجئے۔ اور ساتھ ہی اپنے آشرم سے بھی مجھے رخصت کیجئے۔ اس طرح میری تذلیل و تحقیر نہ کیجئے۔

مالتی دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کر کے رونے لگی۔ یہ دیکھ کر پریانند کسی قدر شرمندہ اور دکھی ہو کر بولے۔ رُدر ادھارا نی دو۔ آنسوؤں کے پانی سے اپنی تمام کدورت دھو ڈالو۔ دھرم کا رستہ بہت ٹیڑھا ہے۔ دل کا تمام بار پیچھے پھینکنے سے ہلکی ہو جاؤ گی۔ ورنہ منزل مقصود تک پہونچنے میں مشکل ہوگی۔ جس وقت دل بےچین ہو بھاگوت پڑھو۔ نظم لکھنے کو جی چاہے۔ تو مالک کے چرنوں میں پرارتھنا کرو۔ اپنے آپ کو بھاؤ کے رُخ میں اس طرح نہ چھوڑو۔

مالتی منہ پھیر کر کھڑی ہوئی اس ماگھ مہینہ کی سخت سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ سوامی جی گرادٹ کے تاریک غار میں کہاں تک۔ اتر گئے ہیں۔ یہ سوچکر بھی مالتی کو ایک ناقابل برداشت شرم محسوس ہوئی تھی۔

مالتی نے جب منہ پھیرا۔ اس وقت اس کا چہرہ سیندوریا آم کی طرح سُرخ ہو گیا تھا۔ شرمسار لہجہ میں بولی۔ اب میرے کمرے سے اسی وقت چلے جائیں۔ ورنہ میں شور مچا کر زمین و آسمان سر پر اٹھا لونگی۔

پریانند نے دردآلود لہجہ میں کہا:۔ اچھا تمہارا دل اسوقت کسے ہوئے ستار کی طرح ہوا کی چوٹ سے جھنجھنا اُٹھا ہے۔ تم کھنڈتی ہو۔ میں کسی دوسرے وقت آ کر تمہیں سمجھا دوں گا۔ اس وقت تم بہت زیادتی کر رہی ہو۔

پریمانند ایک قدم۔ دو قدم۔ رکھتے رکھتے آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے
مالتی بستر پر سینہ کے بل پڑ رہی۔ اور تکیہ میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی

(۴۴)

اس واقعہ کے بعد مالتی بہت متفکر ہو گئی نہ معلوم کس وقت پریمانند آ کر اُس کے کمرے میں مچا دیں گے۔ گھر میں کوئی ایسی کیل نہیں۔ جس سے لگا کر مالتی اپنے آپ کو اندر چھپا سکے۔ اس نے سوچا۔ دروازے بھیڑ کر ٹرنک وغیرہ بھاری بھاری چیزوں کی آڑ لگا دے گی۔ مگر اس نے دیکھا۔ تمام دروازے باہر کی جانب کھلتے ہیں۔ اس سے اس کا دل اس قدر خائف ہو گیا۔ کہ اس کے دل میں یہی آنے لگا۔ کہ تمام دروازوں کی درازسے شاید پریمانند اسے دیکھ رہے ہیں۔ کہیں ذرا سی کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ کسی کے پاؤں کی آواز آئی۔ اور وہ چونک اٹھتی تھی۔ مالتی کو خواب و خور قطعی حرام ہو گیا۔ وہ اپنے آپ کو لیکر کہیں سنسان جگہ میں بیٹھ کر غور کرنے کا موقع کبھی نہ پاتی تھی۔

مگر چار پانچ دن تک مالتی کو گوروجی کے درشن تک نہ ملے۔ وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں ہی بیٹھ کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔

یکایک ایک دن صبح سوامی جی نے بہن و مالتی کو بلایا۔ گرو کا بلاوا سنکر مالتی کا دل خوف سے بھر اٹھا۔ اس نے شانتی سے پوچھا۔ دیدی! وہاں اور کون ہے؟

شانتی نے کہا:۔ جوگانند اور ہیں تھی۔ جوگانند سرِیانند کو بلانے گئے ہیں اور میں تمہیں لینے آئی ہوں۔

جب مالتی نے سُنا۔ کہ بہن کو بھی بلایا ہے۔ اُس وقت وہ بے خوفی سے شانتی کے ساتھ گوروجی کے کمرے کی جانب روانہ ہوئی۔

پریمانند کہہ رہے تھے۔ دیکھو بہن بالپوا میں نے غور کر کے دیکھا ہے۔ اس آشرم میں تم لوگوں کا رہنا سودمند نہ ہوگا۔ تم مالتی کو لیکر سنسار آشرم میں ہی واپس جاؤ....

یہ بات مالتی کے کانوں میں بھی پہونچی۔ مالتی نے آکر سر جھکا کر پریمانند کو پرنام کیا اور ایک کنارے بیٹھ گئی۔

بپن نے ایک بار کن انکھیوں سے مالتی کی طرف دیکھ کر گورو جی سے بولا۔ مجھے ایسا سخت حکم کس قصور کی وجہ سے ملا؟ گرہستی میں میں نے کہیں جگہ نہ دیکھ کر آپ کے چرنوں میں پناہ لی ہے۔ مجھے کیا کہیں بھی جگہ نہ ملے گی؟ بپن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

پرمانند چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے ایک بات بھی نہیں کہی۔ بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھی بیٹھی مالتی یکایک وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اس وقت بپن بھی گورو کو پرنام کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ پرمانند نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ دیکھو بپن! تمہارے دل میں ویراگ ہونے سے بھی مالتی کا دل بہت کمزور ہے۔ اس آشرم میں اس کا رہنا کچھ اچھا نہیں۔ تم اس کے رکھنے کا انتظام اگر کہیں اور کر دو۔ تو بہت اچھا ہو۔

بپن مالتی پر ناراض ہوا۔ اس کے دل میں یہ بات آئی۔ کہ مالتی نے ضرور کوئی ایسی حرکت کی ہے۔ جس سے سوامی جی اسے یہاں نہیں رکھنا چاہتے۔ بپن جوش میں آ کر مالتی کے کمرے کے سامنے کھڑا ہو کر غضبناک لہجہ میں بولا۔ مالتی!

آشرم میں آ کر بپن ایک بار بھی مالتی کے پاس نہیں آیا تھا۔ آج اسے پکارتے سُن کر مالتی کا دل مسرت سے گل صد برگ کی طرح شگفتہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید گورو جی کے اصرار سے گرہستی میں واپس جانے کے لئے بپن اُسے بلانے آیا ہے مالتی جلدی جلدی سامنے آ گئی۔ اور شرمگین نگاہوں سے بپن کی طرف دیکھنے لگی۔

بپن کی تمام گرمی اسی دم جاتی رہی۔ اس کے دل نگاہ سُکھ کی لالچ میں آڑ سے دیکھنے لگی۔ بپن سے وہاں کھڑا نہ رہا گیا۔ وہ مالتی سے بغیر کچھ کہے سُنے واپس جانے لگا مالتی نے متعجب ہو کر کہا۔ آپ مجھ سے کیا کہہ رہے تھے۔

شرمسار بپن مالتی کی جانب ایکبار دیکھ کر چونک اٹھا بولا۔ تم آشرم کے اصولوں کی پیروی نہیں کرتی ہو۔

مالتی کو غصہ آ گیا۔ یقیناً پرمانند نے اس کی شکایت کی ہے۔ مالتی نے تیز آواز سے کہا۔ نہیں۔

کیوں ؟

کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی۔ یہ کہکر مالتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بپن نے دیکھا۔ کہ مالتی زمین پر بیٹھی ہوئی۔ بستر میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ وہ بہت دیر تک کھڑے رہنے کے بعد ایک گہرا سانس لے کر چلا گیا۔

(۴۵)

بپن نے نیچے آ کر دیکھا۔ بُرے گرہ کی طرح تارک کھڑا ہے۔ بپن کو دیکھتے ہی تارک نے اپنے بڑے بڑے دانت نکال کر ہنستے ہوئے کہا:۔ کیوں! شوقین سنیاسی! معلوم ہوتا ہے۔ تم امروز فردا میں ہی رسیاں تُڑا کر گرہست آشرم میں واپس جاؤگے ٹھیک ہے نہ ؟

بپن اس پر غور نہ کر کے اپنے کمرے میں جا کر یوگ وششٹ کا مطالعہ کرنے لگا

"دُنیا میں جو چیزیں عیش و عشرت کے لئے بنی ہیں۔ یہ تمام ناپائدار ہیں۔ یہ آفات کی جڑ ہیں۔ اور پاپ کا پیش خیمہ۔ دولت کا آپس میں جو رشتہ ہے۔ وہ صرف اپنا روحانی خیال ہے۔"

"خون۔ ہڈی اور گوشت سے بنی ہوئی عورتوں کے مشین کی طرح شوخ اعضاء میں حقیقی حسن کیا ہے؟ مرد اس دنیا روپی تالاب کی مچھلی ہے۔ دل رُوپی کیچڑ اس کے سیر و تفریح کی جگہ ہے۔ بُری خواہشات ان مچھلیوں کو پکڑنے کے لئے کنڈیا اور تاگا ہیں اور عورت اُس کنڈیا میں لگی ہوئی مچھلی کا چارہ ہے۔"

"ہے رام! عالم فاضل خواہشات کے ترک کا نام نجات بتاتے ہیں۔ اور دولت کی خواہش کی زیادتی کو بندھن کہتے ہیں۔ جس سے پرشارتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور تناسخ کی تکالیف سے نجات حاصل ہو۔ جہاں سے طمانیت ملے۔ وہی اصلی زندگی ہے۔"

مگر شاستر خواہ کچھ ہی کہے۔ عورتوں کا نقشہ خواہ کتنی ہی بری طرح سے کھینچے بپن کے دل میں کسی طرح مالتی غیر دلکش معلوم ہوتی تھی۔ مالتی کے بغیر زندگی ہیچ نظر آتی تھی۔ ابھی۔ وہ مالتی کو روتے ہوئے دیکھ آیا تھا۔ وہی اس کے گرا گرم آنسو ایک

ایک ۔۔۔ کرکے گر کر بپن کے دلی برتن میں پڑ کر موتیوں کی طرح بن کر شادی کی مالا کی شکل میں اکٹھا ہو رہے تھے۔

چھت کی طرف نگاہیں جمائے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ اسی از پر والے ۔۔۔ میں مالتی رہتی ہے۔ خواہش کرنے سے وہ اُسے پا سکتا ہے۔ اس وقت بھی پا سکتا ہے۔ مگر اس سکھ کو اس نے اپنی مرضی سے ترک کیا ہے۔ اس ۔۔۔ تکلیف میں بھی نیا گر ۔۔۔ غرور ۔۔۔ محسوس ۔۔۔ تھا۔

تاہم شاستر کے احکامات اور اس کے طریقہ تعلیم اور ویراگ کے غرور کی پروا نہ کرکے اس کا دل صرف مالتی کی طرف ہی جا رہا تھا۔ بار بار اس کے دل میں آتا تھا اس کی نسبت تو مالتی سے شادی کر کے کاروبار کرنا بھی کہیں بہتر تھا۔ ۔۔۔ یوگ، وشسٹ، رامائن پڑھنے کی طرف اس کی توجہ نہ تھی۔

بپن سوچنے لگا مالتی میرے ایک چھوٹے سے سوال سے اس طرح کیوں ۔۔۔ اُٹھی؟ تو کیا مالتی اس وقت بھی مجھے پیار کرتی ہے۔ اس وقت بھی کیا اس کا دل میری جانب مائل ہے؟ میں نے اس کے ساتھ جو بے انصافی کی ہے۔ اُسے کیا اس نے معاف کر دیا ہے۔ میں جس طرح اس کے فراق میں جل رہا ہوں۔ اس کا دل بھی کیا اسی ۔۔۔ محبت کی آگ میں جل رہا ہے؟ ہائے اُبھا گنی! کیوں تم نے لوکشور کے ساتھ شادی نہیں کی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میری ریاضت میں کیوں خلل پڑتا۔ اور مجھے کیوں ہر وقت تمہاری فکر گھیرے رہتی؟ پہلے سوچا تھا۔ تمہیں ساتھ رکھ کر بیچے دل سے بے فکری کے ساتھ دھرم سادھن کر سکوں گا۔ مگر میدان کارزار میں آکر دیکھتا ہوں۔ کہ یہ محض سراب ہے نہایت ہی دلکش اور لالچ کی چیز پاس رکھ کر ۔۔۔ یا نست میں دل دینا مجھ جیسے حقیر شخص کا کام نہیں۔ اس بات کے قبول کرنے میں شرم کو کیا کام۔ اگر مالتی لوکشور سے شادی کر لیتی تو میں اسے دیکھ کر سکھی ہو سکتا تھا۔ مگر فی الحقیقت کیا میں سکھی ہوتا؟ شاید وہ تو میرے لئے اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتا۔ دور ہو۔ خاک ڈالو۔ اس سنیاس کے راستے میں دھرم کا سادھن کرنا میرا کام ہے۔ میں آج ہی گوروجی سے کہوں گا۔ کہ اگر میں نے مالتی

کو نہ پایا۔ تو میرے لوک پرلوک دونوں خراب ہو جائیں گے اور میں دین و دنیا دونوں میں سے کسی مصرف کا نہ رہوں گا۔

اس طرح فکر کرتے بپن کے دل میں مالتی کے لئے ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی وہ اُسی وقت گورو جی کی تلاش میں باہر نکلا۔ کمرے میں جا کر دیکھا۔ کہ مہاراج آنکھیں بند کئے ہوئے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بپن جو ارادہ کرکے آیا تھا۔ اس نے دیکھا۔ کہ اس کے اظہار میں اس کی زبان جھجک سے کام لے رہی ہے۔ وہ اس اکھنڈ مورتی سے کیونکر کہہ سکے گا۔ کہ میں مالتی کو بیوی کی حیثیت سے قبول کرنا چاہتا ہوں۔ بپن کا چہرہ شرم سے سرخی مائل ہو گیا۔ وہ ہراساں ہو کر اپنے کمرے میں گیا۔ اور گیتا کھول کر پاٹھ کرنے لگا۔

بپن اپنے بے اختیار دل کو قابو میں کرنے کے لئے ماگھ کی اگلی پورنماشی سے جنگل میں سکونت اختیار کریگا۔ جو سنیاسی تن تنہا رہ کر بھگتی کرنا چاہے۔ اُس کے لئے آشرم باغ باغیچے اور گنگا غرض اطراف و جوانب میں ہر جگہ موقع ہے۔ وہ اس وقت بھی تو ایسی سنسان جگہ میں ہے۔ جہاں اس سے کوئی مخل ہونے والا نہیں۔ مگر کیا اب وہ اور کیا گل کھلانا چاہتا ہے۔ بپن جنگل کا رستہ لیگا۔ یہ سنکر مالتی بہت خ[illegible] اور بے تاب ہو گئی۔

(۴۶)

آشرم میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ سب دیکھ رہے تھے۔ کہ گورو جی کے مزاج میں ایک خاص تبدیلی آگئی ہے۔ وہ ہمیشہ متفکر رہتے ہیں۔ دن رات کا کثیر حصہ تفکرات و پریشانی میں گذرتا ہے وہ زیادہ تر آنکھیں بند کئے نہ معلوم کس خیال میں مستغرق رہتے ہیں۔ رہ رہ کر پوجا گھر میں چلے جاتے ہیں۔ پہلے کی طرح ان کے ہونٹوں پر وہ بہشتی مسکراہٹ نظر نہیں آتی بانوں میں وہ پہلا سا اثر نہیں۔ صبح شام جب چیلے اکٹھا ہوتے ہیں۔ تو وہ اور بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی نے کوئی سوال کیا تو جیسا ویسا بُرا بھلا جواب دینے میں بھی یکایک ان کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے اور وہ مضمحل اور پژمردہ ہو کر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

یہ دیکھ کر چیلے یا چیلیوں میں سے کوئی ان کے پاس آنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ سب خوف سے دور دور رہتے تھے۔ دو چار دن بعد یکایک ایک دن پریمانند نے اپنے تمام چیلے چیلیوں کو بلا کر ان کے سامنے شاستر پڑھنا شروع کیا۔ کسی دن وشنو پداولی کا کیرتن ہوتا تھا۔ مگر مالتی کو اُنہوں نے کسی دن بھی نہ بلایا۔ مالتی کبھی گورو کے منہ سے ویراگ کے اپدیش سننے کے لئے بے چینی کا اظہار نہ کرتی تھی۔ مالتی خوب سمجھ رہی تھی۔ کہ گورو اس سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ٹھاکر جی کے کمرے کو جو راستہ تھا۔ وہ مالتی کے کمرے سے ہو کر جاتا تھا۔ مالتی دیکھتی تھی۔ کہ گورو جی مساوات کے مطابق وہاں جاتے ہوئے دیگر کمروں پر بھی نظر ڈالتے جاتے تھے۔ وہ سمجھتی تھی۔ کہ چونکہ انہوں نے گورو ہو کر مالتی کی کارروائی ایک دن دروازے کی آڑ سے جھانک کر دیکھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنی آنکھیں شرم سے سامنے نہ کر سکتے تھے جب تک وہ خود اُن کے پاس جا کر معافی مانگ کر اپنی کدورت نہ دھو ڈالیگی۔ اس وقت تک گورو جی اس کے سامنے نہ آئیں گے۔ مگر مالتی کے دل میں ان کی اس شرم کو دور کرنے کے لئے کبھی کوئی خاص بے چینی پیدا نہ ہوئی۔ پریمانند کے کمرے میں سب اکٹھا ہوتے ہیں۔ اگر وہ بھی اس میں شریک ہو۔ تو ہین کو کبھی کبھی ضرور دیکھ سکے گی۔ یہ لالچ اس کے دل میں ضرور تھی۔ مگر پریمانند کی نگاہوں کے سامنے ہین کے ساتھ میل ملاپ بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

ہین بھی یہ موقع غنیمت سمجھ کر ہمیشہ سب سے پہلے حاضر ہوتا تھا۔ اور مالتی کو نہ دیکھ کر گہرے سانس لیتا ہوا سب کے پیچھے چلا جاتا تھا۔ اُس کے دن ایک ایک کرکے بڑی تیزی سے گذرتے جا رہے تھے۔ اسے ماگھ کی پورنماشی سے لے کر پھاگن کی پورنماشی تک بالکل اکیلے رہنا ہوگا۔ کیا توشہ اور کیا سرمایہ ہے کہ وہ یہ مشکل تپسیا کاٹ سکے گا۔ آہ! جانے سے پہلے اگر وہ ایک دن بھی مالتی کو اچھی طرح جی بھر کر دیکھ پاتا!!

آج ماگھ کی پورنماشی تھی۔ آج طلوع ماہتاب کے ساتھ ساتھ ہی ہین کو چلا جانا تھا۔ ہونا ہوتا۔ بندرابن جنگل میں جا کے [illegible] کی طرح اس کا دل کسی طرح

بھی جانے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ اور رہنے کا بھی موقع نہیں۔ بہن آج تڑپ تڑپ کر ادھر ادھر بھر رہا تھا۔

مالتی کے دکھ کی بھی جیسے آج حد ہو گئی تھی۔ یہ بھی اس کی قسمت میں تھا! بہن کے ساتھ آزادانہ طور پر رہ سکے گی۔ جو اِس لالچ سے سنیاس آشرم میں آئی تھی۔ وہی بہن آج اسے بیکسی و بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر تنگ و تاریک گپھا میں تپسیا کرنے جا رہا ہے۔ وہ اننادھا رمک ہے! وہ اس قدر بیدرد سنگدل اور بے وفا ہے!! مالتی نے اپنے کمرے کے تمام دروازے بند کر کے ٹرنک سے بہن کی ایک عکسی تصویر نکالی۔ یہ تصویر وہ متھرا لیے آتے ہوئے بہن کے کمرے سے چرا کر لائی تھی۔ یہ بے چاری کے بڑے آدر، بڑے شرم اور نہایت پوشیدہ دولت تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو جاتا تھا۔ مالتی نے وہ تصویر سینہ سے لپٹا کر آنسوؤں سے اندھی ہو کر دکھی دل سے چپ چاپ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ اُف! تم اس قدر سنگدل ہو! اتنے بے درد!!

مالتی تصویر کو کھاٹ پر بستر کے اوپر رکھ کر اس کے سامنے سر جھکا کر روتے روتے سوچتی تھی۔ پریتم! کیا تم کاغذ ہی ہو۔ زندگی نہیں جذبات نہیں۔ لطف و کرم نہیں!

کبھی گنگا کی جانب سے ہوا آ کر چپ چاپ کمرے کے برآمدے کی طرف کا دروازہ آہستہ آہستہ کھول دیتی تھی۔ مالتی سر نیچا کر کے آنکھیں بند کر کے آنسوؤں کے سیلاب سے اندھی ہو کر اپنی گہری تکلیف کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اُس نے پتہ نہیں پایا عین اسی وقت پریانند اُسی راستہ سے نٹا کر گھر جا رہے تھے۔ مالتی کے کمرے کے سامنے آ کر چونک کر چلے جائیں گے۔ دیکھا۔ مالتی بہن کی تصویر کے پاؤں پر سر رکھ کر بے چینی سے رو رہی ہے۔

پریانند دیر تک کھڑے دیکھتے رہے۔ ایک بار واپس آ گئے۔ پھر آ کر کھڑے ہو گئے اس کے بعد کمرے میں گھس کر تصویر اٹھا کر لہجہ میں بولے۔ رادھا رانی! یہ خوب! شیرنی کے بچہ کو چرانے کے لئے چور جاتا ہے تو شیرنی تڑپ اٹھتی ہے۔ مالتی اسی طرح

کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند پریانند کے اوپر گر کر شور مچانے لگی۔ چور!

پریانند مالتی کی خوفناک شکل دیر جوش حملہ سے سہم کر جلدی جلدی ایک ہاتھ سے اُسے دھکا دیکر ہٹا کر اور دوسرے ہاتھ سے تصویر کو لے کر کمرہ سے باہر برآمدے میں آگئے۔

مالتی چلا اٹھی۔ میری چیز آپ دیئے جایئے کہے دیتی ہوں۔

مالتی کی آنکھوں سے شرارے برس رہے تھے۔

شور و غل سنکر کئی سنیاسی و سنیاسنی وہاں جمع ہو گئے۔ اور آرزومندانہ نگاہوں سے ایک بار گورو جی وایک بار مالتی کی طرف دیکھنے لگے۔

مالتی گرجتی ہوئی پریانند کی طرف انگلی دکھا کر بول اُٹھی۔ اس چور کو آپ لوگ گورو کہکر پرستش کرتے ہیں!!

سب نے متحیر ہو کر سوامی جی کی جانب نظر کی۔

گورو جی الی کی آتش خیز مورتی کے سامنے آج ملزم کی طرح معلوم ہوتے تھے سب کے سامنے اپنے آپ کو سنبھال کر بہن کی تصویر دکھا کر بولے۔ سنیاسنی اسے سینہ سے لپٹائے بیٹھی تھی! چور کون ہے؟

کیسی شرم کی بات! کتنے غیرت کا مقام!! اتنے لوگوں کے سامنے اس طرح ایک شخص عورت کی بے عزتی کر سکتا ہے۔ ایسا بزدل تو مالتی نے پریانند کو نہیں سمجھا تھا کتنے شرم کی بات! ایک سنیاسنی ایک سنیاسی کی تصویر سینہ سے لگائے رکھ سکتی ہے ایسی نہ ہونے والی بات تو اس آشرم میں آج تک تو کسی سنیاسی اور سنیاسنی نے نہیں دیکھی تھی۔ وہ لوگ سب کے سب مالتی کی طرف ملامت خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ مالتی دھوپ سے جلی ہوئی بیل کی طرح زرد ہو کر وہیں دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ کر بیٹھی رہی۔ پریانند بہن کی تصویر لے کر اپنے کمرے میں جا چھپے۔

بہن اُس وقت گنگا نہا کر تنے گیروے لباس زیب تن کئے ایک ہاتھ میں کمنڈل دوسرے میں یوگ وشسٹ رامائن لئے ہوئے گپھا میں داخل ہونے جا رہا تھا۔ عین اسی وقت شام

کی ہوا کو چھیدتی ہوئی مالتی چلا اُٹھی - چور!

بین کا خون جوش میں آ گیا - پاؤں میں تیزی آ گئی - خواہش ہوئی - کہ دوڑ کر اپنے دونوں بازوؤں میں مالتی کو لپٹا کر کہے :- کوئی خوف نہیں - میں ہوں!

جوگانند نے کہا :- گورو بھائی! اس وقت تمہارے مزاج میں انتشار مناسب نہیں تم گپھا میں چلو!!

بین یکبارگی پیچھے پھر کر تاکتے ہوئے ایک گہرا سانس لیکر آگے بڑھنے لگا - مالتی دوڑتی ہوئی آ کر راستہ روک کر چلا اٹھی - مجھے اس بیکسی کی حالت میں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ جسے گورو سمجھ کر پوجا کرتے ہیں - وہ ایک چور ہے

بین کا منہ خشک ہو گیا تھا - وہ مخوف نگاہوں سے مالتی کی طرف دیکھتا کانپتی اور لکنت شعار آواز سے بولا - کیا ہوا؟

پریانند نے قدم بڑھا کر کہا - سنیاسنی کسی مرد کی تصویر سینہ سے لگا کے رو رہی تھی - میں نے چھین لی ہے -

بین جیسے کتنے دنوں سے مر چکا تھا - جو تھا - وہ اُس کا لاشہ تھا -

مالتی نے کڑک کر بین سے کہا :- آپ اپنے گورو سے کہیے - کہ میری چیز مجھے واپس دے دیں -

بین نے لکنت شعار زبان سے باوجود متواتر کوشش صرف یہی الفاظ نکلے کس کی تصویر ؟

مالتی کی چہرہ غصہ سے سرخ ہوا اٹھا تھا - اس وقت شرم کی جھلک نے اُس سرخی کو سُرخ تر کر دیا تھا - اس کے چہرے پر غروب آفتاب کی روشنی اور طلوع ماہتاب کی چاندنی پڑ رہی تھی - مالتی نے سر جھکا کر کہا :- یہ میں نہیں جانتی - آپ اُن سے کہدیجئے کہ وہ دیدیں!

بین ایک گہرا سانس لیتا ہوا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا گپھا کی طرف چلا!

مالتی اسی راستہ کی خاک میں لوٹ کر اس خاک سے بھی بدتر اور لاپرواہی کا نشـ

ہو کر اپنی موجودگی کو خاک میں ملا دینا چاہتی تھی۔ اسی قسم کی شرم سے جانکی جی مٹی میں مل گئی تھیں۔ جو بے عزتی عورتوں کے آخری پردے کو بھی چھین کر اُسے تمام دنیا کی بیدرد اور چلبل پذیر نگاہوں کے روبرو کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ وہی بے عزتی ہے۔ اُسی دُکھ دینے والی بے عزتی کی شرم سے مالتی خاک اور مٹی کو آنسوؤں کے پانی سے تر کرنا چاہتی تھی۔

کس نے اپنے دونوں نرم و نازک ہاتھوں سے اُسے کھینچ کر ترحم آمیز لہجہ میں پکارا۔ دیدی! تم اٹھ آؤ!

مالتی جلد ہی جلد ہی اُٹھ کر شانتی کے سینہ میں اپنی تمام شرم چھپا کر جیسے موت سے بچی۔ مردوں کی نگاہوں سے شانتی اُسے ہٹا لے گئی۔ ماگھ کی پورنماشی کا چاند اُس وقت تمام آشرم کو ہنسی سے بھرپور کئے دیتا تھا۔

۴۷

پون مالتی کی طرف سے بے فکر ہو کر گپھا میں داخل ضرور ہوا۔ مگر دل کی آگ گپھا کے باہر بند کر کے نہ آ سکا۔ گپھا کے بیچوں بیچ گہری تاریکی ایک زبردست سیاہ پتھر کی طرح اس کے سینہ پر اپنا اقتدار جمانے لگی۔ گپھا میں وہ تن تنہا تھا۔ اسی وجہ سے ہزاروں افکار و آلام اُس کے دل کو گھیر کر گرفتار کرنے لگے۔ مالتی کس کی تصویر سینہ سے لگا کر رو رہی تھی؟ مالتی کے لئے وہ ماں باپ کی محبت سے محروم ہو کر بے پناہ سنیاسی ہونے پر بھی وہ تو مالتی کی فکر نہ ترک کر سکا۔ وہ تن تنہا گپھا میں ریاضت کرنے کی غرض سے آ کر صرف مالتی کا تصوّر کر رہا تھا۔ اور مالتی؟ ـــ وہ کس پر فریفتہ ہے۔ کس کے ہجر میں اپنی اس قدر بے چینی۔ آنسوؤں کے پانی سے وہ کس کی یاد ترو تازہ کر رہی ہے؟ پون کے دل میں طرح طرح کے شک اور خوف پیدا ہونے لگے۔ وہ کیوں نہ جان کر آیا۔ کہ کس کی تصویر تھی؟ بچھوؤں کے ستائے ہوئے قیدی کی طرح تڑپنے لگا۔ اتنی تکلیف اتنا درد تو اس نے زندگی بھر میں کبھی نہیں پایا۔ وہ گیتا پڑھنے لگا۔

مالتی کے دل میں بھی دُکھ درد کا ایک انبوہ تھا۔ اسے بے عزتی کے منہ میں بغیر کسی مدد

دھارے کے پھینک کر بہن بغیر کسی دُکھ کے چلا جا سکتا! مردوں کی ذات ہی کیا اتنی سنگدل ہے۔ ایسی بیدرد! اس قدر بے رحم!! کسی مرد نے بھی تو کبھی اس سے ہمدردی نہیں کی۔ اگر شانتی نہ ہوتی۔ تو اس کی شرم پر کون پردہ پوشی کرتا؟ وہ بہت بھروسہ کر کے بہن کے ساتھ آئی تھی۔ اگر نو کشور موجود ہوتا۔ تو وہ کبھی اس قدر بے عزتی خاموشی سے نہ برداشت کرتی۔ مالتی کو نو کشور پر غصہ آ رہا تھا۔ کیوں اُس نے بہن کو دور کر کے نہیں روکا؟ کیوں اس نے بہن کو زور شور کے ساتھ مہنے دیا؟

سوامی جی مہاراج کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ وہ اپنی نگاہوں میں آپ ہی خائف ہو رہے تھے۔ انہیں اپنے آپ پر بھی اعتبار نہ رہا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ تیرتھوں میں بھرمن کریں گے۔ بہت جلد!

گورو جی بہت دنوں کے لئے تیرتھ جاترا کرنے جائیں گے۔ چیلے اور چیلیاں بہت اداس ہوئیں۔ شانتی ہمیشہ انہیں کے پاس رہ کر ان کی سیوا کرتی تھی۔ مالتی پھر اکیلی ہو گئی مگر اس کے دل میں نہ معلوم کیسی ایک آزادی کی خو آ گئی تھی۔ آشرم سے کچھ دنوں بعد گورو جی چلے جائیں گے۔ بہن کچھ دنوں کے لئے بھی پریمانند کے اثرات سے دور رہیگا۔ انہیں امیدوں سے مالتی کا دل بھر اُٹھا۔

کل صبح ہی پریمانند تیرتھ کو روانہ ہوں گے۔ تمام دن وہ ٹھاکر گھر میں بیٹھے ہوئے دھیان پوجا کرتے رہے۔ اس کے بعد اپنے جانے کا انتظام کرنے لگے۔ دن بھر کچھ نہیں لگایا۔ شام کو تمام چیلے چیلیوں کو آشیرباد دیکر اپنے کمرے میں آ گئے۔ صرف شانتی ہی نہ تو پرنام کرنے آئی اور نہ آشیرباد لینے اور بہن تو گپھا میں بند تھا۔ نہ معلوم ایک کیسا خیال گورو جی کے دل میں ہلچل پیدا کر رہا تھا۔ اس کی چوٹ سے اُن کا منہ بجھے ہوئے چراغ کی طرح اور حالت خراب ہو گئی تھی۔ پریمانند اپنے سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے کمرے میں بیتابانہ انداز سے ٹہلنے لگے۔

رات زیادہ آ گئی۔ پھر بھی وہ ٹہل رہے تھے۔ کبھی لائبریری اور پھر لائبریری سے اپنے کمرے میں آ جاتے تھے۔ چہرہ بھاری اور نگاہیں مایوس تھیں۔

خاموش رات تھی۔ کمرے میں ایک گھڑی گھڑیاں گن رہی تھی۔ پاس کے کمرے سے مالتی کی سانس کی گرم رفتاری سنائی دے رہی تھی۔ سیڑھیوں پر گنگا کی روانی کا نغمہ پرمانند کے کانوں میں محبت کی گونج کی مانند طرب خیز ہوائیں مل کر آرہا تھا۔ گنگا کے اُس پار ایک کتے کی چیخ دپکار کی آواز پانی پر سے تیرتی ہوئی اس پار آرہی تھی۔ اور کبھی کبھی کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ پرمانند ٹہلتے ٹہلتے کبھی کبھی رک جاتے تھے۔ اور کان لگا کر اسی آواز کو سنتے تھے۔

یکایک مالتی کا دروازہ کھل گیا۔ دروازے کی دراز سے کتب خانہ کے کمرے سے چراغ کی سنہری شعاعیں سنہری تاروں کے جال کی طرح ہوائیں مل کر مالتی کے چہرے پر کانپنے لگیں۔

پرمانند چونک کر کھڑے ہو گئے۔ اور از خود رفتہ نگاہوں سے دیکھا۔ مالتی سو رہی ہے نرم و نازک تکیہ میں اس کا سر گھسا ہوا ہے۔ جوڑے کے دباؤ سے منہ کے ہر چہار جانب بال جیسے ہوا سے پھول رہے ہیں۔ جیسے پانی کے اوپر کمل کا پھول آفتاب کی شعاعوں سے پوری طرح شگفتہ ہوا کھلا ہے۔ سینہ پر ڈھیلی ڈھالی ساری سانس پر سانس لہروں کی طرح اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ گویا وشارانی پھولوں کے کنج میں محو خواب ہے۔

پرمانند تشنہ کام نگاہوں سے اسی غیر معمولی حسن کا پُرلطف نظارہ دیکھنے لگے۔ جوں جوں یہ دلپذیر تشکل اُس کے اندرونی حصوں میں رونما اور تجلی ریز ہونے لگی۔ توں توں ان کا تمام جسم۔ دل جیسے رفتہ رفتہ از خود رفتہ ہو کر چاروں طرف ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں کے ساتھ ہلنے لگا۔ کائنات میں جیسے کوئی اور شے نہیں رہی۔ رہ گیا صرف یہ محو خواب چہرہ اور اُن کی جذبات آلود نگاہیں! اس کے طرف دیکھتے دیکھتے پرمانند کے دل سے بین گورد آشرم۔ چیلے وشنو بھانڈ سب غائب ہو گئے۔ ان کے دل میں آنے لگا۔ دنیا سے دُون کے لامحدود حُسن کے گل صد برگ کے درمیان صرف وہی بھٹکتا ہوا ساک۔ شہد پر فریفتہ بھونرے کی طرح تن تنہا کھڑے ہیں۔ کائنات کے حُسن کی فرحت اثر شے لا آنقیق کے پیالے کی مانند مالتی کے ہونٹوں پر انہیں کے لئے جمع ہو گیا ہے۔ پرمانند کی خواہش ہونے لگی

آپ نے جسم بھر کی پاگلانہ تشنگی ایک گھونٹ سے رفع کر کے متوالے ہو جائیں، کون کہہ سکتا ہے۔ اس شعاع پذیر حسن سے وارفتہ ہونٹوں کا بوسہ اس تاریک تر رات میں اگر لیا گیا۔ تو وہ چقماق کی آگ کی طرح رگڑ سے نہ جل اُٹھے گا؟ پریانند کا دل زور شور سے دھڑکنے لگا۔ شوق اور انتظار میں دل حرکت پذیر ہو گیا۔ خواہش ہونے لگی۔ اس موم جیسی نرم و نازک خوبصورت نازنین کو اپنی آغوش میں زور سے لپٹا کر تمام رس نچوڑ لے۔ اس بے سکون اور خاموش رات میں اس مجسم حسن کے زیر قدم اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے نثار کر دے۔

عین اسی وقت غلبۂ نیند میں پریانند کی طپیدہ خواہشات کے پیش نظر حملہ کو محسوس کر کے مالتی نے کروٹ لی۔ آنکھوں میں روشنی پڑتے ہی اسی دم گھبرا کر بستر سے اُٹھ کر کمرے کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ اور یکایک نیند سے چونک کر سامنے پریانند کو چپ چاپ بیخود کھڑے دیکھ کر مالتی کا سر چکرانے لگا جیسے غش سا آنے لگا اور بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔

اس کے دل میں آتا تھا۔ اندھیرے گھر میں آگ لگنے سے لوگ جیسے جلتے ہوئے گھر سے بے پناہی کے دکھ اور آزادی کی خوشی سے نئی مصیبت کا خوف نہ کر سکا پاگلوں کی طرح بدحواس ہو کر شور و شر مچاتے بھاگتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح اس آشرم کو چھوڑ کر بھاگ سکے تو بچ سکتی ہے۔

پریانند نے مالتی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں دو دھاری والی تیز ترین چھری کی طرح اس کے سینہ کا خون چوسنے کے لئے تیار ہیں۔ پریانند وہاں نہ ٹھہر سکے۔ اپنے کمرے میں بھاگ گئے۔

کمرے میں بہت دیر تک چپ چاپ کھڑے رہ کر برآمدے میں جا کر آواز دی۔ گوکلانند شانتی! میرے تیرتھ جانے کا انتظام کرو۔

باہر اس وقت افق کے گلابی دوپٹہ پر سنہری پاڑھ بنی جا رہی تھی۔ تالاب کے صاف شفاف پانی میں درختوں کا سبز سایہ رقیق مینا کی طرح جگمگا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سفید بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر گھوم رہے تھے۔ اُن پر جس وقت صبح کی جگمگاہٹ

ناگ

بوسہ لیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تحیر خیز مسرت سے آسمان کا رویاں رویاں سرشار ہو رہا ہے۔ صبح کی آمد آمد کی خبر رفتہ رفتہ صفحۂ عالم پر سنہری حروف میں مرقوم ہو گئی۔ درخت انگڑائیاں لینے لگے۔ پتے پتے پر حرکت کی لہریں اٹھکھیلیاں کرنے لگیں کتنے ہی نام اور خاندان سے خالی پھول نذر لئے کر فرطِ ادب سے شگفتہ ہو اٹھے۔ کتنی ہی عجیب و غریب بوٹے خوش بو سے زمین و آسمان معطر ہو گیا۔ بڑی بڑی نیلی نیلی تتلیوں کے جھنڈ خوشی سے پھولے پھولے محو رقص نظر آ رہے تھے۔ طوطے اپنی سرخ چونچ میں چھوٹے چھوٹے پھل لئے ہوئے اِدھر سے اُدھر فرطِ مسرت سے اُڑ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا سبزہ زار کا ایک ایک تختہ آسمان کے کھیت پر اُگا ہوا ہے۔ پتوں کی سرسراہٹ۔ ہوائی سنساہٹ۔ گنگا کی کل کل اور کووں کی شگفتہ آواز جیسے ایک ہی سُر میں پربھاتی کی نوبت بجا رہے تھے۔

اس دلپذیر حسن اور پُر لطف مناظر کی جانب پریمانند کی نگاہ نہیں تھی۔ وہ تیرتھ یاترا کرنے کی غرض سے باہر جانے میں بے چین نظر آ رہے تھے۔

(۴۸)

پریمانند کے کمرے سے چلے جانے پر بھی مالتی بے عزتی شرم اور خوف سے کچھ دیر تک بیحس و حرکت کھڑی رہی۔ اس کے بعد آتش زدہ جنگل سے ہوتے ہوئے ہرنی کی طرح خوف سے کانپتی کمرے سے باہر آ گئی۔ آہستہ آہستہ سہم سہم کر قدم جماتی ہوئی نیچے اُتر کر اپنے کمرے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مگر اسی وقت اُس کے دل میں آیا بہن تو پوجا میں بند ہے۔ کمرے میں نہیں۔ اور کمرے میں ہے بھی تو کیا؟ وہ ابھی دو دن پہلے بغیر کچھ کہے سنے ہی بے سبب جدائی سے چلا گیا ہے۔ آج بھی کیا وہ عرض حال پر توجہ دیتا۔ خیر پروا نہیں کریگا۔ اُس کے خوشامد کرنے سے کیا حاصل؟ نہیں نہیں۔ مگر دنیا میں اس کی پناہ بھی کسی دوسری جگہ نہیں؟ نہ ہو۔ گنگا کی زبردست گود کہیں نہیں گئی۔ پھر بہن کے روبرو دیا کی بھیک مانگنا اب مناسب نہیں نہیں نہیں۔ اب نہیں۔ اس وقت وہ تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی باغیچہ میں اتری

موسم سرما کی تاریک رات تھی۔ آسمان پر ہر چہار طرف کہر چھایا ہوا تھا۔ برف کی طرح ایک ایک کونہ سرد تھا۔ اس کے نیچے زمین پر تاریکی بڑھاتے ہوئے کالے کالے دیت کی طرح درخت کھڑے ہوئے تھے۔ مالتی نے ایک بار آسمان پر نظر ڈال کر دیکھا ایک تارا آسمان کے مشرقی حصہ میں آگ کے شعلہ کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ اور تمام کائنات سردی کے خوف سے کہرے کی چادر زیب تن کئے ہوئے آسمان کے لاتعداد چراغ بجھا کر چپ چاپ محوِ خواب تھی۔ کہیں بھی زندگی کے کوئی ایک آثار نہیں۔ گنگا کا پانی ستاروں کی مدھم روشنی میں اجگر سانپ کے چکنے سیاہ چمڑے کی طرح جگہ جگہ جھلملا اٹھتی تھی۔ تالاب کا سیاہ پانی زبردست دیت کی ایک بڑی آنکھ کی طرح پُر آب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گویا اس کے آنکھوں کے اشارے سے بلا رہی تھی۔ مالتی کے دل میں آیا۔ ایسی مقدس گنگا ماتا کی گود چھوڑ کر تالاب میں کیوں ڈوب مروں؟ اگر زندگی کا دان دونگی۔ تو زندگی کے بحرِ بیکراں میں ہی اسے سپرد کروں گی۔ وہ تیزی سے گنگا کی جانب چلنے لگی۔ یکایک چونک کر ٹھہری اور ذرا دیر بعد ہی تیزی سے واپس ہوئی۔ اتنے سویرے نہ معلوم کون ایک شخص گنگا سنان کر کے سیڑھیوں سے اوپر آرہا تھا۔ باہر جلدی جلدی دوڑتی بھاگتی باغیچہ سے ہوتے ہوئے راستہ پر آگئی۔

گاؤں کا راستہ بالکل سنسان اور خاموش تھا۔ رہ رہ کر کتے چلا اٹھتے تھے۔ تن تنہا اس راستہ میں چلتے چلتے مالتی کا جسم کانپنے لگا۔ قدم قدم پر نئی نئی مصیبتوں کا خوف اسے "متحیر" کر دیتا تھا۔ مگر وہ پریا نند کے آشرم سے نجات حاصل کر چکی تھی۔ اس خوشی میں اُسے نئی مصیبت کا خوف حقیر نظر آتا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جا رہی ہے۔ کہاں وہ جانا چاہتی ہے۔ تاہم وہ آشرم سے باہر نکل آئی تھی۔ اسی میں وہ نجات کی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ باہر کی ہوا بہت طرب خیز اور ہلکی معلوم ہوئی۔ موسم سرما کے نسیم سحری کے جھونکے آشرم کے گدگدے بستر کے سکھ سے بھی کہیں زیادہ راحت بخش معلوم ہوئے جیسے وہ اوپر ہی اوپر نازک اندام پری کی طرح اُڑ رہی تھی زمین

کے سینہ پر قطرات شبنم اُس کے پاؤں سے پامال نہیں ہوتے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ کہ کس راستہ سے کس طرف جانا ہوگا۔ نہ معلوم کون راستہ کس ناواقف مصیبت کی طرف اُسے لے جائے گا تاہم وہ شکنتلا کو پیش نظر رکھ کر برابر تیزی سے جہاں بھی جائیگی آشرم سے دور ہی ہوتی جائے گی۔ چلتے چلتے بار بار پیچھے پھر کر دیکھ لیتی تھی۔ کہ کوئی اسے گرفتار کرنے تو نہیں آرہا ہے کوئی اس کا پیچھا کرتا ہے یا نہیں۔ اس کے دل میں آتا تھا کہ اب تک تو آشرم میں شور و شر مچ گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ لوگ اس کی تلاش میں جا بجا دوڑے ہوں۔ کہیں کوئی آکر اسے پکڑ نہ لے۔ راستہ کی ایک ایک چیز سے وہ چونک اٹھتی تھی۔ پتے کی کھڑکھڑاہٹ بھی پریشان بنا دیتی تھی۔ جتنی دیر ہونے لگی۔ اسی قدر وہ سوچنے لگی۔ کہیں کوئی آکر پکڑ نہ لے۔ لعنت ملامت کرکے زبردستی اُسے آشرم میں واپس لے جائیں گے۔ اور پھر پریانند کے قابل نفرت سلوک برداشت کرنے پڑینگے۔ یہ باتیں جس قدر اس کے خیال میں آتی تھیں۔ اسی قدر وہ جلدی جلدی دوڑتی تھی۔ پاؤں تکان سے چور چور ہو رہے تھے اور راستہ کے کنکروں سے جا بجا چھل گئے تھے۔ پھر بھی وہ چلنے سے باز نہ آئی۔

رفتہ رفتہ صبح ہوگئی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ نور علےٰ نور ہوگیا۔ تاریکی کا پردہ آسمان کے مغربی حصے میں ٹل گیا۔ کوئل بیدار ہوکر آم کے کنج میں کوک اُٹھی۔ شاما۔ بلبل۔ مینا اور دیگر خوشنوا پرند ایک سُر سے پربھاتی کا نغمہ الاپنے لگے۔ راستہ کے پاس ہی گھاس پر قطرات شبنم کرنوں کے چومنے سے ہنس اٹھے۔ مگر اس وقت بھی راستہ کے کنارے کے درخت سردی سے کانپتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ہنس دبلے دبائے بیٹھے تھے۔ گاؤں اب تک بھی کہر کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ کسی گھر میں لوگوں کی بیداری کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ رفتہ رفتہ راستہ میں دو ایک شخص آتے جاتے دکھائی دیئے۔ وہ لوگ ایک حسن و جمال میں لاثانی نازنین کو اکیلے جاتے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ سب کے سب اسی کی جانب دیکھنے لگے۔ مالتی حتی الوسع اپنے آپ کو بچاتی ہوئی بغیر کسی طرف دیکھے ہوئے چپ چاپ چلی جا رہی تھی مگر دل پر خوف کا غلبہ تھا۔ رفتہ رفتہ دھوپ نکلی۔ مرد و عورت دونوں دھوپ میں بیٹھے

ہوئے سردی کے زور شور اور آم کی فصل وغیرہ کے متعلق بات چیت کر رہے تھے۔ مگر مالتی کو دیکھ کر انھوں نے اپنی تمام گفتگو بند کر دی سب متحیر نگاہوں سے مالتی کی جانب ہی دیکھ رہے تھے اور مالتی انکی طرف نہ دیکھتے ہوئے چپ چاپ اپنے دل ہی دل میں انکی نسبت غور و خوض کر رہی تھی۔ وہ سب کی نگاہوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے رہ رہ کر لعنت ملامت کر رہی تھی۔ ایک شخص ہرسنگار کے درخت کے نیچے کھجور کا رس اکٹھا کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے کتنے ہی اور پھولوں کے درخت تھے۔ انہی درختوں کے نیچے کتنے ہی اشخاص بیٹھے ہوئے پھول چن رہے تھے۔ مالتی ان تمام کی نظر بچا کر اپنے راستے چلی گئی۔ آگے بڑھ کر دیکھا۔ کتنی ہی عورتیں دھوپ سینک رہی ہیں اور آپس میں نہ معلوم کس لاینحل مسئلہ پر گفتگو کر رہی ہیں۔ ایک چھوٹی سی لڑکی بالکل ننگی دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی کمر میں کردھنی سی پڑی ہوئی تھی۔ اور ہاتھوں میں مُرمُرے کے لڈو لئے کھا رہی تھی۔ سردی سے اس کے بدن کا نچلا حصہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور ایک لڑکا دولائی اوڑھے بیٹھا تھا۔ پاس ہی ایک کتا پاؤں پھیلائے زمین پر دراز تھا جو لڑکا دولائی اوڑھے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ایک بلی بھی لیٹی ہوئی تھی

مالتی نے دیکھا۔ سامنے ہی ریلوے لائن ہے۔ اس وقت وہ راستہ چھوڑ کر ریلوے لائن کے کنارے کنارے سٹیشن کی طرف چلی۔ پیسہ پاس نہیں سٹیشن پر جا کر کیا ہوگا؟ یہ خیال اس وقت بھی اس کے دل میں نہیں آیا۔ وہ صرف یہی سوچ رہی تھی۔ ریل پر سوار ہو جانے سے بآسانی وہ پریانند کے دام سے بچ جائے گی۔ سامنے بہت دور تک پھیلی ہوئی ریل کی پٹڑیاں گویا اسے اشارہ کر رہی تھیں۔ شبنم پڑی ہوئی ریلوں پر صبح کی دھوپ جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ ستونوں کی چوٹی پر سرخ سبز شیشوں میں دھوپ کا عکس۔

یہ سب دیکھتے دیکھتے مالتی سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہونچی۔ اس نے دیکھا۔ کہ پریانند جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ آس پاس ان کے شاگرد جمع ہیں۔ مالتی انہیں دیکھتے ہی خوف سے چلا اٹھی۔ وہ تعاقب کی ہوئی ہرنی کی طرح کس راستہ سے کہاں بھاگے گی۔ تلاش کرنے پر بھی کچھ نہ سوجھا۔

تمام شد۔

پریانند نے اسے دیکھ کر جلدی جلدی قدم بڑھا کر کہا:- رادھا رانی! میں تیرتھ جا رہا ہوں۔ کب واپس آؤں گا۔ آؤں گا بھی یا نہیں۔ کچھ ٹھیک نہیں۔ بتاؤ! تم کہاں جاؤ گی؟ جوگانند ٹکٹ لے کر تمہیں گاڑی میں سوار کرا دیں گے۔

مالتی کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پریانند کی طرف دیکھ کر بولی:- میں۔ کاشی۔ نہیں۔ کلکتہ جاؤں گی!

پریانند نے کہا:- بہت اچھا!

مالتی کو دیکھ کر ریل کے بابو لوگوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ وہ چپ چاپ عورتوں کے کمرے میں چلی گئی۔

کلکتہ جانے والی گاڑی کے آنے پر جوگانند نے مالتی کو زنانہ گاڑی میں بٹھا دیا۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی بیٹھی دیکھنے لگی۔ ریلوے لائن کے پاس ہی کنارے کنارے ریل کے کارکنوں کا مکان ہے۔ کسی کھڑکی میں ایک بہو کھڑی ہے۔ کہیں چند لڑکے آپس میں گلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں۔ کہیں کھجور۔ تال۔ ناریل سپاری اور سہنجن کے نیچے عورتیں نہا رہی ہیں۔ برتن مل رہی تھیں۔ باتیں کرتی تھیں۔ ریل کے کنارے کنارے قلی وغیرہ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ گاڑی زبردست اجگر کی طرح تیزی سے اتنے اشخاص کا بار لئے ہوئے چلی جا رہی تھی مگر عام بات ہونے کی وجہ سے کوئی اس جانب توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔ چاروں طرف دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں میں بیگن مٹر اور راروی کے کھیت تھے۔ مویشی چر رہے تھے۔ چرواہا گیت گاتا ہوا گاڑی پر بیٹھے ہوئے تمام مسافروں کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا تھا۔ مالتی دیکھتے دیکھتے سوچ رہی تھی۔ سب کے لئے پناہ ہے۔ کام ہے۔ صرف وہی بے گھر ہے۔ اور دنیا کا جنجال اُس کے ساتھ ہے۔

گاڑی کے ہر دو اطراف میں ہی کتنے ہی مکان تھے۔ باغ۔ کھیت۔ مشین کارخانے بائیسکوپ کی تصاویر کی طرح دم بھر کے لئے نظروں کے سامنے آ کر اوجھل ہو جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ گاڑی سیالدہ سٹیشن پر پہونچی۔ دیکھتے دیکھتے تمام پلیٹ فارم آدمیوں سے بھر گیا اور پھر ذرا دیر بعد ہی بھیڑ جاتی رہی۔ مالتی ریل سے اتر کر گاڑی میں بیٹھی۔ کرایہ وغیرہ کچھ طے

نہیں کیا۔ گاڑی نے دروازہ بند کرکے پوچھا۔ کہاں جانا ہوگا؟

مالتی نے کہا۔ چور باغان!

گاڑی نوکشور کے مکان پر پہونچی۔ مالتی نے گاڑی بان سے دروازہ کی زنجیر ہلانے کو کہا۔ نوکشور آیا۔ اور مالتی کو گاڑی سے اُتار کر تحیّر آمیز لہجہ میں بولا۔ مالتی! تم اکیلی؟

مالتی نے نوکشور کی طرف مایوسانہ مگر دردآلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا:۔ ہاں! میں چلی آئی ہوں۔

کیوں؟ کیا ہوا؟

مالتی آنچل سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی

نوکشور متحیر ہوکر مالتی کا رونا دیکھنے لگا۔ اس کے منہ سے تسکین و تشفی کا بھی کوئی لفظ نہ نکلا۔ ذرا دیر بعد نوکشور پوچھا۔ مالتی! بہن کا کیا حال ہے؟

مالتی نے گردن جھکالی۔ نوکشور اور بھی متحیر ہوا۔ کیا پوچھوں۔ ٹھیک نہ کرسکا۔ بولا پھر تم اکیلی کیوں آئیں؟

گوروجی کی سختیوں کی وجہ سے میرا وہاں رہنا غیر ممکن ہوگیا۔

مالتی نے تمام باتوں کا تذکرہ مختصر طور پر کیا۔ نوکشور نے کچھ دیر تک سوچ کر کہا۔ تم نے یہ تمام حالات بہن سے کیوں نہیں کہے۔

کہنے کی کوشش کی تھی۔ مگر انہوں نے نہیں سنا .... اس کے بعد گورو کی سخت گیریوں سے عاجز آکر رات کو گنگا میں ڈوب مرنے چلی تھی۔ اس میں بھی رکاوٹ پیش ہوئی۔ پھر موسی جی کے پاس چلی مگر پریانند جی ادھر جارہے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے پاس آگئی ہوں اب آپ مجھے ان کے پاس پہونچا دیجئے۔

نوکشور نے متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ تیاگ آئی ہو۔ یہ اچھا کام نہیں کیا۔ مالتی! ... تمہیں پھر آشرم میں واپس جانا ہوگا۔ انسان میں فطرتاً آرام پسندی ہوتی ہے۔

مالتی نے رونی صورت بنا کر کہا:۔ آپ بھی مجھے تیاگ کریں گے؟ تو کیا موت نے تغیر میرا چھٹکارا نہیں؟

نوکشور کی دلی بین کے محبت کے نازک پردوں پر چوٹ لگا کر مالتی کی اس بات نے ایک درد آلود نغمہ پیدا کر دیا۔ نوکشور نے کہا۔ بپن کے

مایوسانہ مگر درد آلود نغمہ بجا کر مالتی نے کہا:۔ یہ امید اور یہ خوف اب مجھے نہیں۔ کہیں بھی ذرا اطمینان سے دم لوں۔ تو جان آئے۔ آپ مجھے موسی جی کے پاس پہونچا آئے۔

امید اور خواہش نہیں۔ یہ جھوٹی بات ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو پھر یہ سب کارروائی کیسے ہوتی؟ اسی جھگڑوں کے اندر ہی اطمینان نظر آتا ہے۔ کسی نہ کسی دن بپن کا موہ کٹ جائے گا۔ اس دن تک صبر و استقلال سے تمہیں بپن کے پاس رہنا ہوگا۔ بھاگنا نہ ہوگا تمام مظالم سے اپنی حفاظت کر کے بپن کو ان تمام مظالم اور سختیوں کے دھکا سے بپن کو خبردار کرنا تمہارا اس وقت کا فرض ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ جو اس وقت تم میرے پاس آئی ہو۔ اس سے تمہارا کام بہت پیچھے پڑ گیا ہے۔ تم نے سخت غلطی کی۔ تم اگر چلی نہ آتیں۔ اور بپن کو اشارہ دیا ہوتا۔ تو اب تک اس کا تمام موہ جاتا رہتا۔ تم دونوں ایک ساتھ ہی میرے پاس آ کر کہہ سکتے تھے۔ دوست! کتنی مصیبتوں کا جال تار تار کر کے ہم آج مل سکے ہیں۔ ۔ ۔ آئیگا وہ دن جلد آئیگا۔ اب چلو۔ دیر نہ کرو۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کھایا یا نہیں کھایا۔ ۔ ۔ فوراً نہا دھو کر کھانا کھا لو۔ میں گاڑی بلا لاتا ہوں۔

۴۹

مالتی گنگا میں ڈوبتے ہوئے جسے دیکھ کر بھاگ گئی تھی۔ وہ بپن تھا۔ وہ اپنی تمام پریشانیوں اور کشمکش کی وجہ سے گپھا میں نہ ٹھہر سکا۔ اسی دن صبح باہر نکل آیا تھا۔ گنگا میں نہا دھو کر آشرم میں واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ مالتی اسی صبح کو گنگا کے گھاٹ پر جاتے جاتے اسے دیکھ کر بھاگ گئی تھی۔ اتنے سویرے وہ گنگا کے گھاٹ پر کیوں جا رہی تھی؟ اور اسے دیکھ کر وہ اس طرح کیوں بھاگ گئی؟

آشرم میں آتے ہی بپن نے سنا۔ گورو تیرتھ جا رہے ہیں۔ بپن چونکہ گپھا سے باہر نکل آیا تھا۔ اس شرم سے وہ پھر انہیں منہ نہ دکھا سکا۔

آفتاب طلوع ہوا۔ دن چڑھا اس وقت بھی بپن چپ چاپ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا

عین اسی وقت شانتی نے دوڑتے ہوئے آکر کہا - رادھا رانی آشرم میں نظر نہیں آتی - آپ فوراً اسٹیشن پر جاکر گورو جی کو خبر دیجئے

بپن کے دماغ میں خون کی دھار جھوٹنے کی طرح چکر کھاکر زمین و آسمان کو ایک کرکے پھرنے لگی - نگاہوں کے سامنے یہ تمام دنیا زور شور سے ناچنے لگی - کانوں میں ہزاروں جھانجھ کی آوازیں آنے لگیں - تمام شور و شر میں صرف یہی ایک آواز صاف سنائی دیتی تھی - مالتی آشرم میں نہیں - نہیں - نہیں - وہ آشرم میں نہیں - بپن کی نگاہ جیسے اُسے گرفتار کر سکتی ہے - شائد وہ ایسی کیسی جگہ میں نہیں ہے - تختۂ زمین پر بھی ہے - یا نہیں - کون جانے؟

بپن کے دل میں اُس کی کدورتیں اچھی طرح پھیل گئی تھیں - اور وہ زبان حال سے اُسے لعنت ملامت کر رہی تھیں - کیوں اُس نے اُس دن مالتی کا درد دل نہیں سُنا - کیوں وہ قدم قدم پر اُسے صرف چوٹیں ہی لگاتا رہا ہے - مالتی کہاں گئی؟ کیوں گئی! اس کا پتہ کون لگائے گا؟ زندگی میں اب پھر اُس سے ملاقات ہوگی یا نہیں؟ یہ کون بتا سکتا ہے - مالتی زندہ ہے یا نہیں - اُس کا بھی کیا ٹھکانا؟ اتنا کہ دیتا لا اب ایسی تلاطم خیز گنگا ...... ان کے لا ریوا امیز لقمہ کے سامنے مالتی کا خوبصورت و نازک زندگی کہاں تک؟ --- شاید ایک لمحہ بھر میں سب کا خاتمہ ہو گیا ہو! اس نے جیسے سینکڑوں برس سے مالتی کو نہیں دیکھا - اس کا جگ جگانتر سے جمع شدہ درد برد آج یکایک اُس کے اندرونی حصوں میں ٹکرا کر دل کو چور چور کر کے آنسو کے ذریعہ ادا ہونے کے لئے بے چینی دکھانے لگی -

آج اس پریشانی سرگردانی کے عالم میں اُسے اپنے رفیق دلشواند لوکشور کی یاد آئی - اور یاد آئی اُس کی ہمدردانہ ہدایات - آج اُس کا دل اُنھیں دونوں کی محبت کے اطمینان بخش سایہ میں پناہ گزیں ہونے کے لئے بے چین ہو اُٹھا اپنی جن حرکتوں سے اُس نے ان سب کو دکھ دیا تھا - آج وہ سب سوئی کی طرح

زبردست یاد سے اُس کے دل کو بار بار چھیدنے لگا۔ آج وہ سوچنے لگا۔ اُس کے لئے جو سامان تسلّی و تشفّی دے سکتا ہے، وہ گورو کے پاس نہیں۔ شاستروں کے پیچیدہ ورق میں بھی نہیں۔ اگر وہ کہیں ہے۔ تو صرف اُس کے دوست کے وسیع و کشادہ سینہ میں۔ اور اس کی ماںتا کی ماری ماں کی گود میں مصنوعی گورو بھکتی کے جوش میں اندرونی شخص کو قیدی بنا کر اُس کے سامنے دھرم کی سنگین باندھ کر پہرہ دیتا تھا۔ اس کے ہٹ جانے پر اندرونی طاقت بپن کو سزا دینے کی خاطر بے چین ہو رہا تھا۔ دل کی تمام پوشیدہ باتوں کی چوٹ سے آج جب دکھوں کی حد ہو گئی۔ تو اُس سے نجات حاصل کرنے پر ہی آزاد دل اپنے عرصہ دراز کا تمام روگ سوگ کا خاتمہ کرنے والی محبّت کی جانب دوڑنے لگا۔ اُس وقت بپن گورو جی کی غصّہ آلود نگاہیں، اور آشرم کے رہنے والوں کی تماش بین نگاہیں سے لاپرواہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ کر رونے لگا۔

عین اسی وقت تارک اپنے دانت باہر کئے ہوئے وہاں آموجود ہوا۔ بپن نے اُس پر نظر بھی نہیں ڈالی۔ مگر تارک نہایت بے غیرت تھا۔ وہ کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا نہیں میں کرتے پان چباتے چباتے کہنے لگا۔ کیوں بھائی صاحب! ہم لوگوں نے سوچا تھا۔ تمہارے ماں باپ نے تمہیں بن باس دیا ہے۔ وہ یہیں ختم ہو گیا۔ یہ بات نہیں۔ اُس مہا کابیہ کا کوئی حصّہ بھی نہ چھوڑے گا...... لکشمن برجن تو آ گئے ہی ہو گیا۔ اِس مرتبہ سیتا ہرن بھی ہوا اب گیا باقی ہے؟

بپن نے زور سے تارک کی گردن پکڑ لی۔ اور دانت پیستے ہوئے بولا۔ اب اس کے بعد تارک کا راکشش بدھ اور ہنومان کا منہ جلانا باقی ہے۔!..... باہر نکل۔ بندر! ورنہ تیری خیر نہیں۔ بپن نے ایک دھکّے میں ہی تارک کو گھر سے باہر نکال دیا۔

بپن نے دیکھا۔ تارک کے ہاتھ سے ہی برآمدہ کے فرش پر ایک تصویر گری ہے۔ یہی تصویر اُس کے متھراپور والے مکان میں تھی۔ یہ یہاں کیسے آئی؟ متعجب و متحیر بپن نے دوڑ کر اُٹھا لیا۔ اور تارک سے پوچھا۔

تم نے یہ کہاں پائی؟

تارک نے روتے روتے کہا۔ یہی تو تمہیں دینے آیا تھا۔ گورو جی تیرتھ جا رہے ہیں یہ سُن کر صبح صُبح اُنہیں پرنام کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ یہاں آ کر دیکھا۔ کہ وہ چلے گئے ہیں اُن کے کمرے میں یہ پڑی ہوئی تھی۔ سنا ہے کہ یہ تصویر سینہ سے لگائے ہوئے مالتی رو رہی تھی۔ اسی وجہ سے گورو جی نے لعنت ملامت کی۔ اور اسی غصہ سے مالتی آج بھاگ گئی ہے!

بین کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ تاریکی میں سُرخ سبز نیلے پیلے روشنی کے ذرات عجیب و غریب طرح سے چکر لگا کر مدور رخ کھینچنے لگے اس کے دل میں ایک ایسی مخالفت کا نقشہ جم گیا۔ کہ وہ مایوسانہ نگاہوں سے تارک کی طرف نگاہ کیئے پاگلوں کی طرح بے حس و حرکت اور لاجواب کھڑا رہ گیا۔

(۵)

کچھ دیر بعد جب بین کے کچھ ہوش و حواس بجا ہوئے۔ تو وہ سٹیشن گیا۔ سٹیشن پر جا کر دیکھا پرمانند و مالتی ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ صرف دفتر جانے والوں اور ریل کے بابو لوگوں کا مجمع ہے۔

بین نوکشور کے پاس جانے کے لئے ٹکٹ لے کر گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا

کچھ عرصہ بعد گاڑی آئی۔ بین گاڑی پر سوار ہونے جا رہا تھا۔ پاس کے کمرے سے جوگانند اُتر کر بین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے دیکھنے لگے۔ اُنہیں دیکھ کر بین کسی قدر خائف ہوا۔ وہ گیا چھوڑ کر آشرم سے منہ موڑ کر اور کہیں شانتی حاصل کرنے کے لئے چلا ہے۔ جوگانند نے اس سے اس باب میں کچھ نہ پوچھ کر کہا:۔ گورو دیو تیرتھ گئے ہیں میں اُنہیں پہونچا کر آیا ہوں۔ رادھا رانی کلکتہ چلی گئی۔ تم جاؤ۔ اُسے واپس لے آؤ۔ مالتی کلکتہ میں نوکشور کے پاس گئی ہے۔ بین گاڑی سے اُتر پڑا۔ گاڑی چل دی جوگانند نے اور کچھ نہیں کہا۔ بین کا ہاتھ پکڑ کر آشرم کی جانب واپس ہوا۔ اپنا مقصد فوت ہو جانے پر وہ اپنے کمرے میں خاموشی سے بیٹھا۔

ختم شد

بہت دیر بعد جب اس نے سر اُٹھایا۔ تو دیکھا کہ اُس کے دروازے کے سامنے نوکشور کھڑا ہے۔ اس کے پیچھے مالتی بھی ہے۔ اپنے دوست اور مالتی کو اس طرح یکایک اپنے پاس دیکھ کر انہیں آغوش میں لیتا کر سینہ سے لگانے میں بھی خودداری سے وہ چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ مالتی اس سے کچھ نہ کہکر نوکشور کے پاس گئی تھی!!

نوکشور نے پہلی بات یہ کہی :۔ مالتی کا یہاں رہنا مصیبت اور خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ میرے پاس گئی تھی۔ کہ مجھے چاچی جی کے پاس پہونچا دو۔ تم اُس وقت گپھا میں بیٹھے تپسیا کر رہے تھے۔ مگر اُسے آشرم میں تم لائے تھے۔ تمہیں بغیر اطلاع دئے اسے لے جانا مناسب نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں اُسے یہاں لایا ہوں۔ تم اب گپھا سے باہر آگئے ہو۔ تم اگر گرو دکی سخت گیری سے اس کی حفاظت نہ کر سکو۔ تو اسے چاچی جی کے پاس پہونچا دو۔

نوکشور بین کے جواب کا انتظار نہ کر کے اُلٹے پاؤں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مالتی سر جھکائے بیکسی سے کھڑی رہی۔ نہ وہ وہاں ٹھہر سکتی تھی اور نہ ہی جا سکتی تھی وہ اس آشرم سے بھاگ گئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کا تعلق آشرم سے اب نہیں باقی رہا۔ بین فریفتہ نگاہوں سے مالتی کی طرف دیکھتے دیکھتے سوچ رہا تھا۔ یہ لاثانی حسن کی دیوی اُسی پر فریفتہ ہے۔ کیا اسی وجہ سے اُس پر گرو جی کے مظالم ہوئے وہ مسرت آمیز لہجہ میں بولا۔ مالتی۔ ذرا ٹھہرو۔ میں شانتی کو بلاتا ہوں۔

مالتی کے آنے کی خبر سنکر شانتی جلدی جلدی آ رہی تھی۔ بہت سے دیکھا۔ شانتی نے قدم بڑھاتے ہوئے اُسے سینہ سے لگا کر کہا۔ آؤ دیدی آؤ۔ اب میں کبھی بھی تمہیں اپنی نگاہوں سے دور نہ کر دوں گی۔ آؤ۔ آؤ!!

مالتی نے جھک کر شانتی کو پرنام کیا۔ اُس کے چرنوں کی خاک اپنی پیشانی پر لگائی۔ ایسی محبت کا سلوک تو سوائے ماں کے اور اُس نے کبھی نہیں پایا۔ مالتی کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

شانتی مالتی کے آنسو پونچھتے ہوئے اُسے ساتھ لیکر اندر چلی گئی۔ از خود رفتہ

بپن مسرت آلود نگاہوں سے اُسی طرف دیکھتا رہا۔

مالتی کے دل میں بپن کی باتیں جل ترنگ کے سُروں میں بج رہی تھیں۔ جس کے لئے وہ اتنا سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ وہ اُس کی جانب سے بالکل بے پرواہ نہیں۔ اس خوشی سے اس کا دل بھر اُٹھا۔ گوروڈیو آشرم نہیں۔ مالتی نہایت خوشی سے ٹھاکر جی کی سیوا کرنے لگی۔ اتنے عرصہ تک اُس نے عورتوں کی فطرت کی مشاقی نہیں کی تھی۔ آج اُس نے اس سے کام لے کر سب کو اپنا لیا۔ بپن بھی مخل نہیں ہوا۔ مالتی کو بار ہا کتنے کاموں کی وجہ سے بپن کا سامنا ہو جاتا تھا۔ مالتی کی حرکات وسکنات۔ شوخی۔ تیزی طراری۔ مصروفیت کام کرتے ہوئے اُس کے رخسار کا ایک حصہ نشست و برخاست کا طور۔ پیشانی پر کھلی ہوئی گھونگھر والے بالوں کی لٹیں غرض بپن جو ادا بھی دیکھتا تھا۔ اُس کے بیتاب بحرِ دل میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا تھا۔ گو بپن نے خود ہی مالتی اور اپنے درمیان جو ایک نظر نہ آنے والی مگر زبردست دیوار کھڑی کر دی تھی۔ اُس کی وجہ سے وہ کسی طرح بھی باہم قریب نہ آسکتے تھے۔ جیسے ایک بڑا جہاز مسافروں کو لے کر گھاٹ کے پاس آکر بھی رکاوٹوں کو دیکھ کر کنارے کی جانب مایوسانہ نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ بپن بھی مالتی کو انہیں نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔ وہ پُل کہاں ہے؟ اور وہ چھوٹی کشتی کہاں؟ جو جہاز اور ساحل کے درمیان ملاپ پیدا کر دے۔ دن میں بار ہا بپن اور مالتی کا سامنا ہو جاتا تھا۔ مگر آنکھیں چار ہوتے ہی دونوں کی نگاہیں جھپک جاتی تھیں۔ نہ معلوم کس خودداری کی وجہ سے دونوں کی آنکھیں آبگوں ہو جاتی تھیں۔

مالتی نے آشرم کے تمام انتظام کا بار خود اپنے اوپر لیا۔ مگر تمام آشرم کا انتظام اور کام ختم کرنے پر بھی اُس کا وقت گزرنا نہیں چاہتا تھا۔ اور اس آشرم میں اس کے رہنے کا مقصد ہی کیا؟ وہ جس کی خدمت کر رہی تھی۔ وہ اس کی خدمت کے محتاج نہیں۔ دشمن کو بھی دیوتا سمجھ کر جو پرستش کرتا ہے۔ اُس پر کبھی عقیدت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مالتی کو یہاں رہنے سے کیا حاصل مالتی سوچتی تھی۔ کہ اس سے تو کسی غریب اور دکھی کی کٹی میں جا کر خدمت کرنے سے لوگوں کا بھی بھلا ہوتا۔ اور اس کی زندگی بھی سُدھر تی۔ یہ تمام باتیں سوچتے

سوچتے وہ عالمِ خیال میں گرہستی کی ایک نہائیت دلکش تصویر پیش نظر کرتی تھی۔ جہاں وہ بہن اور اس کے بال بچّوں کی دل و جان سے خدمت کر سکے۔ ایسے پاک محبّت سے بھرپور مکان میں پناہ گزین ہونے کے لالچ سے وہ اپنے دل کے اندر دنی حصوں سے ایک گہری سانس نکالتی تھی۔

(۵۱)

اس طرح سُکھ دُکھ کے خیالی چکّر میں وہ اور کتنے دن کاٹ سکتی تھی۔

یکایک ہولی کا اُتسو آیا۔ اور رگوروجی مہاراج بھی تیرتھ سے واپس آ گئے۔ اسی وجہ سے تمام دن آشرم میں ایک میلا سا لگا رہا۔ عبیر و گلال سے تمام زمین سُرخ ہو اُٹھی سفید سنگ مرمر کے فرش پر عبیر و گلال کا ٹیکا جیسے اُفق کی سرخی کا نظارہ دلکش پیش کر رہا تھا۔ آج سب کے گیروے لباس پر عبیر کی سُرخی طلوعِ سحر کی مانند جگمگا رہی تھی سب ہی خوبصورت اور دلفریب مالیں نظر آتی تھیں۔ سرخ چندن سے مزیّن سفید کمل کے گچھے کی طرح نو شگفتہ رنجن کے پھولوں سے لدی ہوئی بیل کی مانند۔ حسن کی دیوی کے پھولوں سے مزیّن لباس کی طرح یہ نیک خیز نازنین نہائت ہی دلکش اور دلفریب نظر آ رہی تھی جس کی سب سے زیادہ فروغ سُرخی کی جھلک تابش رخسار کی شعاعوں میں نظر آتی تھی۔ آج اُس کی جو بہن کی نگاہیں سرخی آلود زعفران کی طرح کتنی ہی بار ایک دوسرے سے مل چکی تھیں۔ دل کے اندر ان کی بیتابانہ خواہشات بیدار ہو اُٹھی تھیں۔ جن رنگوں سے پیار کی کو رنگین کیا جاتا ہے۔ وہ رنگ آج پھوٹ پھوٹ کر نکلنا چاہتا تھا۔ مگر شرم ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر رہی تھی صرف اپنے اپنے دلی رنگ سے ہی سب کے سب رنگین ہو اُٹھے تھے

اس طرح تمام دن گذرا۔ شام ہوئی آسمان کے مغربی حصے میں غروبِ آفتاب کی شعاعوں نے گلال چھڑک کر آسمان کے دیگر حصے کو اپنی بے شمار کرنوں سے بوسہ لیکر اُسے بھی تختۂ زعفران بنا دیا تھا۔ جس وقت چھٹکی ہوئی چاندنی نے آسمان کو گھیر کر طلائی و نقرئی تاروں سے بُنا ہُوا کرنوں کا جال بچھا دیا۔ جب کوئل پپیہا نے اپنے دلپذیر زمزمہ سنجیوں سے بادِ جنوب کو عالم فضا میں پہنچا دیا۔ جب مولسری چمپا کے درخت پھولوں کے نشہ سے سرمست ہو اٹھے تھے۔ اُس وقت

فوارے کے پاس کھیتوں سے ملحق پریانند نے چیلوں کو لے کر ہولی گانی شروع کی۔ اس گیت نے پہلے قدرت کے حسن میں اچھی طرح پیوست ہو کر قدرتی زبان سے ترنم سرائی شروع کی۔

اس کے بعد باہر سے مسرت پذیر تانیں جس وقت دل سے ہمدوش ہوئیں۔ اسوقت گوروجی جذبات سے مدہوش ہو کر خود بھی گانے لگے۔

گیت کے جوش سے جب جذبات اپنا حال بنانے کے لئے بے چین ہو اٹھے اسوقت بندرابن کی گوپ گوپیوں کی محبت کا کسیل شاعر کے اشعار میں اپنے تمام جذبات داخل کر کے گورو گانے لگے۔

اس طرح انسان کی خوابیدہ دلی خواہشات پر موسیقی کا تازیانہ لگا کر گوروجی کی محفل نہایت جوش و خروش سے بہت رات تک گرم رہی۔

جب گوروجی گانے گاتے تھک جاتے تھے تو چیلے گاتے تھے۔ اور جب چیلے تھکتے تھے۔ تو گوروجی کی باری آتی تھی۔ محفل طرب کسی طرح درہم برہم نہ ہوئی۔ سب کے سب آج جیسے سرمست تھے۔

مالتی وہاں نہ ٹھہر سکتی تھی۔ جب سب کے سب کیرتن میں محو و بیخود ہو گئے تھے اس وقت وہ آہستہ آہستہ سب کی نظروں سے بچاتی ہوئی چلی آئی۔ آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ صحن بن آیا۔ آسمان جیسے نشہ میں سرمست ہو کر گلابی رنگ اختیار کئے ہوئے ہے اور ہر چہار طرف ایک ایسی عجیب آگ لگی ہوئی ہے۔ جو بسر طبیعت طراوت پیدا ہے۔ ایک چمگادڑ اس کے سر کے ارد گرد منڈلانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لیٹی ہوئی فرحت اثر چاندنی کی اس سہاگ رات کے لئے نقرئی و طلائی چاندنی کا فرش بچھا کر روشنی اور تاریکی کی چادر بن رہی تھی۔ گویا تاریکی نے شرما کر جھاڑیوں اور پتوں کی آڑ میں چھپ کر چاند کی کرنوں کا کھیل دیکھنے کے لئے کسی دوست کو بھیجا ہے۔ پھولوں کے درخت اور بیلوں کی نرم و نازک کونپلیں مرجان کے رنگ مات کرتی ہوئیں بھونروں سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ اور باد جنوب مسرت الست کی طرح جھومتی جھامتی اس فرحت اثر نشہ میں سرشار نظر آتی تھی۔

ہر چہار جانب ایک سکون مطلق طاری نظر آتا تھا۔ چاندنی آم کے بُور کی مست خیز بوئے خوش سے جھوم جھوم کر بھڑک رہی تھی۔ اور دل میں ایک پُرکیف ہلچل پیدا کرنے والی بادِ جنوب بیسیم بار بار داخل ہو کر جذبات میں ترنّم پیدا کر رہی تھی۔ گویا آج کی یہ رات اُس کی تمام زندگی کی خوشیوں کی شکل میں آبِ حیات کا جوہر لطیف بن کر طراوت پھیلا رہی تھی کاش ایسا یونہی ضائع گئی۔ تو تمام زندگی کا تمام سرمایہ بھی اسی کے ساتھ رائیگاں جائیگا۔ مالتی کے دل میں آیا۔ آج کی اس پُر فضا رات میں اگر وہ مئے محبت سے سرشار ہو کر اُسی محبت کے بحرِ بے پایاں میں ڈوب جائے۔ اور دل کھول کر اپنی آرزوؤں اور اُمنگوں کا تمام سرمایہ بہن کے اُس عمیق دل کے کسی کونے میں ان چاند تاروں کی نظر بچا کر احتیاط سے رکھ سکے۔ تو اُس سے زیادہ خوش نصیب اور کون ہے؟ اِس پُرسکون رات کے سنّاٹے میں چاندنی نسلنے فرش کمخواب بچھا کر اس کی طرح فُرقت زدہ کا لباس زیبِ تن کئے بیدار رہ کر کس کا انتظار کر رہی ہے؟ مالتی اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکتی تھی۔ اُس کے خونی آنسو دل و جگر چھیدتے ہوئے آنکھیں پھاڑ کر باہر آنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے آہستہ آہستہ گنگا کے گھاٹ پر گئی۔ ابرق کی طرح صاف شفاف پانی کے بہاؤ کا چاند کی مشین و سنجیدہ ارغوانی شعاعوں کا عکس دُور اُس پار نظر نہ آنے والی کشتی میں ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی تھرتھراہٹ یہ سب مل ملا کر اُس کے دل خوابیدہ جذبات میں کشمکش پیدا کر کے اُسے بیدار کرنے لگے۔ اُن لبِ لعلیں میں فسوں ساز نغمہ تحمّل پذیر تھا ہر دل میں مستی جھلک اُٹھی اور مالتی ان تمام کشمکش سے پیدا شدہ چوٹوں کو دل کے اندرونی حصوں میں محسوس کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ مہاوڑ سے رنگین پاؤں اُن سفید سیڑھیوں پر رکھتی ہوئی پانی کے کنارے جا کر خاموش بیٹھ گئی۔

آج بپن کا دل بھی بے فکر نہیں تھا۔ کبھی خیالی بندرابن کی گوپ گوپیوں کے عیش و عشرت کے درمیان وہ فی الحقیقت اپنے آپ کو موجود محسوس کرنے لگا۔ جب اُس کے جذبات اس قدر تُند و رُو ہو جاتے تھے۔ تو وہ سوچتا۔ بس اب نہیں۔ اب نہیں۔ آج ہی وہ سوامی جی کے روبرو اپنی کمزوریوں کا اظہار کر کے اس سنیاس کے راستہ سے ہمیشہ کے لئے

رخصت ہوگا۔ مالتی کو آج وہ اپنا دل نذر کرے گا۔ جس کی مالتی کو بڑی آرزو رہی ہے اُسے شاد کام کرے گا۔ جس نازنین کو اُس نے پہلی بار دیکھ کر اپنے دل میں جگہ دی تھی جس کے حاصل ہونے کے عین موقع پر ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ نے اور کبھی دور تر کر دیا تھا۔ آج اُس گراں بہا پرتیما کو اپنا بنا لینے کی خواہش سے اُس کا دل مملو ہو گیا۔ آج تمام شرم و حیا بالائے طاق رکھ کر وہ اپنی پرتیا سے جا کر معافی کا خواستگار ہوگا۔ اور اُس زندگی میں پھر قصوروار ہونے کا موقع نہ دے گا۔ اس خیالی دکھ سکھ سے بے استقلالی اور امید سے بین کے دلی بین کے تمام تار عجیب و غریب راگنی سے جھنجھنا اُٹھے۔ وہ اتنی دیر تک سر جھکائے یہی سوچ رہا تھا۔ گیت کے خاتمہ پر ہی پُر تجسس نگاہوں سے مالتی کو دیکھنے لگا۔ مگر اُس کی نگاہیں ناکام واپس آئیں۔ مالتی وہاں کہاں؟ یکایک اُس نے دیکھا کہ ذرا دور پر نوکشور بنی اور بنود کو لئے کھڑا ہے۔

بین گیت کو بھول کر گورو کو بھول کر آشرم کو بھول کر دوڑتا ہوا وہاں پہونچا اور دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں لپٹا کر چومنے لگا۔ اُس کے دل میں جو جذبات کا انبوہ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آج بہت دنوں بعد بھائی اور بہن کو سینہ سے لگا کر آنسوؤں کی شکل میں رواں ہوا۔ نوکشور نے بین کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز سے کہا تمہارے والد صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ماں تمہیں لینے آئی ہیں۔ باغیچہ کے باہر گاڑی میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

بنی اور بنود دونوں کو گود میں لے کر بین تیزی سے ماں کے پاس گیا۔ اور اُنکے چرنوں میں لوٹ گیا مالکہ نے بچوں کا منہ بار بار چوم کر تمام کدورت دور کر دی۔

کچھ دیر تک خاموشی سے رو لینے کے بعد مالکہ نے رقت اثر لہجہ میں کہا۔ بین! شاید اُن کا آخری وقت آگیا ہے۔ تجھے دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں۔ بہو کو بُلا لا۔ اسی گاڑی پر میں تم سب کو لے کر واپس جاؤں گا۔

بین کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اُس کی ماں نے مالتی کو بہو کی حیثیت میں قبول کر کے گھر لے جانا منظور کیا ہے۔ بین ماں کے حکم سے مالتی کو بلانے کے لئے تیجو

کی طرح آشرم کی طرف دوڑا۔ مگر اُس محفل کے پاس سے گزرتے ہوئے اُسے بڑی
شرم معلوم ہوئی۔ گورو سے وہ کس طرح رُخصت لے گا۔ کس طرح وہ دیگر سنیاسیوں
کی ملامت خیز نگاہوں کے تیر برداشت کر سکے گا؟ ہیرن جوں جوں آشرم میں داخل ہونے
لگا۔ توں توں اُس کی حالت میں ایک عجیب و غریب تبدیلی ہونے لگی۔

اِدھر اُدھر کر کے جب ہیرن دل پر زور دے کر کسی طرح اس گیت سبھا میں آیا۔
اُس وقت اُس نے دیکھا کہ وہاں نہ تو مالتی ہے اور نہ گورو مہاراج! ہیرن بہت
خوش ہوا۔ تنہائی میں گورو سے رخصت لے کر مالتی کو چُپ چاپ بلا کر وہ ماں کے
پاس واپس جا سکے گا۔

ہیرن نے آشرم کا ایک ایک کمرہ دیکھا۔ کہیں بھی گورو اور مالتی کا پتہ نہیں
جنگل میں تلاش کر کے ہیرن گنگا کے گھاٹ کی طرف چلا۔ دور سے دیکھا کہ گورو جی
آہستہ آہستہ سیڑھیوں اُتر رہے ہیں۔ ہیرن شرمندہ ہو کر کانپتے ہوئے دل گورو سے
رخصت لینے کے لئے قدم بڑھانے لگا۔

گنگا گھاٹ کی سیڑھیوں پر آ کر ہیرن نے دیکھا۔ مالتی اپنے پاؤں پانی میں
لٹکائے بیٹھی ہوئی دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپے رو رہی ہے اور رونے کی حرکت
سے اُس کا جسم دریائے حُسن کی لہروں کی طرح بل کھا رہی ہیں۔ اور اُسی کے چرنوں
کے لمس سے گنگا کا بہاؤ ایک بڑی نقرئی تعویذ کی طرح سکڑ کر کانپ رہا تھا۔
چاندنی کی آغوش میں اُس پیکرِ حُسن کا رونا دیکھتے دیکھتے پریانند قدم رکھتے رکھتے
رفتہ رفتہ مالتی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ گنگا کی کل کل اور اپنے رونے کی آواز
کی وجہ سے مالتی نے پریانند کے پاؤں کی آہٹ نہیں سُنی۔

پریانند نے جُھک کر آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھ مالتی کے دونوں شانوں پر
رکھے۔ مالتی متحیر ہو کر چونک کر دونوں ہاتھ اُٹھا کر دیکھا۔ پریانند کھڑے ہیں۔
مالتی نے چلّا کر زور لگا کر دونوں ہاتھوں سے اُنہیں دھکا دے کر گنگا کے پانی کی
طرف منہ کر کے کھڑی ہوئی۔ عین اسی وقت اُس نے دیکھا۔ گھاٹ پر ہیرن پتھر کی

مورتی کی طرح کھڑا ہوا ہے۔

مالتی کا چہرہ فرطِ مسرت سے روشن تر ہو اُٹھا۔ دیکھو! بہن۔ دیکھو۔ اپنے گورو کی کارگذاری دیکھو۔ مگر دوسرے لمحہ میں ہی اُس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اگر بہن اُس پر شک کرے۔ اِسی خوف سے اُس کی تمام زندگی کی تمام اُمیدیں۔ بھروسہ خوشی ایک ہی دھکّے سے چُور چُور شیشہ کے برتن کی طرح خاک میں مل گئیں۔ اُس کے دل میں شمشان کا سا شور و شر گونجنے لگا۔ آج کی چاندنی سے بھرپور آسمان نے سیاہی پھیلا کر بسنت کی رات کا تمام آبِ حیات ایک لحظہ میں ہی بہا دیا۔ وہ پھولوں سے لدا ہوا کنج۔ اور سنگِ مرمر کا صاف شفاف گھاٹ غرض تمام چیزوں کی دلکشی اور حُسن جاتا رہا! گنگا کا پانی خون سے لت پت تلوار کی طرح اُس کی تمام اُمید اور طاقت کو کاٹ کر اپنی روانی میں بہا لے جانا چاہتا تھا۔ اتنے عرصہ کا اس قدر انتظار! اتنی بے چینی! اتنی ریاضت۔ یہ تمام کی تمام آج بے سود ہوئے۔ وہ ناکامیابی کے بھرے غار میں زندگی بھر تک غرق رہے گی۔ اور بیدرد بہن جیسے پہلے دُور تھا۔ اُس کی نسبت بھی دُور رہا کر اُس پر شک کرے گا! مالتی کی آنکھیں پھاڑ کر آنسو باہر آ گئے۔ وہ اتنے دنوں تک تمام زور لگا کر جس پتھر کو ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسی پتھر سے دل کی تمام طاقتیں اور امیدیں چُور چُور ہو گئیں۔ صرف خون خرابہ ہی اُس کا انجام ہوا۔ وہی سخت پتھر جوں کا توں رہا۔ ذرا بھی نہ ہٹا۔ کیسی خوفناک ناکامیابی! اُف یہ کیسا خوفناک انجام! اتنے دنوں سے ناامیدیوں کا شکار ہو کر کیا اسی لئے خون پانی ایک کیا تھا؟ انجام میں صرف ناکامیابی و ناکامی حاصل کرنے کے لئے! ہائے! ہائے! یہ کیسی شرم! کیسا دُکھ اور یہ کیسی بیدرد قسمت!!

پرمانند نے جب دیکھا۔ کہ سیڑھیوں پر بہن متحیر و ششدر کھڑا ہے تو اُس وقت وہ بھی شرم سے پانی پانی ہو گئے۔ ان کے دل میں خیال آیا۔ گنگا ماتا کی گود میں اپنی تمام کم ظرفی تمام شرم کی کدورت غرق کر دیں۔ مگر اُن کے آگے و پیچھے جو

وہ جج کھڑے ہوئے۔ اُن کا فیصلہ سُنے بغیر انہیں مرنے کا بھی حوصلہ نہیں ہوتا۔
وہ بجلی گرے ہوئے شخص کی طرح سر جُھکائے کھڑے رہے۔

بین نے گوردو کی طرف نہ دیکھ کر طمانیت بخش مگر محبت آمیز لہجہ میں بولا۔ مالتی اُٹھو ماں ہم لوگوں کو لینے آئی ہیں۔ آج ہم لوگوں کی شادی کی رات ہے۔

بین کے یہ الفاظ سُنکر مالتی کے عضو عضو میں غشی آگیا۔ یہ کیا خواب؟ یا موہ! اور یا عقلی دھوکا! یہ تو یقین نہیں آتا۔ اُس کی اتنی خوش نصیبی! بہتے ہوئے پھول کو کیا اتنے دنوں بعد کنارہ ملا۔

مالتی کے دل میں خیال آنے لگا۔ گویا آسمانی دیوی چاند کی نورانیت میں مل کر آبِ حیات کی بارش کر رہی ہے اور اپسرائیں شادی کے نغمے الاپ رہی ہیں۔ آج اس نے محسوس کیا۔ آج زمین۔ آسمان غرض ہر شے میں کیسی دلکشی ہے۔ ہواؤں میں بھی طراوت آگئی ہے۔ پھولوں میں شہد بھرا ہوا ہے۔ زمین کی خاک تک بھی حلاوت پذیر ہے۔ سُکھ کے اچھی طرح محسوس کرنے کے لئے کیا ایشور دُکھ کی تکالیف اس قدر بڑھا دیتا ہے۔ مالتی نے دل ہی دل میں اُس عظیم الشان طاقت کے روبرو سر جُھکایا۔ جو سب سُکھ دُکھ کا داتا ہے۔ فرطِ مسرت سے بین کی جانب جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکی۔ اُس کا دل مسرت کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

پرمانند بہت دیر بعد ہوش میں آکر بولے۔ بین بابو! اور مالتی! میں نے تم لوگوں سے یہی تعلیم پائی۔ کہ گورد ہونا انسان کے لئے زیب نہیں دیتا۔ آج سے میری گوروائی کا خاتمہ۔ میں اسی وقت جنم بھر کے لئے تیرتھ جاتا ہوں۔ ایشور تمہارا بھلا کرے۔

Very nice

۱۶ ستمبر ۱۹ء — گوری شنکر لال اختر
۲ بجے دن — لاہور

1-22 P.M
Friday Feb 16 '40
Somnathdas

بنگالی زبان کے بہترین معرکتہ الآرا تصانیف کے شاندار تراجم

مندرجہ ذیل ناول دورِ جدید کے بہترین فسانہ نگار منشی گوری شنکر لال صاحب اختر رئیس زادہ ایڈیٹر رسالہ جات شنکھ شنبھو۔ ناول میگزین۔ سراغ۔ تفریح فسانہ۔ وغیرہ وغیرہ لاہور کے سحر طراز قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ اختر صاحب نے براہ راست بنگالی زبان سے بہترین اور مایہ ناز ناول نویسوں کے معرکتہ الآرا ناولوں کو نہایت اسلوب سے اردو زبان کے سلیس نفیس اور لطیف لباس سے مزین کیا ہے۔ جہاں رقت کے مضامین آئے ہیں۔ ناظرین منہ پر رومال رکھ کر سسکتے ہیں۔ ویراگ کا بیان ایسے موثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ کہ دنیاوی خاکی صورتیں اپنے اصلی لباس میں نظر آتی ہیں۔ رزم بزم کے کارنامے پڑھ کر دلوں میں شجاعت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جلوت و خلوت کے دلفریب نظارے اس صفائی سے دکھائے گئے ہیں۔ کہ ظرافت پسند طبیعتیں ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن جاتی ہیں۔ اخلاقی تعلیم کا موثر اور دلکش خاکہ۔ روحانیت کے سبق کا باثر مسلم سوسائٹی کے حالات کا مصفا آئینہ۔ مختصر یہ کہ ان کے صفحات میں دلچسپی کا سمندر موجزن ہے۔ بلحاظ پلاٹ۔ تحریر و استعارات ان کا یہ عالم ہے۔ کہ ختم کئے بغیر طبیعت چھوڑنے کو نہیں چاہتی ہے۔ اردو علم ادب کے بہترین انشا پردازوں کی رائے ہے۔ کہ ان ناولوں نے لٹریچر میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ ان کی ہر دلعزیزی کا کافی ثبوت یہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ میں کئی کئی ایڈیشن ہو چکے ہیں ❖

ترچھی چتون - ملک الشعرا سر رابندر ناتھ ٹیگور کے مشہور عام بنگالی ناول چوکھیر بالی کا پُرلطف اردو ترجمہ۔ قیمت عہ رعایتی ۸/

انتھاہ ساگر - صوبہ بنگال کے مستند اور لاثانی ناول نویس شریمتی نروپما دیوی جی کے اَن پورنا کا مندر نامی بنگالی ناول کا دلآویز اردو ترجمہ - قیمت عہ رعایتی ۱۲/

رسیلی چتون - شہرۂ آفاق راجہ ناول نگار بابو بنکم چندر چٹرجی کے رجنی نامی ہر دلعزیز بنگالی ناول کا اردو ترجمہ قیمت عہ رعایتی ۸/

آفتاب - دورِ جدید کے بہترین فسانہ نویس بابو ہیمندر کمار رائے کے مایہ ناز ناول

ملنے کا پتہ - نرائن دت سہگل اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

آنبیار آنو کا شت نند از ترجمہ ضخامت ۱۸۶ صفحات قیمت عہ

(۵) کپال کنڈلا - زندہ جاوید رائے بہادر بابو بنکم چندر چٹرجی کے کپال کنڈلا نامی کا ترجمہ قیمت

(۶) امبر دلہن - صوبہ بنگال کے مشہور سحر نگار بابو ابناش چندر داس ایم - اے کے گمار بی آباجی ناول کا ترجمہ ضخامت ۱۴۴ صفحات قیمت عہ رعایتی ۸ر

(۶) اندھا حسن - زندگی کی تصویر - ولی چند بابو کا انسانی تخیلات کا رنگین بیان - قیمت عہ رعایتی ...

(۷) کملا - بنگال کے شری داموودر دلیو ایم اے کے نہایت ہی دلچسپ اور رقت انگیز بنگالی ناول کا ترجمہ ضخامت ۲۳۲ صفحات - قیمت عہ رعایتی ۱۰ر

(۸) کال چکر - بنگال کے مشہور ناولسٹ شری سورندر موہن بھٹاچاریہ کے نہایت ہی مقبول عام ناول ملن مندر کا ترجمہ - قیمت عہ رعایتی عہ

(۹) ہیرک ہستی - بابو دامودر دو مکرجی ایم اے ایس کے ہیرو لعزیز ناول کا ترجمہ قیمت عہ

(۱۰) بن باسی - صوبہ بنگال کے زبردست انشا پرداز راجہ جیوالعل تعلقہ دار کے اندر و فی نامی ناول کا ترجمہ - قیمت عہ رعایتی ۱۲ر

(۱۱) کملا - ایک بیوہ کی زندگی کا حسرتناک انجام - سوسائٹی اور سماج کی سخت گیری کا بہترین

چربہ - قیمت ... رعایتی ۱۲ر

(۱۲) ... بابو ... کے مشہور ...

نامی ناول کا ترجمہ - یہ ضخیم ناول شریمتی ممدوحہ کے تمام ناولوں میں ممتاز ہے - قیمت عہ رعایتی عہ

شندرا اندرا - از بابو بنکم چندر چٹرجی - قیمت ۹ر

چھوٹے چھوٹے ناول

رادھا رانی - مدھومتی - سنیاسی - بدنسوا - گونگی کی ڈائری ٭

نوٹ - یہ پانچوں ناول بلحاظ پلاٹ نہایت اچھوتے اور اپنی قسم کے لاجواب اور بے نظیر فسانے ہیں - قیمت ہر ایک ۴ر رعایتی ۳ر

آشیان برباد - ملک الشعراء ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور کے نشٹ نیڑ نامی ناول کا ترجمہ - قیمت ۴ر

مسٹر اعزرسانی کے سنسنی خیز ناول

جاسوس عہ رعایتی ۱۲ر	طلسمی غول ۱۲ر رعایتی ۹ر
رکبت ساگر عہ ۱۲ر	

نہایت ہی پُر مذاق ناول

ہماری پڑھی لکھی بیویاں - اپنے رنگ کی عجیب و غریب کتاب ظرافت کا بہترین بیان قیمت ۸ر

ہمارے پڑھے لکھے مرد - قیمت ۶ر

واہ رے ہیں - نئی طرز کا اچھوتا ناول جسکی نظیر اردو زبان ... قیمت ... بھنگ کی ترنگ - اس ناول کی سطر سطر میں ... مذاق کا سمندر ... قیمت ...

دلچسپ مفید عمدہ ترین تازہ بتازہ قابل دید ناول

رسیلی چتون - قیمت	عہ ۸ر	رعایتی ۱۲ ار
ترچھی چتون	" عہ ۸ر	" عہ ۲ر
انتقاہ ساگر	" عہ ۴ر	" ۱۳ ار
کپال کنڈلا	" ۱۲ ار	" ۹ ر
بروگن	" عہ ۴	" عہ
امّا	" عہ ۸ر	" [illegible]
کال چکر	" عہ ۴ر	" عہ ۲ر
مرن مئی	" عہ ۸ر	" عہ ۴ر
ترمورتی	" ۱۲ ار	" ۶ ر
بملا	" عہ ر	" ۱۲ ار
نوکا ڈوبی	" عہ ۸ر	" عہ ۸ر
منتر شکتی	" عہ ر	" عہ ۴ر
بدھوا	" ۴ر	" ۳ ر
گونگی کی ڈائری	" ۴ر	۲ ر
آشیاں برباد	" ۶ ر	۴ ر
ہماری پڑھی لکھی بیویاں - ۱۰ر		۸ ر
ہمارے پڑھے لکھے مرد - ۸ ر		۶ ر
الو ناپ	عہ ۸ر	عہ ۴ر
بھنگ کی ترنگ	عہ ۴ر	۱۴ ار
[illegible]	[illegible]	[illegible]

ہندی کتب

	اردو	ہندی
شاہی لکڑ ہارا	عمہ ر	عہ ۹ر
شاہی بھکاری	عہ ۴ر	عہ ۸ ر
شاہی ڈاکو	عہ ر	عہ ۴ر
شاہی جادوگرنی	عمہ	عہ ۹ر
شاہی پتی پرایئن	۱۰ ار	۱۰ ار
بھینکر طوفان	۱۴ ار	۱۲ ار
شاہی چور	۱۴ ر	۴ ر
چتوڑ کی چڑھائیاں	عہ ۴ر	۱۰ ر
کبیر چرتر		۶ ر
وچار کلپدرم	۱۲ ار	۸ ر
گیان کلپدرم سار	۸	۸ ر
منو نیم کلپدرم سار		۱۰ ار
رشی برتانت کلپدرم	۶ ر	۶ ر
کتھا کلپدرم		۶ ر
آتم وچار کلپدرم	۶ ر	۸ ر
سنت امرت بانی		۶ ر
چرتر کلپدرم	۶ ر	۸ ر
چرتر وچتر کتھائیں		۸ ر
راجستھان	۸	ہے
[illegible]	۸ ر	[illegible]

شو وٹی

ہر ایک بلغمی سوادی امراض مثلاً دمہ - کھانسی تپ لرزہ - پانڈو روگ - یرقان - درد پیٹ - درد چشم - ناخونہ - وغیرہ امراض چشم کے لئے از حد مفید ہے ہر قسم و بادی سنپات ہر قسم کی بیماریوں - قبض شکم - قولنج - بواسیر - بانجھ پن - کرم - تنگی بول - بدہضمی کمزوری معدہ - سنگرہنی - سوزاک - گنٹھیا - آتشک - پرمیہ - ذیابیطس - بدبو دہن - درد سر - جلودہر - ضعف باہ - مرگی ناسور - گنج - شبکوری - زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈنگوں - زکام درد ناف - تنگی نفس - سنگ مثانہ - ڈبہ اطفال - اور بہت سی بیماریوں کے لئے سایک واحد بے خطا دوائی ہے۔

قیمت ۶۴ گولی دو روپیہ - ۳۲ گولی عہ

رادھا سوامی رسائن

جو ہر قسم کے بخار یعنی دکھتی تپ دق وغیرہ کو از حد مفید ہے - اسہال سنگرہنی ہیضہ کے لئے تیر بہدف - اور نزلہ زکام و کھانسی پھیپھڑے اکسیر - تپ دق - سل سردرد - سوم روگ درد کمر واختلاج قلب کو دور کرتا ہے - علاوہ ازیں ملازمین دل و دماغ - معدہ و جگر ہے - عشق شرعشت - احتلام جریان - جریان الرحم وہسٹیریا - وخونی بواسیر وغیرہ ٹھنڈا ناجو دل دھڑکنا وغیرہ امراض میں جو خوراک سے صحت ہونے لگتی ہے جو اشخاص ہر طرح کے علاج کر کے مایوس ہو چکے ہوں - ان کے لئے یہ دوائی نعمت غیر مترقبہ ہے - وہ اس دوائی کا استعمال کر کے مالک کی قدرت کا تماشہ دیکھیں - خون صالح پیدا کرنے میں یہ بینظیر دوائی ہے - چند ہی دنوں کے استعمال سے مالک کے فضل و کرم سے مرض کا قلع قمع ہو جاتا ہے - قیمت فی تولہ صرف سے روپیہ - نمونہ (۳ ماشہ) ۱۲ر

مینیجر رادھا سوامی اوکشدھالیہ ساؤتھ سٹریٹ چھنگڑ محلہ - لاہور

Jagan Nath
Dass

Lend the Book.

Bazaz Jagan